

إِعْلَانٌ كَلِمَاتِ اللَّهِ
فِي بَيَانِ

وَمَا أَمِلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ



مَلَأْتُمِلَا مَلَدًا

ثَانِيَةً

مَلَأْتُمِلَا مَلَدًا مَلَدًا

چشم روشن کن ز خاک اولیا
تا بہ نبی ز ابتدا تا انتها (رومی)



إِعْلَاءُ كَلِمَةِ اللَّهِ

تصنیف لطیف

مامور من الرسول، مجتہد دین و ملت، فاتح قادیانیت، امام المسلمین
اعلیٰ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالذَّمُّ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ - (قرآن حکیم)
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى.

إِعْلَاءَ كَلِمَةِ اللَّهِ

فی بیان

وَمَا أَهْلًا بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

تصنیف لطیف

مامور من الرسول، مجتهد دین و ملت، فاتح قادیانیت، امام المسلمین

اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

بایماہ

حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

باہتمام

حضرت پیر سید غلام معین الدین گیلانی قدس سرہ العزیز

حضرت پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی مدظلہ العالی

سجادہ نشین گولڑہ شریف



جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

ہشتم.....	بار
گوڑہ شریف.....	مقام اشاعت
محمد نعیم.....	کمپوزنگ و ڈیزائننگ
4000.....	تعداد
ذوی القعدہ ۱۴۳۲ھ اکتوبر 2011ء.....	تاریخ اشاعت
ایم ایم پبلی کیشنز لاہور.....	مطبوعہ
150/- روپے.....	ہدیہ
کتب خانہ درگاہ غوثیہ مہریہ گوڑہ شریف.....	ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور

فرید بک سٹال - 38 اردو بازار لاہور

فاتحِ قادیانیت، مجددِ دین و ملت

حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

حیات و خدمات :-

عالمِ ربانی، عارفِ لاٹھانی، رہبرِ شریعت، ہادیِ طریقت، قبلہٴ عالم سیدنا و مولانا حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ الحسنی الگیلانی قدس سرہ ان بزرگانِ دین اور علماءِ کاملین سے ہیں جو بڑی مدت کے بعد کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کی نگاہیں باریک سے باریک حقیقت کو دیکھتی ہیں اور جن کی نظروں میں انسانی زندگی کے تمام نقوش خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں رہتے ہیں اور جن کے قلوب انوارِ سبحانیہ کے معدن اور اسرارِ ربانیہ کے مخزن ہوتے ہیں۔ وہ ایک طرف اپنا تعلق محبوبِ حقیقی سے استوار رکھتے ہیں اور ایک طرف نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی ہر جائز خیر خواہی کے لیے ہر میدان میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کا وجود اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے غیر فانی معجزات کا نمونہ ہوتا ہے اور ان کا خلق اخلاقِ خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے۔ آنے والی سطور میں انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کی حیات و خدمات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

خاندان اور تعلیم و تعلم :-

آنجناب ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء قصبہ گولڑہ تحصیل و ضلع راولپنڈی میں ایسے گھرانے میں جلوہ افروز ہوئے جو اس خاندانِ ساداتِ قادریہ گیلانیہ کی شاخ ہے جس کے مشہور جد امجد حضرت میراں شاہ قادر قیص، سرکارِ بغداد قدس سرہ سے مامور ہو کر تشریف فرمائے ہندوستان ہوئے اور مختلف علاقوں میں تبلیغ و ارشاد فرما کر قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی۔ جہاں آج تک آپ کا خاندان موجود ہے۔ صاحبِ مخازنِ النسب نے آپ کے

تفصیلی حالات تحریر کیے ہیں۔ نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اخبار الاخیار میں آپ کے سیدگیلانی اور ایک صاحب کمال بزرگ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت قبلہ عالم سیدنا پیر مہر علی شاہ کے والد گرامی پیر سید نذر دین شاہ کے جد امجد سید روشن دین اور ان کے برادر حقیقی سید رسول شاہ سب سے اڈل قصبہ ساڈھورہ شریف سے حجاز مقدس اور بغداد شریف ہوتے ہوئے واپسی پر گوڑہ شریف میں اقامت پذیر ہو گئے۔ چنانچہ اس خاندان کے متعدد کشف و کرامات علاقہ میں آج تک مشہور ہیں۔ جن سے دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ پیر سید روشن دین شاہ جب ابتداء میں یہاں تشریف فرما ہوئے تو علاقہ کے بعض شیعہ سادات نے آپ کے سید ہونے کے متعلق کچھ شکوک و شبہات کیے۔ آخر کار ایک موقع پر آپ نے ان سے وجہ دریافت کی تو یہ من گھڑت مقولہ پیش کیا ”کاٹھ نہ کنی سید نہ سنی“ جس پر آنجناب نے اپنی کلابہ مبارک زمین پر رکھ دی اور فرمایا جو کہ سید صحیح النسب ہوگا وہی اس کو اٹھائے گا۔ معترضین میں سے ایک صاحب جن کو اپنی سیادت پر بڑا ناز تھا اٹھے اور پورا زور لگایا مگر ٹوپی نہ اٹھ سکی۔ ناچار شرمندہ ہو کر عرض کی کہ اجازت ہو تو اٹھالوں۔ آپ نے شفقت بھری نگاہ سے دیکھا اور فرمایا، اٹھالے۔ اور یہ بھی فقط اُس کی عاجزانہ درخواست پر ظہور میں آیا ورنہ حشر دہی ہوتا جو پہلے ہوا تھا۔

دوسرا یہ ہے جب سکھوں کے دور میں حضرت قبلہ عالم کے والد گرامی حضرت سید نذر دین شاہ کو ایک غلط الزام میں زندہ جلانے کی تجویز کی گئی تو باقاعدہ لکڑیوں کا چتہ تیار کیا گیا اور آپ کو بٹھا کر آگ لگانے کی پوری کوشش کی گئی مگر چتہ مشتعل نہ ہوا اور سکھوں نے سخت شرمندہ ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ حضرت قبلہ عالم نے اپنے والد ماجد اور ان کے ماموں حضرت پیر فضل دین شاہ گیلانی کی سرپرستی میں ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل فرمائی۔ بچپن کا زمانہ تھا ایک دن استاد نے نہایت تاکید کی کہ کل کے سبق کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آنا ورنہ ماروں گا۔ اتفاقاً اس مقام سے کتاب کرم خوردہ تھی اور دوسرا نسخہ موجود نہ تھا۔ آپ پریشانی کے عالم

میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر بارگاہِ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا خداوند! اگر تو مجھے عبارت سکھا دے تو اس میں تیرا کوئی نقصان نہ ہوگا اور میں استاد کی مار سے نہ جاؤں گا۔ سبحان اللہ یہ کہنا تھا کہ ایک سبزی عبارت آپ کے سامنے چمکی جس کو آپ نے ضبط فرمایا۔ دوسرے دن جب استاد نے پوچھا تو آپ نے سب عبارت یاد سنادی حالانکہ کتاب میں عبارت موجود ہی نہ تھی اور نہ کوئی دوسرا نسخہ وہاں موجود تھا استاد بڑے متعجب ہوئے اور راولپنڈی جا کر دوسرا صحیح نسخہ تلاش کر کے ملاحظہ کیا تو حرف بہ حرف درست پایا۔ واپس آ کر کہنے لگے کہ پیرزادہ جی! تمہیں اللہ تعالیٰ بڑی شان عطا کرے گا۔ میرے لیے بھی دعا کرنا، اور آپ کو مزید تعلیم دینے سے معذرت ظاہر کی۔ جس پر آنجناب علاقہ ہزارہ مقام بھوئی کو روانہ کیے گئے۔ وہاں پر مولانا محمد شفیع مرحوم سے آپ نے قطبی تک کتابیں پڑھیں بعد میں وادی سون سے گاؤں انگہ شریف ضلع خوشاب میں مولانا حافظ سلطان محمود کے درس میں داخل ہوئے جو علاوہ ماہر علوم ظاہرہ ہونے کے حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے مخلص مرید اور صاحب نسبت تھے۔ اس دوران میں استاد مرحوم کے ساتھ آپ کو سیال شریف بکثرت جانے کا اتفاق ہوا کرتا اور آخر کار آپ حضرت اعلیٰ سیالوی سے بیعت بھی ہو گئے۔ قیام انگہ کے زمانہ میں آپ نے تحصیل علم میں وہ مجاہدہ کیا کہ بسا اوقات سخت سردیوں میں لحاف کے بغیر ساری رات مطالعہ میں گزر جاتی اور صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔ دواڑھائی سال کے مختصر وقت میں آپ نے اکثر درسی کتب پر عبور حاصل فرمایا اور ساتھ دوسرے طلباء کو سبق پڑھانے کا سلسلہ بھی استاد محترم نے آپ کے سپرد فرمایا۔ ان مشاغل کے باوجود سیال شریف کی حاضری اور روحانی ترقی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جب کبھی موقع ملتا تو تنہائی میں اشعارِ شوقیہ اور غزلیاتِ ذوقیہ سے بھی محظوظ ہوتے رہتے۔ خبر ہونے پر شائقین چھپ چھپ کر آپ کی ان وجدانی کیفیتوں سے مستفید اور لذت اندوز ہوتے چونکہ آپ کی طبیعت مبارکہ شہرت سے متنفر تھی اس لیے انگہ سے کوچ فرما کر آپ نے کچھ عرصہ علاقہ چکوال میں ایک مشہور عالم مولانا برہان الدین مرحوم کے ہاں کچھ

اسباق حاصل فرمائے۔ بعد ازاں باجارت اپنے مشائخ کے ہندوستان کا رخ فرمایا۔ مولانا احمد حسن کانپوری جن کے کتب معقول اور مثنوی شریف پر حواشی بھی موجود ہیں، اُس زمانے میں زیارتِ حرین شریفین کا ارادہ فرمائے ہوئے تھے۔ آپ نے مولانا مرحوم سے استفادہ کا خیال ظاہر فرمایا مگر مولانا نے سفرِ حرین کے ارادہ کی وجہ سے معذرت کی۔ آخر کار جب آنجناب کے فضل و کمال کا سورج درخشاں ہوا تو ایک دفعہ بموقعہ عرس پاکپتن شریف مولانا مرحوم حاضر ہو کر اچانک آپ کے قدموں میں گر پڑے۔ کافی ہجوم تھا۔ اتنے میں کسی نے کہا کہ یہ مولانا احمد حسن کانپوری ہیں۔ آپ نے فوراً اٹھا کر گلے لگالیا اور دورانِ قیام بڑی محبت آمیز مجلسیں ہوتی رہیں۔ مولانا نے اس حد تک اظہارِ عقیدت کیا کہ کاش! مجھے آپ کو ایک دو سبق پڑھانے کا شرف حاصل ہو جاتا اس لیے نہیں کہ آپ کا استاد کہلاؤں بلکہ اس لیے کہ آپ کے دعواتِ صالحہ میرے شاملِ حال ہو جاتے۔ واضح ہو کہ ہندوستان کے دیگر مشاہیر علماء مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی، مولانا انور علی شاہ کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا رحمت اللہ مہاجرکی، مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ آپ کے کمالاتِ علمیہ کے مداح تھے۔ مولانا رحمت اللہ سے آپ کی ملاقات مکہ شریف میں ہوئی اور مسئلہ ندائے غائبانہ اور جمعہ فی القرئی پر مفصل گفتگو ہوئی۔ جس پر مولانا مرحوم نے اپنے سابقہ خیال سے رجوع فرما کر آپ کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا اور آپ کو فقط ایک تبحرِ عالم ہی نہیں بلکہ انسانِ کامل تصور کرتے ہوئے آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کی اور کچھ وظائف کی اجازت بھی حاصل کی۔ آپ کے سفرِ حج کے واقعات اس قسم کے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے فضل و کمال کا سورج فقط ہند ہی میں نہیں بلکہ مرکزِ اسلام حجازِ مقدس میں بھی ایسا درخشاں ہوا کہ بڑے بڑے علم اور فن کے ستارے اس روشنی میں ماند پڑ گئے۔ خصوصاً حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجرکی کے سامنے مثنوی شریف کے ایک شعر کی تشریح اور حاجی صاحب مرحوم پر سن کر وجدانی کیفیت طاری ہونا وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن سے آپ کی شانِ علمی کا نمایاں پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ آپ

مولانا احمد حسنؒ سے رخصت ہوئے اور استاذ الکل مولانا لطف اللہ مرحوم کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے۔ دورانِ قیام وہ علمی جوہر دکھائے کہ مولانا مرحومؒ کی توجہ کا مرکز بن گئے اور جب علی گڑھ کے بعض اراکین نے مولانا کے مدرسہ کو فیل کرنے کی غرض سے سخت قسم کے امتحان کی تجویز کی تو مولانا نے قبل از امتحان آزمائشی طور پر طلباء سے سوالات کیے تو آنجنابؒ کے جوابات ایسے پسند فرمائے کہ اسی دن ممتحن کے پاس روانہ کر دیے۔ چنانچہ دوسرے دن معلوم ہوا کہ ممتحن مذکور نے یہ کہہ کر اراکین کالج سے امتحان لینے کے متعلق معذرت کی کہ جس مدرسہ کے طالب علم کا یہ کمال ہے اس کا امتحان لینا میرا کام نہیں۔ مولانا مرحوم اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فرمایا کرتے تھے پیرزادہ جی! میرے مدرسے کی لاج تم نے رکھ لی۔ ایک موقع پر مولانا کے بڑے مشہور شاگرد مولوی عبداللہ صاحب ٹونگی جو اس وقت دہلی میں مدرس تھے وہاں تشریف لائے اور اثنائے قیام میں علم نحو کے ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آنجنابؒ کے طرزِ بیان کو سن کر حیران رہ گئے اور آخر میں جب حکومت برطانیہ کی طرف سے لاہور یونیورسٹی کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہوئے اور تحریک مرزائیت کے خلاف مناظرہ کے دوران میں آنجنابؒ کی تحقیق سننے کا اتفاق ہوا تو فرمانے لگے کہ یہ علومِ لدنیہ کی شان ہے جس میں اکتساب کو دخل نہیں۔ تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپؒ نے تمام انتہائی کتابوں سے فراغت پا کر تحصیل حدیث کے لیے سہارنپور کے مشہور شیخ الحدیث مولانا احمد علی صاحبؒ محشی بخاری شریف سے کتب حدیث شروع فرمائیں۔ دورانِ تدریس ایک دن مولانا سے کسی نے سوال کیا کہ قیامِ تعظیہ پر کیا دلیل ہے؟ آپؒ نے وہ حدیث پیش کی جس میں آیا ہے کہ حضرت سعدؓ انصاری کے آنے کے وقت حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا قوموا الی سیدکم (کہ اپنے سردار کے لیے اٹھو) سائل نے پھر سوال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی اور وجہ سے اٹھنے کا حکم دیا ہو۔ قیامِ تعظیہ پر کون سا قرینہ ہے۔ مولانا مرحوم نے آنجنابؒ کی طرف دیکھا۔ آپؒ نے فوراً فرمایا کہ یہ مسئلہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مشتق پر حکم کیا جاتا ہے تو اس کا مصدر حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہذا یہاں

حضرت سعدؓ کی سیادت اور سرداری قیام کی علت ہوگی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا مقصد حضرت سعدؓ کی تعظیم کرانا تھا۔ آپؓ کے اس طرز استدلال کو سن کر سائل خاموش ہو گیا اور شیخ الحدیث بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ مولانا (آپؓ کا سلسلہ اساتذہ تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا تھا آپؓ نہ دیوبندی تھے اور نہ ہی آپؓ کے اساتذہ میں کوئی دیوبندی ہے) کے حلقہٴ درس میں اہلحدیث طبقہ کافی ہوتا تھا۔ اس لیے مسائل اختلافیہ پر بارہا گفتگو ہو جاتی تھی۔ آنجنابؒ انہیں ایسے دندان شکن جواب دیتے کہ پھر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی۔ ان کمالات کو دیکھ کر ایک دن مولانا نے آپؓ کی اپنے مقام پر دعوت فرمائی اور بعد فراغت سند حدیث لکھ کر فرمایا کہ آپؓ کو زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اپنے وطن تشریف لے جائیے اور خلقِ خدا کو مستفیض فرمائیے۔ چنانچہ آپؓ کے ۱۸ء میں تقریباً بیس اکیس سال کی عمر میں علومِ متداولہ سے فارغ ہو کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور اپنے آبائی قصبہ گولڑہ شریف میں کافی خلقِ خدا کو علم و عرفان کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔

جذب و سلوک اور خلافت :-

قبل ازیں گزر چکا ہے کہ اکتسابِ علومِ ظاہرہ کے ساتھ علومِ باطنہ کی طرف بھی آپؓ کی پوری توجہ رہی۔ سرکارِ ولایت حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدنا غوثِ اعظمؒ کے ارواحِ طیبہ سے بلا واسطہ مستفیض ہونے کا تذکرہ متعدد مقامات پر آپؓ کی کلامِ منظوم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں حسب قواعدِ طریقت سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور شیخ الوقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ اور اپنے خاندان کے ایک مشہور بزرگ حضرت پیر فضل الدین شاہ قادری گیلانیؒ سے آنجنابؒ کو بیعت و ارشاد و تلقین و تربیتِ خلق اللہ کی اجازت حاصل ہوئی۔ اور ان ارواحِ طیبہ کی عنایات اور توجہات کے ساتھ ساتھ جس قدر ریاضات و مجاہدات آنجنابؒ نے کیے بلا ریب قرونِ سابقہ کے بزرگانِ دین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مہینوں کے مہینے مختلف

پہاڑوں اور جنگلات میں بسر کر کے مالوفاتِ طبعیہ سے کنارہ کش رہنا آنجنابؐ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ آخر عمر میں جبکہ عالمِ استغراق میں متواتر کئی سال سے غذا وغیرہ کو باقاعدہ استعمال فرمانے سے کافی حد تک احتراز فرمایا تھا اور بعض اطباء نے حقیقتِ حال سے ناواقفیت کی بناء پر یہ وجہ بیان کی کہ آپؐ کی کمزوری قلتِ غذا کے سبب سے ہے تو فرمایا کہ ہرگز نہیں یہ لوگ میری مرض کی شناخت نہیں کر سکتے درویش کے لیے غذا کے بغیر گزارہ کرنا کچھ مشکل کام نہیں۔ غرضیکہ حصولِ عرفان و تحصیلِ کمالات کے ذریعے عموماً دوہی ہیں۔ جذب و عشق اور ریاضت و مجاہدہ، جس طریقہ سے دیکھا جائے آپؐ کی ذاتِ بابرکات یکتائے روزگار نظر آتی ہے۔

کمالات و کرامات :-

دنیا عموماً ولایت کا معیار کرامت کو سمجھتی ہے لیکن یاد رہے کہ کرامات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک حسیہ اور دوسری معنویہ۔ کراماتِ حسیہ جیسے عام طور پر اولیاءِ کرام سے تصرّفات منقول ہیں۔ مثلاً ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، دور دراز مسافت کو تھوڑے سے وقت میں طے کر لینا، توجہ سے کسی کی حاجت روائی کر دینا۔ جن کا ثبوت متعدد آیات و احادیث سے بھی ملتا ہے لیکن اس قسم کے واقعات غیر ولی سے بھی ہونے ممکن ہیں۔ چنانچہ بعض اہلِ ریاضت غیر مسلم افراد کو بھی یہ مقام حاصل تھا جسے اہلِ شرع استدراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن کراماتِ معنویہ یعنی ذوق و شوقِ الہی، استقامتِ شریعت اور پیغمبرِ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے والہانہ عقیدت اور محبت اور ملتِ اسلامیہ پر ہر آنے والی آفت کا خسی الوسع مقابلہ کرنا۔ اپنے خداداد اثر و تاثیر سے امتِ مسلمہ کو اختلاف سے نکال کر صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی سعی کرنا، ارشادِ خلق اور گم گشتگانِ راہِ شریعت و طریقت کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا، مشکل سے مشکل علمی اور عرفانی نکات کی تہہ تک پہنچ کر طالبانِ حق کی پیاس کو بجھانا، صبر و قناعت، تسلیم و رضا، جو دو سخا، عفو و کرم، حلم و حیا جیسے مقاماتِ عالیہ سے خود پیراستہ ہو کر دوسروں کو آراستہ کرنا۔ یہ وہ انعامات

ہیں جو محض انہی حضرات کا حصہ ہیں جن پر عنایاتِ ایزدی اور فصلِ ربانی کا خاص ظہور ہوتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو خلافتِ الہیہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے کمالات کے متعلق بزرگانِ دین میں یہ مشہور ہے کہ *الا ستقامة خیر من الف کرامة* یعنی آدابِ شریعت و طریقت کی پابندی ہزار دیگر قسم کی کرامتوں سے افضل ہے۔ گو آنجنابؑ کی زندگی کا ہر لمحہ اس قسم کی کرامات سے معمور نظر آتا ہے لیکن یہاں فقط چند ایک ایسے کمالات کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے جو کہ اسلام اور امتِ مسلمہ کی خیر خواہی اور جذبہٴ اخلاص اور اخوتِ اسلامیہ کی بناء پر آنجنابؑ سے ظہور پذیر ہوئے۔ جن میں غور کرنے کے بعد ہر منصف مزاج انسان آپؑ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ردِ مرزائیت:-

۱۹۰۰ء کے قریب جبکہ ختمِ نبوت جیسے مسلمہ عقیدہٴ اہل اسلام میں مختلف تاویلات کے ذریعے سے مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں میں اختلاف کا ایک طوفان کھڑا کیا اور حضرت مسیح ابن مریمؑ جن کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے اور واپس قربِ قیامت میں تشریف لانے کے متعلق کتاب و سنت اور اجماع امت کے دلائل متواترہ موجود ہیں، ان کی کرسی کو اپنے لیے خالی کرنے کی کوشش بے سود کی۔ تو اس خطرناک تحریک کو مٹانے میں جس طرح آنجنابؑ نے کارہائے نمایاں کئے وہ اپنی نظیر آپؑ ہیں۔ تقریر و تحریر ہر لحاظ سے امتِ مسلمہ کے اس متفقہ عقیدے کو آپؑ نے دوبارہ ایسا اظہر من الشمس کیا کہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اور اظہارِ حق کے لیے یہاں تک جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں اختلاف کرنے والے بھی سفید کاغذ میدان میں رکھ دیں اور میں بھی رکھ دیتا ہوں۔ جس کے کاغذ پر خود بخود غیبی تحریر ہو جائے وہی سچا سمجھا جائے گا۔ دنیا جانتی ہے کہ آپؑ کے

اس واضح چیلنج کو سن کر مخالفین دم بخود رہ گئے اور میدانِ مناظرہ میں آنے تک کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ کتاب شمس الہدایۃ دربارہ اثباتِ حیاتِ مسیح اور سیفِ چشتیائی وغیرہ آپ کی تصنیفات اس معاملہ کی زندہ مثالیں ہیں۔

ردِ نجدیت :-

جب بارہویں صدی کے مشہور نجدی لیڈر محمد بن عبدالوہاب نجدی نے توحید کی آڑ میں ذواتِ مقدسہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے متعلق نامناسب خیالات کا اظہار کیا اور حریم شریفین کے اہالیان کے خون اور مال سے کھیلنا شروع کیا۔ جس کی تعلیمات کے اثرات سے متاثر ہو کر بعض لوگوں نے یہاں بھی وہی سلسلہ شروع کیا اور ایک زبردست اختلاف اور فتنہ مسلمانوں میں برپا ہونے لگا تو آپ نے اس معاملہ میں نہایت ہی اعتدال اور انصاف کے ساتھ ان تمام مسائل پر اپنی مشہور کتاب ”اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ لغير اللہ“ تصنیف فرما کر امتِ مسلمہ پر بڑا احسان فرمایا۔ کتاب مذکور کے اندر غور کرنے سے اس معاملہ کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور ایک منصف اور حق پرست انسان کے لیے بجز تسلیم کے چارہ نہیں رہ جاتا۔ تو سل، نذرو نیاز، سماع موتی اور علمِ غیب وغیرہ مسائل پر آپ نے ایسے محققانہ انداز میں قلم اٹھایا کہ بڑے بڑے علماء دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ آخر کتاب میں اس مسئلہ تکفیر کے متعلق آپ نے نہایت ہی متکلمانہ تحقیق فرمائی ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کل جیسا کہ تکفیر بازی کا بازار گرم ہے یہ اسلام میں کس حد تک معیوب ہے اور بغیر کسی خاص شرعی وجہ کے کسی مسلمان کو کافر کہنے کے کس قدر خطرناک نتائج ہیں۔

آپ کے بارہ سوالات :-

آنجناب کے اس قسم کے نجدیت سوز کارناموں کو دیکھ کر اس مشن کے بعض ہوا خواہوں نے بجائے دلائل کا جواب دینے کے سب و شتم اور گالی گلوچ کا راستہ اختیار کیا۔

مشاہیر اولیاء کرام جیسے محی الدین ابن عربی وغیرہ کے خلاف کفر تک کا فتویٰ لگانے سے بھی دریغ نہ کیا اور دس مشکل سوالات مختلف علوم سے شائع کرا کے اعلان کیا کہ پیر صاحب یا دیگر علماء اہلسنت ان کا جواب دیں۔ آپ نے اثنائے سفر میں صرف چند گھنٹوں کے اندر فقط ان دس سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ اپنی طرف سے اسی نوعیت کے پورے ایک سو ایک (۱۰۱) سوال تیار فرمائے۔ لیکن ان میں سے فقط بارہ سوالات شائع فرما کر آخر میں تحریر فرمادیا کہ ”چونکہ جواب سے جواب ہی ہوگا لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے“ جب اتنی بڑی جماعت کے خلاف اس قدر زبردست پیشن گوئی کرنے سے بعض احباب نے اظہار پریشانی کیا تو فرطِ جوش میں آ کر فرمایا کہ ”اگر وہ لوگ کسی بھی سوال کا جواب لکھ دیں تو جن انگلیوں سے میں نے سوالات لکھے ہیں وہ کٹوا دوں گا“ چنانچہ آپ کا ارشاد حرف بحرف سچا ہوا۔ یا ر لوگوں نے اپنے نجدی ہم خیال لوگوں کے تعاون سے ہر ممکن کوشش کی مگر جوابات پر قادر نہ ہو سکے۔ جناب قاری عبداللہ جو مکہ شریف میں مقیم تھے ان سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے سوالات وہاں حجاز شریف میں پہنچے تو علماء حجاز کے متعدد اجلاس ان کے حل کے لیے منعقد کیے گئے مگر بجز حیرت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آنجناب کے ان سوالات و جوابات کو دیکھ کر فقط ہندوستان ہی نہیں بلکہ ممالک عربیہ عراق، مصر اور ترکستان تک کے علماء کرام عیش عیش کراٹھے۔ یہ ذخیرہ رسالہ ”الفتوحات الصمدیہ“ میں طبع ہو کر آج تک منظر عام پر جلوہ فرما ہے۔

آنجناب کی اعتدال پسندی:-

علاوہ ازیں شیعہ سنی اور مقلد غیر مقلد کے مابین اختلافات کے وجوہ اور ہر فریق کے بعض متعصبانہ خیالات کی تردید اور ان سب فرق اسلامیہ میں ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنے کے متعدد نمونے آپ کے ملفوظات اور مکتوبات میں ملتے ہیں۔ جہاں ایک طرف شیعہ حضرات کے اس خیال کی آپ نے زبردست تردید فرمائی ہے کہ خلافت بلا فصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا حق تھا اور نعوذ باللہ خلفاء ثلاثہ علیہم السلام رضوانِ ناحق تھے وہاں ان متعصب سنیوں کے اس نظریہ کی بھی تردید فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہر لحاظ سے خلفاء ثلاثہ سے پیچھے تھے۔ حالانکہ متعدد احادیث سے آنجناب کا علم و حلم، جو دو سخا اور بعض دیگر اوصافِ کاملہ میں یکتائے روزگار ہونا اظہر من الشمس ہے اور جہاں آپ نے جناب سید الشہداء کے مصائب و مناقب کو صحیح طور پر بیان کرنے اور سننے کو مودتِ اہلبیت کے لوازمات سے شمار فرمایا۔ وہاں غلط سلسلہ روایات کا عترتِ رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے وقتی طور پر لوگوں کے جذبات کو ابھارنا معیوب قرار دیا اور جو لوگ یزید اور ابن زیاد وغیرہ دشمنانِ اہلبیت کی صفائی کرتے ہوئے اتنا کہنے سے بھی نہیں شرماتے کہ کیا ہوتا اگر حضرت امام عالی مقام یزید کی بیعت کر لیتے۔ ان کی تردید کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یزید اور دیگر اشیاء جنہوں نے عترتِ رسول ﷺ پر مصائب کے پہاڑ ڈھائے از روئے حدیث صحیحہ ایذا دہندگانِ رسول ﷺ ہیں اور مستحق لعنت ہیں۔ لیکن کسی فرد یا قوم پر لعنت کو ضروریاتِ مذہب سمجھ کر یہی رٹ لگانے کے بجائے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی آلِ پاک پر درود بھیجنا افضل ہے کسی کے ملعون ہونے کے متعلق دلائل شرعیہ کی وجہ سے عقیدہ رکھنا اور بات ہے اور اس پر لعنت کرنے کو مشغلہ بنا لینا اور بات ہے نیز حدیث مشہور جس میں حضور ﷺ نے اسلام کے اندر بارہ خلفاء ہونے کے متعلق خبر دی ہے۔ شیعہ حضرات اسے اپنے مذہب کے اثبات کے لیے ایک اٹل دلیل سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد بارہ ائمہ اہلبیت کرام ہی ہیں۔ اس حدیث کی آنجناب نے ایسی عجیب تشریح فرمائی ہے کہ ہر فرقے کا منصف مزاج آدمی پڑھ کر داد دے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غلبہ ادب کی وجہ سے بعض احادیث پر بغیر تاویل کے عمل کرنا جیسا کہ بعض متقدمین سلف صالحین سے منقول ہے چنداں معیوب نہیں لیکن حضراتِ ائمہ مجتہدین کو انکارِ حدیث سے متہم کرنا اور ان کی خدماتِ دینیہ سے بالکل منہ موڑ لینا جیسا کہ بعض متعصب غیر مقلدین کا شیوہ ہے نہایت نامناسب رویہ ہے۔ واقعات اور تاریخ اس امر پر شاہد ہیں کہ حضراتِ ائمہ مجتہدین نے جو کچھ کیا نہایت خلوص اور دیانت کے ساتھ کیا۔ نعوذ باللہ ایسے خادمانِ دین کے متعلق یہ نظریہ رکھنا سراسر انصاف کے خلاف ہے۔

نظریہ وحدت وجود۔

صوفیائے اسلام کے نظریہ وحدت وجود جس پر اکثر مشاہیر اولیاء کرام ایک ہزار ہجری تک متفق چلے آئے ہیں اور ہر مسلک اور مشرب کے اربابِ حال کی کلام اس سے مملو نظر آتی ہے جن میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ، امام عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ، حضرت غریب نواز اجمیریؒ، حضرت محبوب الہی دہلویؒ، حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے متعلق بعض متاخرین مشائخ نے مجدد الف ثانیؒ کی کچھ تحریرات سے اس قسم کے نتائج برآمد کیے جن کی وجہ سے اس گروہ صدق و صفاء میں کافی اختلاف کا احتمال پیدا ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں بعض ارباب تصوف نے غلبہٴ حال کی وجہ سے اس کشفی مسئلہ کو کلمہ توحید کا مرادی معنی قرار دے کر تمام امت مسلمہ کو اسی کا مکلف ہونے پر زور دیا اور جو اس کا قائل نہ ہو اسے مشرک و کافر تک لکھ دیا۔ چنانچہ شاہ عبدالرحمن لکھنوی کی کتاب ”کلمۃ الحق“ اس امر کی پوری تصدیق کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امر سے امت مسلمہ کے اکثر افراد کا کلمہ توحید کے معنی پر ایمان رکھنے سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام فقط حال سے تعلق رکھتا ہے اور سوائے اولیاء کرام اور عرفاء عظام کے ہر کس و ناکس کی رسائی اس تک مشکل ہے۔ آنجنابؒ نے اس خطرہ کو بروقت محسوس فرماتے ہوئے اپنی معرکہ الآراء کتاب ”تحقیق الحق فی کلمۃ الحق“ تصنیف فرما کر ان سب خطرات کا سد باب فرمادیا۔ کتاب کیا ہے علم و عرفان کا ایک بحر ذخار ہے، جس کے پڑھنے سے مصنف کے عرفانی کمالات کا پتہ چلتا ہے۔ مفتی محمد حسن مرحوم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے شیخ طریقت مولوی اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر پیر صاحبؒ یہ کتاب تصنیف نہ فرماتے تو اہل ظاہر کے لیے کلمہ توحید پر اپنا ایمان ثابت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ مصنف ”کلمۃ الحق“ نے کتاب و سنت اور لغت و بلاغت کے دلائل قاہرہ سے

یہ ثابت کر دیا تھا کہ کلمہ طیبہ کا مفہوم توحید و جود ہی میں ہی منحصر ہے جس کے بغیر ایمان شرعی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور واقعی بات ہے کہ اگر حضرت قبلہ عالم جیسے محقق عارف اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے تو علماء ظاہر میں سے کسی کو بھی کتاب مذکورہ کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہو سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کے اس اصولی کلمہ طیبہ میں اہل اسلام کے دو بڑے گروہوں میں تصادم پیدا ہو جاتا جس کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے۔ آنجناب نے ایک طرف لکھنوی کے دلائل کے دندان شکن جوابات دے کر دلائل اور براہین سے یہ ثابت فرمایا کہ کلمہ توحید کا وہ معنی جس پر زمانہ رسالت مآب ﷺ سے تمام اہل اسلام متفق چلے آئے ہیں ایمان شرعی کے حاصل کرنے اور کفر و شرک سے نجات پانے کے لیے وہی کافی ہے البتہ اس مفہوم ظاہری کے ساتھ ایک باطنی مفہوم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے اور کتاب و سنت کے بعض اشارات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو کہ محض ارباب باطن، حضرات اہل اللہ کے مکشوفات سے ہے اور اس کا انکار کرنا کفر نہیں۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ اس قدر مشاہیر اولیاء کرام کے متفقہ نظریہ کو محض کم فہمی کی بناء پر خلاف شرع اور غلط کہنے میں سوء خاتمہ اور شقاوت و حرمان کا خطرہ ضرور ہے۔ دوسری طرف آپ نے اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور تفسیر فرما کر علماء ظاہر کے بعض بے محل اعتراضات کا پردہ چاک کر دیا جو کہ کم فہمی کی بناء پر ہر دور میں اس نظریہ کشفیہ کے متعلق وارد کیے جاتے رہے ہیں علاوہ ازیں وحدت و جود اور وحدت شہود کے درمیان فرق اور حضرت مجتہد دالف ثانی کے کلام سے بعض پیدا شدہ شبہات کا مکمل جواب تحریر فرما کر اس نو پیدا اختلاف کو بھی کافی حد تک ختم کر دیا جو صوفیائے وجودیہ اور شہودیہ کے مابین پیدا ہو رہا تھا۔ کتاب مذکور کے علاوہ آپ کے مکتوبات اور ملفوظات میں بھی اس موضوع پر کافی ذخیرہ موجود ہے جو کہ ارباب ذوق کے لیے موجب بصیرت ہے۔

مسلمانان ہند کی سیاسی رہنمائی:-

جنگِ بلقان کے زمانہ میں جب مسلمانانِ ترکستان حکومتِ برطانیہ سے برسرِ پیکار

تھے تو ہندوستان کے اکثر اکابر نے ہجرت کی تحریک شروع کی۔ آپ نے بمعہ بعض دیگر اکابر ہند، اس تحریک کی زبردست مخالفت کی اور اس کے خطرناک نتائج سے مسلمانوں کو بروقت متنبہ کیا۔ ارباب تحریک نے مختلف قسم کے غلط الزامات عائد کیے حتیٰ کہ حکومت برطانیہ کی ہمنوائی سے بھی مطعون کیا مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ تحریک والوں کی طرف سے بعض خصوصی نمائندے تبادلہ خیال کے لیے حاضر خدمت ہوئے مگر آپ کے دلائل کے سامنے بجز خاموشی کے چارہ نہ رہا اور اُلٹا اکابرین تحریک کی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے اور بات بھی معقول تھی۔ کیونکہ شرعی لحاظ سے جہاں پر شعائر اسلام کے ادا کرنے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض نہیں اور ہندوستان سے ہجرت کرنے کی نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ جس سے علاوہ کسی اسلامی مفاد حاصل نہ ہونے کے یہ زبردست خطرہ بھی موجود تھا کہ اگر بنیان تحریک کی خواہش کے مطابق تمام مسلمان یہاں سے بستر بوریا باندھ کر چل کھڑے ہوتے تو اس غربت اسلام کے دور میں پھر کہاں سے لاکر اس ملک میں سابقہ روایات کو قائم کرتے۔ الحمد للہ اس نازک دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے آنجناب جیسے دور اندیش اور مفکر اسلام نے میدان میں قدم رکھ کر ان خطرناک نتائج سے کافی حد تک مسلمانوں کو محفوظ کر لیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد دنیا پر واضح ہو گیا کہ آنجناب کا مسلک بالکل صحیح اور اسلامی نظریات کے عین مطابق تھا۔ اس جنگ کے بعد جذبہ آزادی سے متاثر ہو کر جب اہل ہند نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا تو اس بے معنی اتحاد کے مخالفین میں سے آنجناب پیش پیش تھے۔ اس موضوع پر آپ کا مفصل کلام مکتوبات مطبوعہ میں موجود ہے جو کہ لکھنؤ کے مشہور عالم مولانا عبدالباری فرنگی کے استفسار پر آپ نے تحریر فرمائی اور مسلمانان ہند کو شرعی طریقہ سے آزادی حاصل کرنے کا طریقہ کار متعین فرما کر انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے ہندوؤں سے گٹھ جوڑ کرنے کو شرعی لحاظ سے غلط ثابت کیا۔ چنانچہ تحریک کانگریس میں شمولیت کے متعلق آپ کا فتویٰ مکتوبات مذکورہ میں اب تک موجود ہے جس میں آپ نے تصریح فرمائی

ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ شمولیت ہرگز درست نہیں۔

حکومتِ برطانیہ سے استغناء اور بے باکی :-

اور طرفہ یہ کہ ایک طرف اس قسم کی تحریکوں کی مخالفت فرما کر مسلمانوں کو ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا اور دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کو اس اختلاف سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ چنانچہ آج تک آپ کے وہ خطوط موجود ہیں جن کے اندر کھلے الفاظ میں انگریز افسروں کو متنبہ کیا گیا کہ ان تحریکوں کی مخالفت سے میرا مقصد حکومتِ برطانیہ کا تعاون ہرگز نہیں اور نہ اس قسم کی توقع مجھ سے رکھی جائے۔ انگریزوں کے متعدد نمائندے جاگیر وغیرہ کی پیشکش کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے مگر آپ نے سب کو ٹھکرا دیا۔ حتیٰ کہ جب دہلی دربار میں جارج پنجم کے اعزاز کے لیے اکثر اکابر ہند شامل ہوئے تو آپ نے اس حاضری کو اسلامی وقار کے خلاف تصور کرتے ہوئے صاف انکار فرما دیا۔ اس قسم کے واقعات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ کا دامن تقدس انگریزوں کی ہمنوائی کے اتہام سے بالکل میرا تھا اور آپ نے جو کچھ بھی کیا وہ فقط اسلامی نظریات کی بناء پر ظہور میں آیا۔ اسی سلسلہ میں ایک انگریز افسر کی جاگیر کے متعلق پیشکش کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ”مجھے حکومت کی طرف سے جاگیر کی ضرورت نہیں بلکہ مشرق سے لے کر مغرب تک سارا جہان ہمارے جدِ امجد سیدنا غوثِ اعظم کی جاگیر ہے جو ہماری وراثت ہے“۔ آنجناب کے ان جرأت مندانہ اقدامات اور استغناء و توکل کے محیر العقول واقعات کے پیش نظر جمہور اہل اسلام کے علاوہ متعدد دیگر مسلم انگریز، ہندو، سکھ وغیرہ بھی آپ کو اسلام کا ایک سچا پیروکار اور نہایت باخدا انسان سمجھ کر عقیدت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اس دور اختلاف میں بھی آپ کے علاوہ کسی ہستی پر اسلامی فرقوں کا اس قدر اتحاد اور اتفاق نظر نہیں آتا۔ شیعہ، سنی، غیر مقلد دیوبندی، بریلوی علماء دین اور مغربی تعلیمی طبقہ کے اکثر منصف افراد آپ کی حقانیت اور خلوص کے سچے دل سے

معترف ہیں اور اسی وجہ سے آپؐ کا حلقہٴ اثر پاک اور ہند کے علاوہ برما، افغانستان، عراق و عرب، ترکستان وغیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جس پر زائرین دربار کی کثرت اور اعراسِ مشائخ پر بے نظیر اجتماعات کافی شاہد ہیں۔ یہ ہیں آپؐ کے دینی اور ملی خدمات کے چند اہم کارنامے۔ علاوہ ازیں علومِ شرعیہ اور معارف و اسرار کی معرکہ الآراء کتابوں کی تدریس اور احیائے اسلام و تصوف کے دیگر واقعات اگر تفصیلاً ذکر کیے جائیں تو ایک دفتر طویل بھی ناکافی ہے۔ آپؐ حضرت شیخ اکبرؒ جیسے محقق صوفیائے اسلام کی پیچیدہ سے پیچیدہ کتابوں کا ایسا درس دیتے تھے کہ سامعین جو علماء و فضلاء ہوتے وہ محو حیرت ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آنجنابؒ اور آپؐ کے مشائخ علیہم الرضوان کے صدقے جملہ اہل اسلام کو راہِ راست پر قائم رکھے۔

وفاتِ حسرتِ آیات :-

آنجنابؒ نے اگرچہ عمر شریف کے آخری دہ سال میں زیادہ تر کام اور سفر وغیرہ ترک فرما دیا تھا تاہم متعلقین اور متوسلین پر اس قدر شفقت رہی کہ بعض اوقات کچھ نہ کچھ کلام بھی فرما لیتے اور تھوڑا بہت چلنا پھرنا بھی گوارا فرما لیتے۔ جب آپؐ کے فرزند ارجمند غالباً ۱۹۲۹ء میں حج سے واپس تشریف لائے تو چند قدم اٹھ کر نہایت محبت سے ملے اور فرمایا تم ایسی جگہ سے آئے ہو جس کی وجہ سے میرے لیے یہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ اور ویسے بھی کمال شفقت کی وجہ سے آپؐ کے دورانِ سفر حج کبھی کبھی آپؐ کے احباب کے پاس جو میرا میں رہتے تھے، تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے کہ وہ تو نہیں چلو اس کے دوستوں کی ملاقات کر لیں۔ ۱۹۳۱ء میں آپؐ پر بالکل ہی حالتِ محویت اور استغراق طاری ہو گیا۔ غذا بالکل متروک ہو گئی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مولوی محبوب عالم زائرین کی معروضات کو کئی کئی دفعہ پیش کرتے تب آپؐ حسبِ ضرورت کسی وظیفہ کا ارشاد یا دعائے حصولِ مقاصد فرماتے۔ آخر ۱۹۳۳ء کی اندوہنگیں گھڑیاں قریب آنے لگیں جن کے متعلق ایک باخدا آدمی نے آپؐ کے فرزند ارجمند کو

ہموقعہ حج پہلے ہی مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی سال اپریل سے زائرین کی تعداد معمول سے زیادہ ہونی شروع ہوئی۔ مئی کے پہلے ہفتے میں بخار کی علامات نمودار ہوئیں اور آخری دو تین دن تو یہ حالت تھی کہ بار بار ہاتھ مبارک سر کی طرف اٹھاتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کسی کا استقبال فرما رہے ہیں۔ آخر سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء بوقت عصر ساڑھے پانچ بجے آپ نے خفیف تبسم سے حاضرین کو ذوق آشنا فرماتے ہوئے اسم ذات اللہ فرمایا اور قبلہ رخ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آنجناب کے فرزند ارجمند قدس سرہ کا حوصلہ اور ضبط باوجود نہایت رفیق القلب ہونے کے توفیق الہی سے عملی صورت میں رونما نہ ہوتا۔ تو مصیبت زدگانِ فراق کا اس واقعہ ہائلہ سے وہ حشر ہوتا کہ تجہیز و تکفین کے وقت زائرین کے جذبات کو روکنا ممکن نہ ہوتا۔ اس اندوہگین واقعہ پر آپ ہی کی وہ ذات تھی جس نے تشفی بخش کلمات اور ضبط و استقامت سے تجہیز و تکفین کا مناسب انتظام فرمایا اور قبلہ عالم کے جسم اطہر کو شرعی غسل دے کر رات کو برائے زیارت اہل بیت حرم سرا پہنچایا گیا۔ دوسرے دن ایک بجے سے چھ بجے تک قبلہ عالم کی چارپائی مبارک کو آستانہ عالیہ کے مہمان خانہ کے صحن میں اونچے تخت پر رکھا گیا تا کہ مخلوق آسانی سے زیارت کر سکے۔ یوم چہار شنبہ یکم ربیع الاول ساڑھے چھ بجے شام نماز جنازہ مولانا قاری غلام محمد خطیب جامع مسجد آستانہ عالیہ کی امامت میں ادا کی گئی۔ جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اندازہ لگایا گیا جس میں دوسرے مذاہب کے لوگ ہندو، سکھ وغیرہ کثیر تعداد میں شریک تھے اور سب سے پچھلی صفوں میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہے۔ آٹھ بجے شام حضور قبلہ عالم کا جسم اطہر مسجد شریف کے جنوبی باغ میں روپوش ہو گیا۔

صورت از بے صورتی آمد برون باز شد انا الیہ راجعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

زیر نظر کتاب کے مصنف قدس سرہ کی ذاتِ ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بلاذیب آل جناب مسلم شریف کی اس حدیث کے کامل تر مصداق ہیں جس میں حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو محبوب اور پسند فرمالتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اُسے دوست رکھ۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دوست رکھتے ہیں تم بھی اسے دوست رکھو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اُس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کی مقبولیت زمین میں مستقر کر دی جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جب وہ کامل انسان کمالِ اتباعِ محمدی کی وجہ سے يُحِبُّكُمْ اللّٰہ کے مقام پر فائز ہو کر خالق کائنات کا محبوب ہو جاتا ہے تو تمام کائنات میں اس کی محبت کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ذیل بین شاہد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَہُمْ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (الایۃ) (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے (مخلوقات میں) محبت پیدا فرمادے گا) اس لیے جہاں آپ بریلوی مکتب فکر کے علماء کرام میں ایک عارف محقق اور عالم مدقق تسلیم کیے گئے ہیں۔ وہاں دیوبندی طبقہ کے اکابر علماء بھی آنجناب کے علم و عرفان کے شاخوآن نظر آتے ہیں۔ اور ان دو بڑے اسلامی فرقوں کے علاوہ دیگر اسلامی اور غیر اسلامی فرقوں میں بھی آپ ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے جنازہ میں تقریباً ہر مسلک کے مسلمانوں کے ساتھ بعض غیر مسلم افراد کو بھی صفوں کے پیچھے روتے ہوئے یہ کہتے سنا گیا کہ آپ جگت پیر یعنی سارے جہان کے پیر ہیں۔ اور ایسی عالم گیر مقبولیت کی حامل ہستیاں دُنیا میں بہت کم ہوا کرتی ہیں۔

ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
 بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

گو آنجناب کے سوانح و حالات کو کما حقہ منظرِ عام پر لانا ایک مشکل کام ہے۔ تاہم اس ناچیز کی مرتب کردہ آنجناب کی سوانح حیات مہرِ منیر کے پڑھنے سے کچھ نقاب کُشائی ہوتی ہے۔ آنجناب کے فیوض و برکات کے دریائے بے کراں سے ایک عالم مستفیض ہوا۔ اور علم و عرفان کی ہزاروں پیاسی روحوں نے حاضرِ خدمت ہو کر اپنی پیاس بجھائی۔ جن کے سینہ ہائے بے کینہ سے پھر ایک خلقِ خدا نے استفادہ کیا۔ نیز تصدیقات، مکتوبات و فتاویٰ کا ایک ایسا غیر فانی ذخیرہ آپ نے چھوڑا جو رہتی دنیا تک متلاشیانِ حق کے لئے خضرِ راہ کا کام دے گا۔ چنانچہ زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس کی وجہ تالیف خود آنجناب کے اپنے الفاظ میں خطبہ سے ظاہر ہے جس کی اہمیت اور افادیت ہر ذی بصیرت پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ کتاب ہذا میں جو ایک مقدمہ، تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ارشادِ الہی و مَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کے ساتھ اس کے متعلقہ سوالات و جوابات، نذر و نیاز کا معنی اور اقسام سماعِ موتی، غیب پر اطلاع، توسل اور ذبح فوق العقده، لزوم و التزامِ کفر کے درمیان فرق، کسی کلمہ گو کی تکفیر وغیرہ جیسے اہم مسائل کو نہایت ہی محققانہ اور منصفانہ انداز میں بیان فرما کر مسلمانوں کے مابین اختلاف اور تشدد کو کافی حد تک ختم کرنے میں آنجناب نے ایک زرّین اسلامی خدمت سرانجام دی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین۔ کتاب کی اہمیت اس امر سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ خاندانِ ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت خاتمِ المحدثین جناب شاہ عبدالعزیز صاحبِ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ایک معاصر عالم مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی اور ان کے متبعین کے درمیان مدت سے مَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کی تفسیر میں جو اختلاف چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر تفرقہ کا شکار ہو رہے تھے۔ کتاب ہذا میں آنجناب نے اختلاف مذکور پر محاکمہ فرما کر اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو کافی حد تک روک دیا۔ اور یہ آپ کی خصوصیات سے ہے کہ جہاں آپ کسی بھی شخصیت کی دینی خدمات اور علمی کمالات کے معترف اور مداح ہیں وہاں اگر اس سے حق کے خلاف کوئی بات نظر آئی تو نہایت

ہی موڈ بانہ طور پر اس کی تردید کے ساتھ مسلکِ حق کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ منصف کے لئے چون و چرا کی گنجائش باقی نہ چھوڑی جیسا کہ کتاب ہذا اور آپ کی معرکہ الآراء تصنیف تحقیق الحق اور تصفیہ مابین سنی و شیعہ سے یہ امر پورے طور پر واضح ہوتا ہے حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت جیسے اہم اصولی مسائل کے متعلق آپ کی کتاب سیفِ چشتیائی شہرہ آفاق بن چکی ہے۔ فروعی مسائل میں عموماً آپ نے وہاں قلم اٹھایا جہاں فریقین میں افراط و تفریط کی وجہ سے اصولی اختلاف کی نوعیت پیدا ہوگئی۔ یعنی ایک فروعی اجنبی مسئلہ کی بناء پر ایک فریق نے دوسرے کی تکفیر و تفسیق شروع کر دی ایسی صورت میں آپ جیسے حکیم الامت کا سلوک ممکن نہ تھا جیسا کہ آپ کے فتاویٰ، مکتوبات اور ملفوظات سے واضح ہے۔ چونکہ کتاب ہذا عربی فارسی عبارتوں کے علاوہ بعض مشکل مضامین پر مشتمل ہے اس لئے راقم الحروف نے آسانی کے لئے سابقہ ایڈیشن کی طرح موجودہ ایڈیشن میں اردو ترجمہ کے ساتھ بعض وضاحتی نوٹ بھی دے دیئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راقم الحروف اور حضرت کے نیاز مندان محمد حیات خان اور محمد فاضل خان جنہوں نے اس طبع میں خاص تعاون کیا اور سب قارئین کرام کو دینِ اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت فرمائے۔ آمین!

نیاز مند:- فیض احمد فیض عفی عنہ

جامعہ غوثیہ۔ گولڑہ شریف

ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ

مطابق ستمبر ۱۹۸۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَضَىٰ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اِيَّاهُ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَحَبِيْبِهِ مُحَمَّدِنَ الَّذِي جَاءَ
مِنْ عِنْدِهِ بِمَا اَمَرَ وَنَهَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ
يُّوحَىٰ وَعَلَىٰ اِلٰهِ وَصَّحْبِهِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اِتِّبَاعًا
لِّمَرْضَاةِ رَبِّهِمْ الْاَعْلَىٰ.

ماتحتیٰ الی اللہ (قبلہ وکعبہ حضرت خواجہ سید
پیر) مہر علی شاہ (رحمۃ اللہ علیہ) وجعل آخرتہ
خیراً من اولہ فرماتے ہیں کہ مدت مدید و عرصہ
بعید سے علماء کرام شکر اللہ سعیم کا اولیاء اللہ کے
نذر کچے ہوئے جانور کی حلت و حرمت کے
بارے میں اختلاف چلا آتا ہے اور فریقین کے
وہ متبعین اور پیر و جوخن فہمی یا دیانت اور تقویٰ
سے پوری طرح بہرور نہیں ہیں افراط اور تفریط
کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ایک فریق کا خیال
ہے کہ جس جانور پر اولیاء اللہ کا نام لے لیا
جائے یا کسی طعام کو ان کی فاتحہ کے لئے مشہور کر
دیا جائے کہ یہ فلاں بزرگ کی نیاز اور فاتحہ کے

ماتحتیٰ الی اللہ المدعو بہر علی
شاہ جعل آخرتہ خیراً من اولہ
چونکہ درجہ حرمت جانور منڈ ورو نام نہاد
اولیاء اللہ از عرصہ دراز اختلافیہ میان
علماء دین شکر اللہ سعیم روئے دادہ و متبعان
ہر دو فریق کہ درسخن فہمی یا دیانت و تقویٰ
بہرہ دانی و حظ کافی نمی دارند مسلک افراط و
تفریط راے گیرند۔ بعضی می گویند کہ
جانورے کہ برائے فاتحہ بزرگان شہرت
دادہ شد یا طعمے کہ بنام اوشاں تشہیر یافتہ
بوجہ داخل بودن او در عموم و ما اہل بہ
لغیر اللہ مطلقاً حرام است۔ گروے

۱۔ سب تعریف اُس خدا کے لئے ہے جس نے فیصلہ فرما دیا کہ ہم نہ تو اُس کے سوا کسی کی عبادت کریں اور نہ
اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور دُرد و سلام اُس کے رسول و حبیب جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ
وسلم پر جو خدا کی طرف سے وہ چیز لائے جس کے ساتھ امر و نہی فرمایا۔ آپ اپنی خواہش سے نہیں کہتے وہ تو وحی
الہی ہے جو ان پر القا ہوتا ہے اور آپ کے آل و اصحاب پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے سچے دل سے خدائے
بزرگ و برتر کی رضا طلبی کے لئے آل و اصحاب کی پیروی کی۔ (مترجم عفی عنہ)

دیگر ذبح علی القبور رابعہ ازاں کہ بنام
خداے عزوجل باشد مطلق حلال سے
دانند گو کہ در قصد آں ذاب مقصود ازاں
تقرب لغیر اللہ بود۔

لئے تیار کیا گیا ہے تو وہ از روئے و ما اہل
بہ لغیر اللہ مطلقاً حرام ہے۔ دوسرا فریق
اُس جانور کو جو اولیاء اللہ کے مزارات پر لے جا
کر اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے مطلقاً حلال
کہتا ہے خواہ اُس ذاب کا ارادہ تقرب لغیر اللہ کا
ہی کیوں نہ ہو۔

بنا بر آں محرر سطور عفی عنہ ربہ الغفور سطرے
چند در بیان مسئلہ مذکورہ حسب فہم ناقص خود
بسلب تحریر آورده تا کہ دیگر مسلمانان افراط
وتفریط آں صاحبان را بگوش حق نیوش خود
جانند ہندو این رسالہ ایست اخوان الصفا
رانافع و عجالہ ایست عسا کر وساوس رادافع
مشمئل بر مقدمہ و سہ باب و خاتمہ۔

لہذا محرر السطور عفی عنہ ربہ الغفور مذکورہ الصدر
مسئلہ کی تحقیق کے لئے چند سطر میں تحریر میں لاتا
ہے تا کہ عام مسلمان اس افراط و تفریط سے بچ
جائیں۔ یہ رسالہ سچے دوستوں کے لئے نافع
اور شیطانی وساوس کے لشکروں کا دافع ہے۔ اس
کے ابتداء میں مقدمہ پھر تین باب اور آخر میں
خاتمہ ہے۔

بے بہرگی از علم و محرومی از تقویٰ گو کہ این
بے بیج را نیز اجازت این مہم عظیم الشان
نئے دادچہ این منصبے ست شایان باہل
الذکر کہ ماموریم بسوال از و شماں و منصہ
ایست برائے وارثان ان تَتَّقُوا اللّٰهَ
يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا کہ
عند الاختلاف مجبوریم باوردن روئے خود
بدو شان پس کسے کہ تہی دست است ازیں
و آں اوراچہ حاصل بغیر از سحرہ دریشندی
اہل زمان۔ لکن باصرار بعضے از مخلصان قلبی
و عنایت فرمایان دلی اعنی جناب مخدومی

اگرچہ علم و تقویٰ سے محرومی اس ناچیز کو بھی اس
عظیم الشان مہم کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ
یہ منصب اُن اہل ذکر کی شان کے لائق ہے۔
جن سے حسب ارشاد الہی (فَاسْئَلُوا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ہمیں
سوال کرنے کا حکم ہے اور یہ میدان اُن اہل
تقویٰ کے لئے ہے جو حسب فرمان الہی ان
تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (اگر
تم خدا سے ڈرو گے تو تمہارے لئے (حق و
باطل کے مابین) امتیاز پیدا فرما دے گا) ایسے
ربانی علوم کے وارث ہیں جن کی طرف بوقت

امیر حمزہ صاحب برادرِ حقیقی اُستازی و مولائی کشف معضلات حقائق، حلال مشکلاتِ دقائق، ماہر منقول و معقول، واقف فروع و اصول، اُسوۂ علماءِ امصار، قدوۂ فضلاءِ اعصار، مرکزِ دائرۂ ارشاد، محورِ کرۂ سدا، سباحِ دریائے درایت، سیاحِ بیداءِ روایت، قاضی قضایائے معصلہ، مفتی فتاوائے مشککہ، مقتدانا الاجل، مولانا و مولی الکل، ابو البرکات، ماجی البدعات، جناب مولوی محمد شفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اعنی جناب مولوی عبدالرحمن صاحب و جناب مولوی منہاج الدین صاحب و جناب مولوی عبدالجمید صاحب و جناب مولوی فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اصرار پر خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے جو سچائی اور صواب کا الہام فرمانے والا ہے اور اسی کی طرف مرجع اور واپسی ہے، مجبوراً قلم اٹھایا۔

الیہ المرجع والمآب۔



مقدمہ

در بیان بعضے امور کہ دانستن آنها ضروری است۔ بدانکہ تفسیر القرآن بالقرآن مقدم است بر ہمہ طرق تفسیر۔ بعد ازاں تفسیر بالسنة چہ آں شارح و موضح است برائے قرآن پس ازاں تفسیر باقوال صحابہ کرام خصوصاً اعیان اوشاں مثل خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس وغیر ہم رضی اللہ عنہم و اما تفسیر تابعین و تبع تابعین پس اگر ہست از طریق روایت نظر کردہ شود در صحت آں طریق و اگر محض بالرائے باشد۔ فلیس بحجہ و مفسران از تابعین مجاہد بن جبر از تلامذہ ابن عباس کہ بخاری و شافعی بر تفسیر او اعتماد نموده است و سعید بن جبیر و عکرمہ مولی ابن عباس و طاؤس بن کیسان یمانی و عطاء ابن ابی رباح ایں ہمہ از علماء مکہ مکرمہ و اصحاب ابن عباس بودہ اند رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و اصحاب ابن مسعود کہ علماء کوفہ اند نیز از تابعین اند رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثل علقمہ بن قیس و اسود بن یزید وغیر ہما۔ بدارا کہ تفسیر بالرائے جائز نیست بخلاف تاویل کہ آں درست است تفسیر آں رائے گویند کہ لغیر از نقل دانستہ نشود مثل اسباب

ان امور کے بیان میں جن کا جاننا ضروری ہے۔ واضح ہو کہ تفسیر کے تمام طریقوں میں سے اول درجہ تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے۔ (یعنی ایک آیت شریف کا معنی سمجھنے میں دوسری آیت سے مدد لی جائے۔ کیونکہ ان الْقُرْآنَ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ بعض قرآن بعض کی تفسیر کرتا ہے۔) (مترجم) دوسرا درجہ تفسیر بالسنة کا ہے۔ یعنی حدیث شریف نے جو قرآن کے جو معانی بتلائے ہیں۔ تیسرا درجہ صحابہ کرام کی تفسیر کا ہے۔ خصوصاً کبار صحابہ مثلاً خلفائے اربعہ اور عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس وغیر ہم رضی اللہ عنہم اجمعین کا مرتبہ ہو گا۔ چوتھا درجہ تابعین اور تبع تابعین کی تفسیر کا ہے وہ جس طریق سے مروی ہوگی اُس طریق کی صحت پر نظر کی جائے گی۔ اگر انہوں نے محض اپنی ذاتی رائے سے قرآن کریم کے معانی بتلائے ہیں تو وہ استدلال اور حجت کے قابل نہیں ہوں گے۔ مندرجہ ذیل حضرات تابعین میں سے عمدہ مفسر سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً مجاہد بن جبر جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں اور امام بخاری اور امام شافعی صاحب نے ان کی تفسیر پر اظہار اعتماد کیا ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباسؓ، طاؤس بن کیسان یمانی، عطا بن ابی

نزول وغیرہ تاویل آں است کہ ممکن باشد
 ادراک اوقواع عربیہ قال سلیمان
 الجمل فی حاشیة الجلالین
 اصل التفسیر الکشف والابانة
 واصل التاویل الرجوع
 والكشف و علم التفسیر
 یبحث فیہ عن احوال القرآن
 المجید من حیث دلالتہ علی
 مراد اللہ تعالیٰ بحسب الطاقة
 البشریة ثم هو قسماں تفسیر و
 هو ما لا یدرک الا بالنقل
 کاسباب النزول و تاویل و هو ما
 یمکن ادراکہ بالقواعد العربیة
 فهو ما یتعلق بالدراية والسر
 فی جواز التاویل بالرأی
 بشروطہ دون التفسیران
 التفسیر کشهادة علی اللہ
 وقطع بانہ عنی بهذا اللفظ هذا
 المعنی ولا یجوز الا بتوقیف
 ولذا جزم الحاکم بان تفسیر
 الصحابی مطلقاً فی حکم
 المرفوع و التاویل ترجیح لا
 حدالمحتملات بلا قطع
 فاغتفر انتھی۔

رباح یہ حضرات ابن عباسؓ کے اصحاب کہلاتے
 ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کے علمائے کرام میں شمار کئے
 جاتے ہیں۔ علقمہ بن قیس اور اسود ابن یزید
 وغیرہما جو حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں اور
 علمائے کوفہ کہلاتے ہیں۔ سب تابعین ہیں اللہ
 تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو۔
 جاننا چاہیے کہ تفسیر بالرأی درست نہیں اور
 تاویل بالرأی درست ہے۔ تفسیر اُسے کہتے
 ہیں جو بات نقل یعنی روایت کے بغیر معلوم نہ ہو
 سکے۔ جس طرح شان نزول وغیرہ اور تاویل وہ
 ہے جو قواعد عربیہ کے ذریعہ معلوم کی جاسکے۔
 علامہ سلیمان الجمل جلالین شریف کے حاشیہ
 میں تحریر فرماتے ہیں کہ تفسیر کا معنی کشف اور
 اظہار ہے اور تاویل کے معنی رجوع اور
 وضاحت ہے اور علم التفسیر وہ ہے جس میں
 قرآن مجید کے احوال سے انسانی طاقت کے
 مطابق بحث کی جائے۔ اس حیثیت سے کہ یہ
 اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرتی ہے۔ پھر یہ علم دو
 قسم ہے۔ اول تفسیر جو بغیر نقل اور روایت کے
 معلوم نہ ہو سکے۔ جیسے اسباب نزول دوم تاویل
 جو عربی قواعد سے معلوم ہو سکے۔ لہذا اس کا تعلق
 عقل سے ہے۔ اور اس بات کا راز کہ تاویل
 بالرأی جائز ہے اور تفسیر بالرأی ناجائز یہ ہے
 کہ تفسیر میں انسان اللہ تعالیٰ پر گواہی دیتا ہے کہ
 اس لفظ سے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے قطعی طور پر

یہی معنی لیے ہیں اور یہ چیز بغیر توقیف (نقل و سماع) کے ناممکن اور ناجائز ہے۔ اسی لئے حاکم نے یقینی طور پر کہا ہے کہ حضرات صحابہ کی تفسیر مطلقاً حدیث^۱ مرفوع کا درجہ رکھتی ہے۔ اور تاویل بالرائے میں دو احتمالوں میں سے ایک کو غیر یقینی طور پر ترجیح دے دینا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن کریم کی ایسی تشریح جس کا تعلق تفسیر سے ہو اپنی طرف سے نہیں ہوگی۔

۱۔ یعنی صحابہ کرام کی قرآن کریم کی ایسی تشریح جس کا تعلق تفسیر سے ہو ان کی اپنی طرف سے نہیں ہوگی۔ اسی لیے امام حاکم کی تحقیق یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ اس نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہوگا۔ البتہ تاویل کے طور پر علمائے صحابہ سے تشریحات منقول ہیں۔
(مترجم فیض عفی عنہ)

باب اول

در بیان معنی آیت کریمه **وَمَا أَهْلٌ بِهِ** . اس باب میں آیت کریمه **وَمَا أَهْلٌ بِهِ** کا معنی بیان کیا جائے گا اور اسی ضمن میں چند سوال و جواب کا ذکر ہوگا۔

سوال

چہ مے فرمائند علماء دینِ مبین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت۔ زید نیت کرد کہ اگر فلاں حاجت حسبِ مُرادِ من برآید بزرگ سیدی عبدالقادر یا سیدی خواجہ بزرگ اجمیر یا گاؤ قبلہ عالم مہاروی یا گوسفند حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی یا توشہ حضرت خواجہ احمد عبدالحق رودلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم خواہم دادو بعد حصولِ مُراد حیوانات مذکورہ الصدر راذخ بنامِ خدا عزوجل کردو توشہ رابدراولیش خورانیہ ثوابِ طعام و فاتحہ بروح حضرت خواجہ بخشید۔ آیا خوردنِ جانوراں و توشہ مذکورہ در صورتِ مسطورہ جائز است یا نہ و نسبت بسوئے غیر خدائے عزوجل و تشہیر بنام بزرگان موجبِ حرمتِ آنہاے شود یا نہ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ارادہ کیا ہے کہ اگر فلاں کام میری خواہش کے موافق انجام پذیر ہو جائے تو میں سیدی عبدالقادر یا سیدی خواجہ اجمیری کا بکرا یا حضرت قبلہ عالم مہاروی کی گائے یا حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کا دُنبہ یا حضرت خواجہ احمد عبدالحق رودلوی کا توشہ وغیرہ دونوں کا اور حاجت پوری ہو جانے کے بعد حیوانات مذکورہ کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا اور توشہ درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اس طعام کھلانے اور فاتحہ کا ثواب حضرت خواجہ کی روح پر فتوح کو بخش دیا۔ کیا مندرجہ بالا جانوروں اور توشہ کا کھانا جائز ہے یا نہ۔ اور غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے اور بزرگان کے اسمائے گرامی کے ساتھ مشہور کرنے سے یہ چیزیں حرام ہو جائیں گی یا نہ؟

الجواب وهو الموفق للصواب

بنفس تشہیر بنام بزرگان اشیاء مذکورہ حرام
نہے شود۔ قال اللہ تعالیٰ: فَكُلُوا مِمَّا
ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ
بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ط وَقَالَ أَيْضًا وَ
مَا لَكُمْ أَنْ لَا تَأْكُلُوا مِمَّا
ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ
لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ۔

محض بزرگوں کے ناموں سے مشہور کر دینے
سے یہ چیزیں حرام نہیں ہو سکتیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ
نے جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو ان
میں سے کھاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ
ایمان رکھتے ہو۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا
ہو گیا ہے کہ تم ان چیزوں میں سے نہیں کھاتے
جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ ہم وہ چیزیں
بالنفسیل بیان کر چکے ہیں جو تم پر حرام ہیں۔

سوال

آیت مذکورہ عام است مخصوص آیت
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ
وَالْحُمُّ الْخِنْدِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ
اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَبِتَةَ وَالْمَوْقُودَةَ
وَالْمُتَرَدِّيَةَ وَالنَّطِيجَةَ وَمَا
أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا
ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ
تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ
فِسْقٌ ۗ يَعْنِي حَرَامٌ كَرْدَةٌ شَدَّ بِرِشْمَا مُرْدَارُو
خُونِ يَعْنِي مَسْفُوحٌ وَكَوْشِتِ خُوكِ وَآنِجَةُ نَامِ
غَيْرِ خُدَّ ابْوَقْتِ ذَنْجِ أُو يَادِ كَرْدَةٌ شُو دُو آنِجَةُ نَجَبَةٌ
كَرْدَنِ مُرْدَةٌ بَاشَدُو آنِجَةُ بَسَنَكِ يَاعِصَا مُرْدَةٌ
بَاشَدُو آلِ چَاز جَائِ بَلَنْدَا فَمَادَةٌ بِمِيرْدِ

آیت مذکورہ عام ہے اور دوسری آیت
حرمت علیکم سے اس کی تخصیص کی گئی
ہے جس میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تم پر مردار،
خون، سوز کا گوشت اور وہ چیز جس پر غیر خدا کا
نام یاد کیا گیا ہے یا جو گلا گھونٹ کر ماری گئی یا پتھر
اور عصا کے ساتھ قتل کی گئی یا بلند جگہ سے گر کر مر
گئی یا سینگ لگنے سے مر گئی یا اسے درندہ نے کھا
لیا مگر وہ جسے تم نے ذبح کر لیا ہو حلال ہے اور جو
(معبودانِ باطل کے) نشانوں پر ذبح کی گئی وہ
حرام ہے اور قرعہ کے تیروں کے ذریعے تقسیم
کرنا بھی یہ سب باتیں فسق ہیں۔ الآیۃ

وآنچه بشاخ زدن مُردہ باشد و آنچه
 اُور آورندہ خوردہ باشد الا آنچه بعد ایں
 آفتہا ذبح کردہ باشید و حرام نمودہ شدہ
 است آنچه ذبح کردہ شد بر نشان ہائے
 معبودانِ باطل۔ و حرام کردہ شد طلب
 نمودن شما معرفت قسمت خود را بہ تیر ہائے
 فال ایں ہمہ فسق است۔ و اشیاء مذکورہ در
وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ یہ داخل است
 چنانچہ تصریح فرمودہ است ہذا خاتم
 محدثین و زبدۃ مفسرین مولانا عبدالعزیز
 دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیر آیت **وَمَا
 أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ** یعنی دیگر آں جانور
 کہ آواز بر آوردہ شدہ شہرت دادہ شدہ در
 حق آں جانور کہ **لِّغَيْرِ اللَّهِ** یعنی برائے
 غیر خداست (ثم قال بعد ہذا) خواہ در
 وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چوں
 شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں
 است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔
 چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبیث
 درو پیدا شد کہ زیادہ از خبیث مُردار است
 زیرا کہ مُردار بے ذکر نام خدا جان دادہ
 است و جان ایں جانور را از آں غیر خدا
 قرار دادہ گشتہ اند و آں عین شرک است و
 ہر گاہ ایں خبیث دروے سرایت کرد دیگر
 بذکر نام خدا حلال نہ مے شود مانند سگ و

اور اشیاء مذکورہ **وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ** بہ
 میں داخل ہیں۔ چنانچہ خاتم الحدیثین و زبدۃ
 المفسرین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ بالا کے تحت
 تصریح فرمادی ہے کہ وہ جانور جس پر غیر خدا کا
 نام لیا گیا ہو اور غیر کے نام ہو مشہور کیا گیا ہو وہ
 جانور غیر خدا کیلئے ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا
 نام لیں یا نہ لیں۔ کیوں کہ جب مشہور کیا گیا کہ
 یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو پھر ذبح کے وقت
 خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کیونکہ وہ
 جانور غیر خدا کی طرف منسوب ہو چکا اور اس
 میں اس قدر پلیدی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ مُردار
 سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ مُردار تو خدا کا
 نام لیے بغیر مر گیا ہے اور اس جانور کی جان کو
 غیر خدا کے لئے قرار دے کر ذبح کیا گیا ہے اور
 یہ بالکل شرک ہے۔ جب یہ پلیدی اس میں
 سرایت کر گئی پھر خدا کا نام لینے سے کبھی حلال
 نہیں ہو سکتا جس طرح گتتا اور سُور خدا کا نام
 لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتے۔
 (اس کے بعد فرماتے ہیں) کہ اس آیت کے
 الفاظ چار جگہ پر قرآن مجید میں ذکر کیے گئے
 ہیں۔ غور کرنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ نے **وَمَا أَهْلٌ
 لِّغَيْرِ اللَّهِ** فرمایا ہے نہ **ذَبْحٍ بِاسْمِ غَيْرِ اللَّهِ**۔
 لہذا غیر کے نام پر شہرت دینے کے بعد کہ یہ
 گائے فلاں کی اور یہ بکری فلاں کی ہے۔ خدا

خوک کہ اگر بنام خدا مذبح شوند حلال
 نئے گردن لُح (اند کے بعد ازیں سے
 فرماید) و در لفظ ایں آیت کہ چہار جا از
 قرآن مجید وارد شدہ است تامل باید کرد کہ
مَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ فرمودہ اند نہ
 ذبح باسم غیر اللہ پس ذبح کردن بنام خدا
 ہمراہ شہرت و آواز ہر آوردن ہاں کہ فلاں
 گاؤ فلاں و بز فلاں ذبح سے گند بیچ فائدہ
 نئے گند و گوشت آں جانور حلال نہ سے
 گردد و اہل را بر ذبح حمل کردن خلاف
 فقہ و عرف است ہرگز اہلال در لغت عرب
 و عرف آں دیار و آں وقت بمعنی ذبح نیامدہ
 در بیچ شعر و عبارت بلکہ اہلال در لغت
 عرب بمعنی بلند کردن آواز شہرت دادن
 است چنانہ اہلال ہلال استہلال طفل نو
 تولد و اہل بمعنی تلبیہ حج و غیر ذلک
 مستعمل است و اگر کہ بگوید اہللت
لِلَّهِ ہرگز معنی ذبخت لِلَّهِ فہمیدہ نخواہد
 شد و نیز اگر اہل را بر ذبح حمل کردہ
 شود پس ذبح لغيرِ اللَّهِ مراد خواہد
 شد ذبح باسم غیرِ اللَّهِ از گجا
 فہمیدہ شود تا مدعائے ایں مردم حاصل شود
 پس دریں عبارت اہلال را بمعنی ذبح

کے نام کے ساتھ ذبح کرنا کوئی فائدہ نہ دے
 گا۔ اور اس جانور کا گوشت حلال نہ ہو سکے گا۔
أَهْلٌ کو ذبح کے معنی پر حمل کرنا فقہ اور عرف
 کے بالکل خلاف ہے۔ عرب کی لغت اور عرف
 میں اہلال کے معنی ذبح ہرگز کہیں نہیں آیا۔ کسی
 عبارت اور شعر میں یہ معنی موجود نہیں۔ بلکہ
 عرب کی لغت میں اہلال بلند کرنے اور شہرت
 دینے کے معنی میں وارد ہے۔ چنانچہ اہلال
 ہلال یا استہلال طفل نوزائیدہ یا اہل بمعنی تلبیہ حج
 وغیرہ مستعمل ہے اور اگر کوئی عربی زبان میں
أَهْلَلْتُ لِلَّهِ کہے تو اس کے معنی ذبخت
لِلَّهِ ہرگز نہیں سمجھے جاتے اور اگر اہل ذبح
 کے معنی پر حمل کر بھی لیں پھر بھی اس کے معنی
ذبح لغيرِ اللَّهِ ہوں گے ذبح باسم غیر اللہ
 کہاں سے سمجھے جائیں گے۔ تاکہ ان لوگوں کا
 مطلب پورا ہو سکے۔ لہذا اس عبارت میں
 اہلال کا معنی ذبح کرنا اور پھر لغيرِ اللَّهِ کی جگہ باسم
 غیر اللہ بنا لینا کلام الہی کی تحریف کے قریب پہنچ
 جاتا ہے (پھر فرماتے ہیں) یہ چاروں چیزیں
 یعنی مردار اور خون اور سورا کا گوشت اور وہ جانور
 جو غیر خدا کے نام پر شہرت دے کر ذبح کیا
 جائے اس جنس سے ہیں جو ہر حالت میں ہر
 شخص پر حرام ہیں اور اس قسم سے نہیں جو ایک

نئے چاند کے دیکھنے کے وقت آواز بلند کرنا کہ وہ چاند ہے یا بچہ پیدا ہوتے وقت جو چیخ مارتا ہے یا حج کے
 تلبیہ میں جو آواز بلند کی جاتی ہے۔ ان سب میں یہی مادہ مستعمل ہے۔ (فیض مرقم ج ۱ ص ۱۰۰)

گروہ پر حرام ہوں اور دوسرے پر حلال جیسا کہ زکوٰۃ اور صدقات کا مال کہ مخنی وغیرہ پر حرام ہے اور مسکین پر حلال ہے یا گرم زہریلی دوا گرم مزاج شخص پر گرمی کی حالت میں حرام ہے کیونکہ اس کے لئے قاتل ہے اور جب مزاج میں برودت پیدا ہو جائے تو حلال ہے۔ کیونکہ اب قتل کا اندیشہ نہیں رہا۔ انتہی بقدر الحاجت۔

گرفتن باز بغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب تحریف کلام الہی سے رسد (باز سے فرماید) وایں ہر چہ چہار چیز کہ مذکور شد یعنی مردار و خون و گوشت و خوک و جانورے کہ برائے غیر خدا مقرر کردہ ذبح نمایند از اں جنس است کہ بر جمیع فرقہ باور جمیع حالات حرام است و ازین قبیل نیست کہ بر فرقہ حرام باشد و برائے دیگران حلال مانند مال زکوٰۃ و صدقات یا در حالتی حرام است و در حالتی دیگر حلال، مانند دوائے گرم تھی مضر کہ بر مخزور مزاجاں حرام است و پچوں مزاج برودت پیدا کند حلال سے شود۔ انتہی بقدر الحاجت۔

جواب

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ كَمَا جُمِعَ أَوْ
ذکر کیا گیا ہے اور ما ذبح باسم غیر اللہ کی تردید میں جو کچھ فرمایا گیا ہے قابل تامل اور مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ قرآن کریم میں بحیرہ اور سائبہ و صیلہ اور حوامی کا ذکر ہے۔ یہ سب جانور ہوں کے نام پر شہرت دیئے جاتے تھے اور ان کی طرف قطعاً منسوب ہوتے تھے۔ مع بذات اس شہرت اور نسبت نے ان میں بالکل تہت پیدا نہیں کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے بھی حلال نہ ہو سکیں۔ تشریح مقام کے طور پر ہم مفصلاً سمجھائے دیتے ہیں کہ اہل جاہلیت یعنی

مَعْنَى مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ آخِجًا بِالْمَرْقُومِ شَدَّهِ وَآخِجًا فِي تَرْدِيدِ مَعْنَى مَذْبُوحٍ بِاسْمِ غَيْرِ اللَّهِ مَذْكَورٌ مَخْدُوشٌ فِيهِ اسْتِجْنَادٌ وَجَوْهٌ - أَوَّلٌ مَنْقُوضٌ اسْتِجْنَادٌ بِهَمْزٍ وَسَوَابِغٌ وَوَصَائِلٌ وَحَوَامِيٌّ چہ ایں ہمہ جانوراں را شہرت بنام بتیان و نسبت بانہا متحقق بود معبذات شہیر و نسبت مذکورہ در اں با خبثے پیدا نکرده تا کہ دیگر بذکر نام خدائے عزوجل حلال نہ شدند۔ تشریح مقام آنکہ اہل جاہلیت احکامے چند اختراع کردہ بودند و در انہا بقول اسلاف خود

تمسک سے نمودند از ان جملہ بحیرہ و آں مادہ
 شترے است کہ اورا برائے بیتاں
 مقررے کردند و شیر اوبہ کسے نہ سے
 دادند و سائبہ کہ برائے بیتاں جانورے
 رامے گذاشتند و بار بر پشت اُونے نہادند و
 وصیلہ آں مادہ شترے است کہ اول بار در
 اول عمر شتر مادہ زاید و بعد از ان بغیر فصل
 دیگر بار مادہ پس آں را برائے بیتاں سے
 گذاشتند و حامی فحلے کہ از و چند بچہ
 گرفتند و از رکوب و جز آں اورا معاف
 داشتند و حق سبحانہ و تعالیٰ در تردید ایں با
 آیت فرستاد مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ
 بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا
 وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ
 كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
 الْكَذِبَ وَنَحْنُ رَدِينُ أَنهَامر فرمود کما
 قَالَ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ مِنْ
 الثَّمَارِ وَالزَّرْعِ وَالْإِنْعَامِ وَاحْبَابِكُمْ وَلَا
 تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اى
 طرقہ و آثارہ کما فعل
 المشركون و اهل الجاهلية
 من تحريم مالم يحرمه الله و
 تحليل مالم يحلله فتح
 البيان و نووی در شرح
 مسلم نوشتہ المراد انكار
 ما حرموا على

زمانہ قبل از اسلام کے لوگوں نے چند احکام خود
 اختراع کر لیے تھے اور ان میں اپنے اسلاف
 کے طریقہ کو سند سمجھتے تھے۔ مثلاً بحیرہ وہ اونٹنی
 ہوتی جو بیٹوں کے نام پر آزاد کر دی جاتی اور اس
 کا دودھ کوئی شخص استعمال نہ کر سکتا۔ سائبہ وہ
 جانور ہوتا جس پر بیٹوں کا نام لے کر بار برداری
 ترک کر دی جاتی۔ وصیلہ اُس اونٹنی کو کہتے تھے
 جو پہلی بار مادہ شتر جنے اور پھر متصل دوسری دفعہ
 بھی مادہ شتر، پھر بیٹوں کے نام پر آزاد کر دی
 جائے۔ اور حامی اُس اونٹ کو کہتے تھے جس
 سے چند بچے حاصل کر لینے کے بعد سواری
 وغیرہ معاف کر دی جاتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے
 مندرجہ بالا بناوٹی احکام کی تردید نازل فرمائی۔
 یعنی اشیاء مذکورہ کو حرام سمجھنا یہ کفار کا افتراء اور
 بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو حرام نہیں فرمایا
 بلکہ حکم دیا کہ کھاؤ جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں
 رزق دیا ہے۔ (میوے ہوں یا کھیتی باڑی یا
 چہار پائے، یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال
 ہیں) اور شیطان کے راستوں کی تابعداری
 مت کرو جس طرح کفار اور اہل جاہلیت نے
 اختراع کیا ہے۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے
 حرام نہیں فرمایا اسے حرام سمجھ لیا اور جسے اللہ
 تعالیٰ نے حلال کا حکم نہیں دیا اسے حلال سمجھ لیا۔
 (فتح البیان) نووی نے مسلم کی شرح میں تحریر
 فرمایا ہے کہ اس آیت سے مراد کفار پر انکار کرنا

انفسهم من السائبة
والوصيلة والبحيرة والحام
وانهالم تصر حراما
بتحریمهم وکل ما ملکہ
العبد فهو حلال حتی يتعلق
به حق انتهى بعضه از فضلاء عصر
جواب از نقض مذکور در اخبار اہل حدیث
مورخہ ۳۔ ذیقعد ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰ جنوری
بر صفحہ نہم بریں طریق شائع فرمودہ (وباں
بڑا بھاری شبہ آیت بحیرہ سے کیا جاتا ہے۔
مگر میرے خیال میں اس آیت کا مطلب
بالکل صاف ہے کہ عرب کے لوگوں کے
ایک خود ساختہ خیال کی تردید کی جاتی ہے
جو وہ بحیرہ سائبہ، حام وغیرہ کی نسبت رکھتے
تھے۔ بحیرہ، سائبہ کی نسبت جو روایات آئی
ہیں ان کا بیان مقدم ہے۔ واضح تر وہ ہے
جو امام شافعی سے منقول ہے۔ کہ قالوا
اذ انتجت الناقة خمسة ابطن
انا تابعت اذنها فحرمت و
به قال ابو عبيده البعير
يسيب نذرا على الرجل ان
سلمه الله من مرض او ابلغه
منزله فلا يجلس عن رعي
ولا ماء ولا يركبه احد قاله

ہے کہ جن چیزوں کو تم نے حرام سمجھ لیا ہے وہ
تمہارے حرام ٹھہرانے سے حرام نہیں ہو جاتیں
بلکہ جس چیز کا انسان مالک ہو وہ حلال ہے جب
تک اُس کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہو بعض ہم
عصر فضلاء نے اخبار اہل حدیث بحر یہ ۳۔ ذیقعد
۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء میں اعتراض
مذکور کا جواب بدیں طور شائع کیا ہے کہ اس
آیت میں اہل عرب کے بناوٹی خیال کی تردید
ہے جو ان جانوروں کے حرام ہونے کے متعلق
رکھتے تھے۔ ان جانوروں کے بارے حضرت
امام شافعی کا ارشاد یہ ہے کہ مفسرین نے فرمایا
ہے کہ جب اونٹنی پانچ مادہ بچے جنتی تو مشرکین
اُس کے کان چھیدتے اور اس کا گوشت حرام
سمجھتے اور سائبہ کی تفسیر میں ابو عبیدہ نے فرمایا کہ
مشرکین کی عادت تھی کہ یوں نذر مانتے کہ اگر
مجھے خدا نے شفا دی یا اپنی منزل تک سالم پہنچ
گیا تو یہ سواری کا جانور چارہ اور پانی سے کہیں
بھی نہ روکا جائے گا اور نہ اس پر کوئی سوار ہوگا۔
وصیلہ وہ اونٹنی ہے جو یکے بعد دیگرے دو مادہ
بچے جنے۔ حام وہ زبے جس کے بچے کا بچہ پیدا
ہو جائے تو مشرکین کہتے تھے کہ اس کی پیٹھ محفوظ

۔ اخبار اہل حدیث کے مضمون میں لفظ لا يجلس ہے۔ حالانکہ اصل لفظ لا يجلس ہے جس کا معنی جس

فیض مترجم عنی عنہ

یعنی روکنے کا ہے۔

ابو عبیدة الوصيلة هي ناقة
ولدت انثى بعد انثى الحام
اذا ولد ولد الفحل قالوا حمى
ظهره فلا یركب. فتح البيان
(اس کے ترجمہ کے بعد پھر فاضل مجیب
لکھتا ہے۔ ان روایات کے اعتبار سے
بحیرہ، سائبہ میں اہلال لغیر اللہ تو کسی طرح
نہیں پایا جاتا۔ اقوال روایات مذکورہ کی
تحویل امام شافعیؒ پر محض غلط ہے۔ شافعیؒ کا
مقولہ بحیرہ کے متعلق صرف اتنا ہی ہے
كانوا اذا نتجت الناقة خمسة
ابطن اناثا بحرت اذنھا
فحرمت پس دیکھو فتح البیان متعلق
آیت ما جعل اللہ من بحيرة
کے۔ دوسری غلطی مجیب کی (فلا
يجلس) ایسا نہیں بلکہ (فلا
يحبس) ہے تیسری غلطی روایت مذکورہ
بالا کو (واضح تر) ٹھہرانا، حالانکہ بخاری اور
مسلم اور عبد الرزاق اور عبد بن حمید و نسائی و
ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابو
الشیخ و ابن مردویہ سعید بن المسیب سے
روایت کرتے ہیں۔ قال البحيرة
التي يمنع درها

ہوگئی اس پر کوئی سوار نہ ہوگا۔ فتح البیان۔ اس
کے ترجمہ کے بعد پھر فاضل مجیب لکھتا ہے۔ ان
روایات کے اعتبار سے بحیرہ، سائبہ میں
اہلال لغیر اللہ تو کسی طرح نہیں پایا
جاتا۔ اقوال جو اباً میں کہتا ہوں کہ روایات مذکورہ
کے متعلق امام شافعیؒ کا حوالہ غلط ہے۔ الخ
حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا بحیرہ وہ جس
کا دودھ بچوں کے لئے روک لیا گیا ہو اور کسی
آدمی کو دودھ نکالنے کی اجازت نہ ہو۔ سائبہ وہ
ہے جس کو بچوں کے لئے دائرہ کر دیں اور اس
پر کوئی چیز نہ لادی جائے۔ وصیلہ اُس اونٹنی کو
کہتے ہیں جو پہلی دفعہ مادہ جنے اور دوسری دفعہ
بھی مادہ ہی جنے اور ان ہر دو حمل کے درمیان نہ
نہ پیدا ہو بلکہ دونوں مادہ حمل متصل ہوں تو پھر
اُسے بچوں کے لئے آزاد کر دیتے ہیں۔ جس
اونٹ سے کئی دفعہ بچے حاصل کر لیے جائیں اور
پھر بچوں کیلئے آزاد کر دیا جائے اور اُسے بار
برداری سے معافی دے دی جائے بلکہ کوئی چیز
بھی اُس پر بار نہ کی جائے اُسے حامی کہتے
ہیں۔ انتہی موضع الحاجة (دور مشور) اس معتبر
روایت کے مطابق غیر اللہ کے لئے نامزد کرنا

للطواغيت ولا يحلبها احد
 من الناس والسائبة كانوا
 يسيئونها لا لهتهم لا يحمل
 عليها شئى والوصيلة
 الناقة البكر تبكر فى اول
 انتاج الابل ثم تثنى بعد
 بانثى وكانوا يسيئونها
 لطواغيتهم ان وصلت احد
 هما بالآخرى ليس بينهما
 ذكر والحامى فعل الابل
 يضرب الضراب المعداد
 فاذا قضى ضرابه ودعوه
 للطواغيت واعفوه من
 الحمل فلم يحمل عليه
 شئى وسموه الحامى. انتهى
 موضع الحاجة درمنثور۔
 بحسب اس معتبره روايت کے اھلال
 لغیر اللہ بکیرہ وغیر با میں موجود ہے۔
 چوتھی غلطی اختلاف روايت کو جو بکیرہ وغیر با
 میں آئے ہیں (منع جمع پر حمل کرنا مع اس
 کہ فتح البیان وغیرہ میں ہے۔ ان
 العرب کانت تختلف
 افعالها فى البحيرة) جس سے

موجود ہے۔ چوتھی غلطی یہ ہے کہ ان جانوروں
 کے بارے مختلف روایات کو منع الجمع پر حمل کیا
 حالانکہ فتح البیان وغیرہ میں ہے کہ اہل عرب
 کے افعال بکیرہ وغیرہ کے بارے میں مختلف
 تھے۔

سب روایات کا جمع کرنا منظور ہے۔ پھر
فاضل مجیب اسی جواب میں لکھتا ہے کہ
وہاں اس بارہ میں روایات مختلف ہیں جن
میں سے بعض میں ذکر ہے کہ ان حیوانوں
کا دودھ بچوں کے نام پر وقف ہوتا تھا۔
بعض میں ذکر ہے کہ خود ان کی ذات
وقف ہوتی تھی۔ اگر ان روایات کو بھی ان
لفظوں کی تفسیر میں لیا جائے تو بھی یہ بات
ثابت نہ ہوگی کہ اہلال لغیر اللہ قبل از ذبح
موجب حرمت نہیں الخ اقوال یہ بات
ثابت ہے کہ اہلال لغیر اللہ یعنی تشہیر و
انتساب لغیر اللہ قبل از ذبح موجب حرمت
نہیں۔ لقولہ تعالیٰ کُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ الْخَیْرُ کَمَا نَقَلْنَا سَابِقًا مِنْ
فَتْحِ الْبِیَّانِ۔ وَلِقَوْلِهِ تَعَالٰی یَا
اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوا مِمَّا فِی
الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا
تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمَا نَزَلَتْ فِی قَوْمٍ مِنْ
ثَقِیْفٍ وَبَنِي عَامِرِ بْنِ
صَفْصَةَ وَخَزَاعَةَ وَبَنِي

اقوال۔ جواباً میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات ثابت
ہے کہ غیر خدا کی طرف کسی جانور کو منسوب کرنا
ذبح کرنے سے پہلے حرام ہونے کا سبب نہیں
ارشاد الہی کُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ اس پر
دلیل ہے جس طرح پہلے ہم فتح البیان سے نقل
کر چکے ہیں۔ اور کُلُوا مِمَّا فِی
الْاَرْضِ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ
جانور حلال پائیزہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ثقیف بن قوم کے
حق میں اور عامر بن صعصعہ اور خزاعہ اور بنی
مدج کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

مدلج حرما علیٰ انفسہم ما
 حرما من الحرث والبعائر
 والسوائب والوصائل
 والحام۔ تفسیر ابو سعود۔
 ولقوله تعالیٰ یا ایہا الذین
 آمنوا کلووا من طیبات ما
 رزقنا کم قال سلیمان
 الجمل تحت قوله تعالیٰ انما
 حرم وهو قصر قلب للرد
 علی من استحل هذه الاربعة
 وحرم الحلال غیرها
 کالسوائب انتھی۔ یہ پانچویں
 غلطی ہوئی فاضل مجیب اسی تحریر میں
 مفسرین سلف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی
 تردید میں لاکھتا ہے (کیونکہ اگر ما ذبح
 یا عند الذبح کی قید لگائی جائے تو یہ ما
 کا لفظ مخصوص بالحوانات ہو جائے گا اس
 لیے کہ ذبح تو حیوانات ہی کا ہوتا ہے۔
 حالانکہ ما کا لفظ حیوانات کے علاوہ تمام
 چیزوں کو شامل ہے پس یہ تخصیص بلا تخصیص
 کیوں کر ہو سکتی ہے۔ تعجب تر تو بعض علماء
 حنفیہ سے ہے جن کا اصول ہے کہ عموم
 قرآنی کی تخصیص خبر واحد سے بھی جائز

کیوں کہ انہوں نے بحیرہ وغیرہ اپنے اوپر حرام
 سمجھ لیے تھے۔ (تفسیر ابو سعود) نیز آیت کَلُوا
 مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ بھی اسی پر
 دلالت کرتی ہے۔ علامہ سلیمان الجمل آیت
 إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ كِ
 تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قصر قلب ہے ان لوگوں
 کی تردید کے لئے جو ان چار چیزوں کو حلال
 سمجھتے تھے یعنی دم اور میتہ وغیرہ کو، اور اس کے
 ماسوا سوائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے جو حقیقت
 میں حلال ہیں۔

نہیں وہ بھی اس آیت میں بلا تخصیص
 تخصیص کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اقوال
 جناب مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی۔
وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ کی تفسیر
 میں لکھتے ہیں۔ (و دیگر آں جانور کہ آواز
 بر آوردہ شدہ شہرت دادہ شد در حق آن
 جانور کہ بغیر اللہ یعنی برائے غیر خدائے
 است) اسی جواب میں آپ نے شاہ
 عبدالعزیز کی تفسیر سے اہلال کی تحقیق میں
 کام لیا ہے۔ اور تین سطر کے بعد ان کو بھی
 زیر الزام تخصیص تخصیص رکھ دیا۔ اب
 تخصیص عام کے متعلق معروض ہے۔
 موصولات یا موضوعات کا عموم بعد از لحاظ
 اپنے صلات یا صفات کے ہوتا ہے۔ جس
 کا ثمرہ یہ ٹھہرا کہ افراد غیر موضوعہ کو شامل نہ
 ہوں گے۔ مثلاً **فَانِكْحُوا مَا طَابَ**
لَكُمْ میں کلمہ ما طیبات ہی کو اور ایسا ہی **كُلِّ**
امْرَاةٍ اَتَزَوْجَهَا فِہِی طَالِق
 میں لفظ **كُلِّ امْرَاةٍ** متکلم کی منکوہہ
 ہی کو شامل ہوگا۔ پس **مَا نَحْنُ فِیہِ**
 میں لفظ **مَا** معہ لحاظ صلہ اس کے معنی اہل
بہ لغيرِ اللَّهِ کے عام کہا جائے گا۔
 خواہ اہلال بمعنی مطلق **رفع الصوت**

لیا جائے یا بمعنی رفع الصوت
 عند الذبح۔ رہا یہ امر کہ ان دونوں
 معنوں میں کون سا معنی صحیح ہے اس کو اور
 دلائل سے ثابت کیا جائے گا۔ لفظ ما کے
 عموم کو اس تصحیح میں کوئی دخل نہیں بلکہ
 عند الاعتلاء، آپ کا طرز استدلال مستلزم دور
 ہوگا۔ کیونکہ ما کا عموم اہلال کے اطلاق پر
 اور اہلال کا اطلاق ما کے عموم پر موقوف ہو
 گا۔ وہو کما تری۔ پھر ہم کہتے ہیں
 اگر فاضل مجیب کو اس پر بھی تشفی نہیں تو لیجئے
 صریح نص قرآنی جس سے بخار اور
 سائب میں اہلال لغير الله بمعنی
 تشہیر وانتساب الى غير الله صاف
 طور پر پایا جاتا ہے۔ قال الله تعالى
 وقالوا هذه انعام وحرث
 حبر لا يطعمها الا من نشاء
 بزعمهم فمعنى الآية هذه
 انعام وحرث ممنوعة
 يعنون انها لا صنا مهم قال
 مجاهد یعنی بالانعام البحرية
 والسائبة والوصيلة والحام۔
 فتح البيان۔ ہر جگہ تفسیر کے متعلق
 مقدمہ کا لحاظ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کہتے ہیں یہ جانور
 اور کھیتیاں ممنوع ہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر
 جس کے لئے ہم چاہیں یعنی یہ جانور بحیرہ،
 سائبہ، وصیلہ وغیرہ جنوں کے لئے ہیں اور کسی کو
 استعمال کرنا درست نہیں۔ (فتح البیان)



فائدہ

جس جانور کو سائبہ یعنی سائڈ بنا کر چھوڑا جاتا ہے اگر کوئی شخص اس جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کر کے گوشت وغیرہ بھون لے تو اس گوشت کے کھانے میں اس کے مالک کو قیمت ادا کرنے سے پہلے اختلاف ہے۔ بعض علماء جائز فرماتے ہیں اور بعض محققین ناجائز کیونکہ مفضوب ہونے کی وجہ سے ابھی تک اس میں ثبت باقی ہے۔ (رسالہ برہان الدین)

اقول۔ شاید محققین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ سائڈ چھوڑ دینے سے جانور پر مالک کی ملکیت زائل نہیں ہو جاتی۔ لہذا اگر خود وہ مالک بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر لے تو حلال ہو گا یا دوسرا شخص مالک کی اجازت سے ذبح کرے پھر بھی حلال ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص بغیر مالک کی اجازت کے ذبح کرے تو وہ جانور بوجہ غضب کے حرام ہو گا نہ بوجہ شہرت دینے اور آواز بلند کرنے کے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مجوسی کی بکری اللہ کا نام لے کر ذبح کرے جو اس نے آتش کدہ کی بھینٹ کے لئے ذبح کرائی یا کسی کافر نے اپنے بیٹوں کے لئے ذبح کرائی ہے تو اس کا کھانا جائز ہے لیکن مسلمان کے لئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تاتار خانہ نے جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔

جانورے کہ اور سائبہ یعنی سائڈ می گذارند اگر کسی اور ذبح بنام خدا تعالیٰ کردہ و گوشت اور اَشیدہ پختہ و بریاں ساخت پس در تناول آن قبل ادائے قیمت بہ مالکش اختلاف است نزد بعضے علماء جائز بعضے محققین ناجائز می گویند کہ ہنوز خبثہ باقی است چہ بحکم مفضوب است۔ رسالہ مولانا برہان الدین۔

اقول۔ شاید وجہ قول محققین آنست کہ از رہا کردن جانور ملک باطل نہ مے شود۔ پس اگر مالک بسم اللہ اکبر ذبح نماید حلال است و یا غیر مالک بہ اذن مالک و بے اذن مالک اگر کسی ذبح کند حکم غضب دارد و خرمتش بایں جهت خواهد بود نہ بجهت آن کہ تشبیر داده شدہ است آن حیوان و منشوب نمودہ است لغير اللہ در فتاویٰ عالمگیری مے نویسد مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالہتہم توکل لانہ سمی اللہ تعالیٰ و یکرہ للمسلم کذا فی التاتار خانیة ناقلًا عن جامع الفتاویٰ۔

در فوائد برہانی نوشتہ مجوسی گاؤ۔ بمسلمانے
داد کہ بنام نار کہ معبودِ اوست ذبح کند مسلم
بنام خدا ذبح کرد گوشت او حلال است
کذافی کتب الفقہ۔

فوائد برہانی میں لکھا ہے کہ اگر کسی مجوسی نے
اپنی گائے مسلمان کے حوالے کی اور کہا کہ اس کو
آگ کے نام پر ذبح کرو لیکن مسلمان نے اللہ
تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کی تو اس کا گوشت حلال
ہے۔ (ہکذا فی کتب الفقہ)

پس اگر مشرک کے برائے بہوانی سناؤ دیا
مسلمے بنام بزرگے جانور رہا نماید خوردنش
حرام نیست زیرا کہ ازین انتساب خللے درو
واقعہ نہ شدہ خصوصاً وقتیکہ آن مسلم جانور
سائبہ را برائے فاتحہ آن بزرگ بغرض فرہ
شدن رہا کردہ باشد آری نظر بحق العبد
در آن خللے بہست اگر غیر مالک بغیر اذن
ذبح نماید و آن ہم در صورتے کہ مالک از
رہا کردن قصد اخراج از ملک نہ کردہ باشد و
اللہ اعلم۔

لہذا اگر کوئی مشرک بہوانی کے لئے سناؤ
چھوڑے، یا کوئی مسلمان کسی بزرگ کے نام پر
جانور رہا کر دے تو اس کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔
کیونکہ اس تشبیر اور نسبت سے اس کی حلت
میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا خصوصاً جب اس
مالک نے جانور مذکور کو موٹا ہونے کے لئے
چھوڑا ہو۔ ہاں حق العبد کے لحاظ سے اس میں
خلل ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا شخص مالک کی اجازت
کے بغیر ذبح کر لے اور مالک نے چھوڑتے
وقت اپنے ملک سے خارج کر دینے کا ارادہ نہ
کیا ہو تو اس کا گوشت حق العبد کی وجہ سے حلال
نہ ہوگا۔

ازیں جافر قے بین میان سائبہ وغیرہ و
 میان جانور منڈ و رلا ولایاء فہمیدہ ہاشی چہ در
 اول تقرب الی غیر اللہ باطلاق و رہا نردن
 جانور ست و در ثانی تقرب بذبح آں -
 پس اگر تقرب و خوشنودی آں بزرگ ازیں
 ذبح بایں قصد است کہ ثواب خورین
 گوشت مذبوح و فاتحہ بڑوح آں بزرگ
 رسانیدہ شود تا حلال است و ہمیں معنی
 ناذرین برائے اہل اللہ مراد می دارند۔ کما
 صرح بہ حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ و
 سبکی و اگر تقرب بذبح بایں غرض است کہ
 نفس ذبح و اخراج روح حیوان برائے
 آں بزرگ است و با گوشت و ابداء ثواب
 سروکارے نے تا حرام شود کما سبکی۔ لیکن
 ناذر برائے اولیاء اصلاً این معنی مراد نمی
 دارد بدلیل عدم خوشنودی او و عدم خروج
 آواز عہدہ نذر در ذہن خودش در صورتے کہ
 گوشت مذبوح اورا کسے نہ خورد۔ وجہ دوم
 برائے مخدوش فیہ بودن

مندرجہ بالا کلام سے سائبہ اور منذورة اولیاء کے
 درمیان فرق واضح ہو گیا ہے۔ کیونکہ سائبہ کے
 واگذار کرنے میں تقرب الی غیر مقصود ہے
 اور یہاں ذبح کے ساتھ تقرب الی اللہ مقصود
 ہے۔ لیکن تقرب فقط اس معنی کے لحاظ سے کہ
 اس مذبوح کا گوشت کھانے اور فاتحہ کا ثواب
 فلاں بزرگ کی روح کو پہنچے۔ عام نذر ماننے
 والے یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ کما صرح بہ حکیم
 الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
 اس قصد کے ساتھ ذبح مذکور کا گوشت یقیناً
 حلال ہے اور اگر تقرب بالذبح سے مقصود خود
 ذبح اور اس حیوان کا روح نکالنا اس بزرگ
 کے لئے ہے اور گوشت کے بدیہ کرنے اور
 ثواب وغیرہ سے اس کا کوئی سروکار نہیں تو حرام
 ہے۔ لیکن جاہل سے جاہل مسلمان بھی یہ ارادہ
 کبھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اگر
 اس کی ذبیحہ کا گوشت کوئی شخص نہ کھائے تو وہ
 اپنے آپ کو اپنی نذر کی ذمہ داری سے عہدہ برا

ایں کہ اہل راہ ذبح حمل کردن خلاف فقہ
و عرف نیست چه اہلال در عرف آن
دیار و آن وقت بمعنی ذبح آمد اذ فصح الفصحاء و
ابلیغ البلغاء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمودہ
اذا سمعتم الیہود و
النصارى یهلون لغير اللہ
فلاتاکلوا و اذالم تسمعوا ہم
فکلوا فان اللہ قد احل
ذبائحہم و هو یعلم ما
یقولون۔ فتح البیان جلد اول۔
صفحہ ۲۲۲۔

نہیں سمجھتا۔ اور نہ اس بات پر کسی صورت میں
راضی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ
ایصالِ ثواب کا ہوتا ہے۔ نہ محض اخراجِ روح کا
کما ہود اب الکفار۔ وجہ دوم یہ ہے کہ لفظ اہل کا
ذبح کے معنی پر حمل کرنا فقہ اور عرف کے خلاف
نہیں۔ کیونکہ اہلال اس ملک اور اس وقت کی
زبان کے مطابق ذبح کے معنی میں پایا جاتا
ہے۔ فتح البیان جلد اول صفحہ ۲۲۲۔ تمام فصیحوں
بلیغوں سے بڑھ کر فصیح و بلیغ سیدنا حضرت علی
کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں یعنی اگر تم یہود اور



اس قدر ظلم ہے کہ محض ایک مفروضہ اور مزعومہ و اہمہ کی بناء پر کہ جہلا زبان سے اگرچہ مندرجہ بالا تفسیر اور وضاحت کر
بھی دیں پھر بھی ان کا عقیدہ قلبی محض تقرب الی الغیر کا ہوتا ہے اور بدیں وجوہ جانور حرام ہو جاتا ہے اور ایسا کرنے والا
کافر ہو جاتا ہے۔ کیا یہ ظنوا المؤمنین خیرا کے صراحتہ خلاف نہیں طلال کو بیک جنبش قلم و زبان حرام کہہ دینا
اور وہ بھی صرف ایک زعم باطل کی بناء پر وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا قال اللہ تبارک و
تعالی و حرموا ما رزقہم اللہ افتراء علی اللہ۔

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ بات بالکل واضح نہ ہو جائے کہ ذبح سے مقصد محض غیر اللہ کا
تقرب اور اس کی رضا جوئی کے لئے جانور کا روح نکالنا ہے اور مستحقین کو گوشت کھلا کر بزرگوں کو
ثواب پہنچانا اور ان کے لئے دعا و فاتحہ خوانی مقصود نہیں تب تک کسی مسلمان کلمہ گو شخص کو محض گمان
کی بناء پر مشرک سمجھنا اور اس کی ذبیحہ کو حرام سمجھنا درست نہیں کیونکہ یہ سراسر عقیدہ حقہ اہلسنت
والجماعت کے خلاف ہے۔
مترجم فیض عفی عنہ

نصارے کو سنو کہ وہ ذبیحہ پر غیر خدا کا نام لے
 رہے ہیں پھر تو ان کی ذبیحہ کو نہ کھاؤ اور اگر تم نے
 خود نہیں سنا تو پھر کھا سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
 اہل کتاب کی ذبائح کو ہم پر حلال فرمایا ہے۔
 حالانکہ وہ خود جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

شہاب بر قول بیضاوی تحت قولہ تعالیٰ
 (وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللَّهِ) ای رفع
 بہ الصوت الخ سے نوید ہذا اصلہ
 ثم جعل عبارة عما ذبح لغير
 اللَّهِ ومعنى لغوى برائے اہلال گو کہ ہماں
 رفع الصوت است لكن بوضع عرفی
 استعمال اور معنی ذبح و احرام آمدہ کہ
 بریکے ازیں با عند قیام القرینہ مراد سے
 باشد و قولہم الحقیقۃ ای اللغۃ
 تترک بدلالة العادة فی
 استعمال الالفاظ
 المنقولة شرعاً او عرفاً عاماً
 او خاصاً (مشہورٌ مذکورٌ)
 فی محلہ فان قلت ہذا اذا
 كانت الحقیقۃ مہجورة
 والاف عند الامام ابی حنیفة
 رضی اللہ

شہاب نے بیضاوی کے حاشیہ پر وما اهل
 به لغير الله کے معنی رفع بہ الصوت کے
 ساتھ کیے ہیں۔ یہ معنی اصلی ہیں پھر بعد میں
 یہی الفاظ عما ذبح لغير الله سے تعبیر
 کیے گئے ہیں تو گویا اہلال کا لغوی معنی تو صرف
 آواز بلند کرنا ہے۔ مگر وضع عرفی کے ساتھ ذبح
 اور احرام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔
 لہذا ان معانی میں سے ایک کا تعین قرینہ کے
 ساتھ ہوگا اصولیین کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ حقیقت
 یعنی لغت الفاظ منقولہ کی استعمال کے وقت
 عادی طور پر

تعالیٰ عنہ ہی اولیٰ من
 العرف قلت يعتبر العرف
 عند تعذر الحقيقة اتفاقاً
 وهنا قد قامت القرينة على
 تعذر ارادة الحقيقة اعنى قوله
 تعالىٰ كلوا مما رزقكم الله
 ونحوه من الايات الواردة فى
 هذا الباب. لہذا سلف صالحین از
 مفسرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین از
 اہلال معنی ذبح یا رفع الصوت مقید بقید
 عند الذبح گرفتہ۔ قال البيضاوى
 اى رفع به الصوت عند
 ذبحه۔ در تفسیر کبیر است قال
 الاصمعى الاهلال اصله رفع
 الصوت فكل رافع صوته
 فهو مهل وقال ابن احمر۔
 يهلُّ بالفد فدركبانها۔ كما
 يهل الراكب المعتمر۔ هذا
 معنى الاهلال فى اللغة ثم
 قيل للمحرم مهل لرفعه

ترک کر دی جاتی ہے۔ خواہ نقل شرعی ہو یا عرف
 عام کی یا عرف خاص کی۔ سوال یہ معاملہ تو
 حقیقت مہجورہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی جس
 جگہ لفظ کے حقیقی معنی ترک کر دیئے گئے ہیں تو
 وہاں عرفی معنی مراد لیے جاتے ہیں ورنہ امام
 اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عرف سے
 حقیقت اولیٰ ہے۔ جواب۔ جب حقیقت
 معتذر ہو یعنی لفظ کے اصلی اور حقیقی معنی مراد نہ
 لیے جاسکتے ہوں تو پھر سب کا اتفاق ہے کہ عرفی
 معنی مراد لیے جائیں گے۔ اور یہاں حقیقت
 کے تعذر پر قرینہ موجود ہے اعنی قولہ تعالیٰ کُلُوا
 مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ اور اسی قسم کی دوسری
 آیات جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں اسی وجہ
 سے تمام سلف صالحین نے اہلال کی تفسیر ذبح یا
 رفع الصوت مقید بقید عند الذبح سے کی ہے۔
 تفسیر بیضاوی میں ہے۔ اى رفع به
 الصوت عند ذبح۔ تفسیر کبیر میں ہے۔
 امام اصمعی (جو لغت کے بڑے امام ہیں)
 فرماتے ہیں کہ اہلال کا اصلی معنی آواز بلند کرنا

الصوت بالتلبية
 عند الاحرام هذا معني
 الاهلال يقال اهل فلان
 بحجة او عمرة اي احرم بها
 وذلك لانه يرفع الصوت
 بالتلبية عند الاحرام
 والذابح مهل لان العرب
 كانوا يسمون الاوثان
 عند الذبح ويرفعون
 اصواتهم بذكرها انتهى۔ در
 تفسير خازن آيدہ یعنی وما ذبح
 للاصنام والطواغيت واصل
 الاهلال رفع الصوت وذلك
 انهم كانوا يرفعون اصواتهم
 بذكر الهتهم اذا ذبحوا لها
 فجرى ذلك مجرى امرهم
 وحالهم حتى قيل لكل ذابح
 مهل وان لم يجهر بالتسمية
 انتهى ودر مدارک نوشته اي ذبح
 للاصنام فذكر عليه غير
 اسم الله الرحمن الرحيم انتهى۔ علامہ سیوطی در
 در منشورے نويسد وما اهل به لغير
 الله

ہے۔ پس جو شخص بھی آواز بلند کرے گا اُس کو
 عربی میں مُہل کہیں گے۔ ابن احمر کا ایک شعر
 ہے (ترجمہ: میدان میں اُس کے سواروں نے
 آواز بلند کی جس طرح عمرہ کرنے والا سوار آواز
 بلند کرتا ہے)۔ لغت میں اہلال کے یہی معنی
 ہیں۔ اسی وجہ سے محرم کو مُہل کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ
 احرام کی حالت میں تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتا
 ہے۔ کہا جاتا ہے یعنی (حج یا عمرے کا احرام
 باندھا ہے کیونکہ اُس نے بلند آواز کے ساتھ
 تلبیہ کہا ہے۔ ذابح کو بھی مُہل اسی وجہ سے کہا
 جاتا ہے) کہ اہل عرب ذبح کے وقت بلند آواز
 کے ساتھ بچوں کا نام لیتے تھے۔ انتہی کلامہ۔
 تفسیر خازن میں بھی یہی کچھ لکھا ہے کہ اہلال کا
 اصلی معنی آواز بلند کرنا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اُن
 ذبائح پر جو بچوں کے لئے ذبح کرتے تھے اُن
 بچوں اور خُداؤں کا نام بلند آواز کے ساتھ

اخرج ابن المنذر عن ابن عباس في قوله
 تعالى وما اهل قال ذبح واخرج
 ابن جرير عن ابن عباس في قوله تعالى وما
 اهل به لغير الله يعني ما اهل
 للطواغيت واخرج ابن ابي حاتم عن
 مجاهد وما اهل قال ما ذبح لغير
 الله واخرج ابن ابي حاتم عن ابي العالیه
 وما اهل به لغير الله يقول ما
 ذكر عليه اسم غير الله
 انتهى۔ در فتح البیان آمدہ یعنی ما ذبح
 لاصنام والطواغيت
 وصيخ في ذبحه۔ در مظہری سے
 نوید قال الربيع بن انس
 يعني ما ذكر عند ذبحه اسم
 غير الله والاهلال اصله
 روية الهلال يقال اهل الهلال
 ثم لما جرت العادة برفع
 الصوت بالتكبير عند روية
 الهلال سمى لرفع الصوت
 مطلقاً الاهلال و كان الكفار
 اذا ذبحوا لالهتهم يرفعون
 اصواتهم بذكرهم فجرى

پکارتے تھے لہذا یہ عرف جاری ہو گیا کہ ہر ذبح
 کو مہل کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ بسم اللہ اللہ
 اکبر بلند آواز سے نہ بھی کہے۔ اتنی تفسیر
 مدارک میں ہے کہ بچوں کے لئے ذبح کیا جائے
 اور غیر اللہ کا نام اس پر لیا جائے۔ علامہ سیوطی
 در منشور میں لکھتے ہیں کہ ما اهل به لغير
 اللہ کی تفسیر میں ابن المنذر نے ابن عباس
 سے وما اهل کا معنی ذبح نقل کیا ہے۔ اسی
 طرح ابن جریر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے
 کہ ما اهل للطواغيت ابن ابي حاتم
 نے ابي العالیه سے نقل کیا ہے۔ وما اهل به
 لغير الله يقول ما ذكر عليه اسم
 غير الله انتهى۔ فتح البیان میں ہے جو
 چیز بچوں کے لئے ذبح کی جائے۔ اور اس
 پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا جائے۔
 تفسیر مظہری میں لکھا ہے حضرت ربیع بن انس
 فرماتے ہیں جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام
 ذکر کیا جائے۔ اہلال اصل میں چاند

ذَلِكْ مِنْ أَمْرِ هُمْ حَتَّى قِيلَ
لِكُلِّ ذَابِحٍ وَإِنْ لَمْ يَجْهَرْ مَهْلًا -
انْتَهَى - دَرُوحُ الْبَيَانِ آمَدَه
أَيُّ وَحَرْمٍ مَارْفَعٍ بِهَ الصَّوْتِ
عِنْدَ ذَبْحِهِ لِلصَّنَمِ وَأَصْلُ
الْأَهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوا
إِذَا ذَبَحُوا لِأَهْتَمِ يَرْفَعُونَ
أَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِهَا وَيَقُولُونَ
بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعِزَّى فَجَرَى
ذَلِكْ مِنْ أَمْرِ هُمْ حَتَّى قِيلَ
لِكُلِّ ذَابِحٍ وَإِنْ لَمْ يَجْهَرْ
بِالتَّسْمِيَةِ مَهْلًا - انْتَهَى -
مَوْضِعُ الْحَاجَةِ - عَلَامَةُ ابْنِ السَّعْدِ
دَرْ تَفْسِيرِ خُودِ نَوَيْسِدٍ وَمَا أَهْلُ بِهِ
لِغَيْرِ اللَّهِ أَيُّ رَفْعٍ بِهَ الصَّوْتِ
عِنْدَ ذَبْحِهِ لِلصَّنَمِ - انْتَهَى -
دَرُجَلَالِينَ آمَدَه أَيُّ ذَبْحٍ عَلَيَّ اسْمِ
غَيْرِهِ - دَرُ مَعَالِمِ التَّنْزِيلِ آمَدَه وَمَا
أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ أَيُّ مَا ذَبَحَ
لِلصَّنَامِ وَالطَّوَاغِيَتِ وَأَصْلُ
الْأَهْلَالِ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوا
إِذَا ذَبَحُوا لِأَهْتَمِ

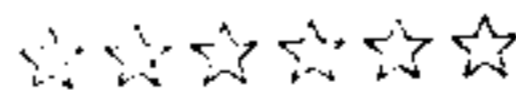
دیکھنے کو کہتے ہیں۔ يقال اهل الهلال
فلان نے چاند دیکھا ہے۔ پھر جب عادت ہو
گئی کہ لوگ چاند دیکھنے کے وقت بلند آواز سے
تکبیر کہتے ہیں۔ تو مطلقاً آواز بلند کرنے پر
اهلال بولا جانے لگا۔ اور کفار جب بتوں کے
لئے جانور ذبح کرتے تھے تو ان بتوں کا نام
لے کر پکارتے تھے لہذا ہر ذابح کو مہل کہا جانے
لگا خواہ وہ آواز بلند نہ بھی کرے۔ (اھک)
صاحب رُوح البیان فرماتے ہیں یعنی جس
جانور پر ذبح کے وقت بتوں کا نام پکارا جائے وہ
حرام ہے۔ اہلال اصل میں مطلقاً آواز بلند
کرنے کو کہتے ہیں۔ کفار جب جانور ذبح
کرتے تو بلند آواز سے باسم اللات والعزى
کہتے لہذا ہر ذابح کو مہل کہا جانے لگا۔ اگرچہ
اس نے جہر نہ کیا۔ انتہی موضع الحاجۃ۔ علامہ ابو
السعود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ وما اهل به
لغير الله اي رفع به الصوت
عند ذبحه للصنم۔ انتہی یعنی ذبح
کے وقت بت کے لئے آواز بلند کی۔ جلالین

میں ہے ای ذبح علی اسم غیرہ کہ
غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ معالم التنزیل
میں ہے وما اهل به لغير الله الخ
(معنی قبل ازیں گزر چکا ہے)۔

يرفعون اصواتهم بذكرها
فجرى ذلك من امرهم
حتى قيل لكل ذابح وان لم
يجهر بالتسمية مهل وقال
الربيع بن انس وغيره وما
اهل به لغير الله ط قال ذكر
عليه اسم غير الله انتهى۔

مندرجہ بالا معتبر تفاسیر کے حوالہ جات سے ظاہر
باہر ہو گیا کہ اہلال و ذبح کے معنی پر حمل کرنا اہل
عرب کے عرف کے بالکل مطابق ہے۔ اور یہ
بھی معلوم ہو گیا کہ اہلال کا لغوی معنی رفع
الصوت ہے۔ لیکن عرف والوں نے اس معنی
سے نقل کر کے ذبح کے معنی میں استعمال کر لیا
ہے۔ جن لوگوں نے ما اهل به کا معنی رفع
الصوت عند ذبح کیا ہے ان کے نزدیک لغوی
معنی صدق اور حمل کی حیثیت سے عرفی معنی
سے اعم مطلق ہوگا اور جن لوگوں نے ما اهل
به کا معنی ما ذبح لغير الله کیا ہے ان
کے نزدیک لغوی اور عرفی معنی کے درمیان عام
وخاص من وجہ کی نسبت ہوگی یعنی لغوی معنی من

از عبارات مسطورہ پر ظاہر است کہ اہلال
را بر ذبح حمل نمودن موافق عرف آل دیار
و آل زمان است و لفظ اہلال منقول است
از ورفع الصوت بسوئے ذبح عرفاً والمعنى
اللغوى اعم من العرفى مطلقاً من حيث
الصدق والحمل على قول من فسره قوله تعالى۔
وما اهل به لغير الله ط بقوله اى
رفع الصوت عند ذبحه للاصنام او من وجه
من حيث التحقق عند من فسره بقوله اى ذبح
لغير الله آراء مفسرين و علماء لغت در وقت
بیان نمودن معنی عرفی برائے اظہار علاقہ
مابین معنی منقول عنہ والیہ معنی لغوی را نیز
بیان مے کنند نہ از برائے آل کہ مراد از



۱۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ اہلال کا لغوی معنی چونکہ دلائل شریعیہ کی وجہ سے نہیں لیا جاسکتا لہذا عرفی معنی مراد ہے یعنی بوقت
ذبح غیر اللہ کا نام لینا اور ایسی مذبحہ حرام ہوگی۔

فیض عثمانی عنہ

اہلال درآیت وما اهل به لغیر
اللہ معنی لغوی ست برائے اصالت او۔

جیٹ اتحقق عرفی معنی سے اعم من وجہ ہوگا۔ ہاں
مفسرین اور علماء لغت عرفی معنی کے بیان کرتے
وقت منقول عنہ اور منقول الیہ کا علاقہ ظاہر کرنے
کے لئے لغوی معنی بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اس کا
یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اہل کا معنی اس آیت میں
صرف لغوی مراد ہے۔



سوال

اصولِ حنفیہ میں قطعی طور پر ثابت ہے کہ مفہوم مخالف کے طریق پر تقیید جائز نہیں کیونکہ مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر جاری رہے گا۔ لہذا وہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہوں گے اگرچہ ایک ہی واقعہ میں ہوں۔ اس قاعدہ کی بناء پر جائز ہے کہ مطلق اپنے اطلاق کے ساتھ سبب ہو اور مقید اپنی تقیید کے ساتھ کیوں کہ اسباب میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔

قد تقرر فی اصول الحنفیة
قاطبة ان التقیید لا یكون
على طريقة المفهوم
المخالف لان المطلق یجری
على اطلاقه والمقید على
تقییده فلا ینافی احدهما
للآخر وان كان فی حادثة
واحدة فبناء على القاعدة
المذكورة یجوز ان یكون
المطلق سبباً باطلاقه والقید
بتقییده اذ لا مزاحمة فی
الاسباب۔

جواب

یہاں ایسی دو نصیں موجود نہیں جن میں سے ایک مطلق ہو اور دوسری مقید تاکہ اصول کا مندرجہ بالا قاعدہ جاری ہو سکے بلکہ وما اهل به صرف ایک نص ہے جسے مطلق سمجھو یا مقید۔ اور اگر متعدد تفاسیر کو مد نظر رکھتے ہوئے فرض کر لیں کہ یہ آیت مطلق ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ عند ذبح کی قید چونکہ نفسی ماعدہ کو واجب

لیس ههنا نصان احدهما
مطلق والثانی مقید حتی
تجری القاعدة المذكورة بل
قوله تعالى وما اهل به لغير
الله نص واحد اما مطلق
واما مقید وبعد الفرض
بالنظر الى تعدد التفسیر
فنقول قید عند ذبحه لم

يوجب النفي عما عداه
فليس من قبيل حمل
المطلق على المقيد لكن
النص الاخر الوارد في
البحائر والسوائب ابطال
حرمة الحيوان
المشتهرة بانه لغير الله
فأوجب نسخ الاطلاق كما
ان قيد السائمة والعدالة في
قوله عليه السلام في خمس
من الابل شاة وقوله عليه
السلام في خمس من الابل
السائمة شاة وفي قوله
تعالى واستشهدوا شهيدين
من رجالكم وقوله تعالى و
اشهدوا ذوى عدل منكم لم
يوجب نفي الحكم لكن
السنة المعروفة اى لا زكوة
فى العوائل والحوامل
والعلوف فى ابطال الزكوة
عن العوامل والحوامل
والنص الوارد فى باب

نہیں کرتی لہذا مطلق کا حمل مقید پر لازم نہ آئے
گا۔ لیکن دوسری نص جو بحائر اور سوائب میں
وارد ہے اور حیوان مشہر کی حرمت کا ابطال کر
 رہی ہے وہ اس اطلاق کا نسخ کر رہی ہے جیسا
کہ سائمہ کی قید حدیث فی خمس من
الابل شاة (جو مطلق ہے) اور فی
خمس من الابل السائمة شاة (جو
مقید ہے) میں نفی حکم کو واجب نہیں کرتی یا
عدالت کی قید آیت واستشهدوا
شہیدین من رجالکم (جو مطلق ہے
اور آیت واشہدوا ذوی عدل منکم
(جو مقید ہے) میں نفی حکم کا باعث نہیں لیکن
سنت مشہورہ یعنی (لا زکوة فی العوامل
والحوامل والعلوف) کام دینے
والے، بار اٹھانے والے اور گھر میں گھاس
کھانے والے جانوروں پر زکوة واجب

التثبت في نباء الفاسق اى
 قوله تعالى يا ايها الذين
 امنوا ان جاءكم فاسق بنباء
 فتبينوا اوجب الاطلاق
 فكذا ههنا فما قال مولانا
 تراب على وغيره من
 الاعلام في هذا المقام اقتفاء
 على آثار خاتم المحدثين
 رضوان الله تعالى عليهم
 اجمعين من قوله فجملة
 المرام ان تفسير الاهلال
 باعتبار وضع اللغة
 واستعمال الشرع والعرف
 هو رفع الصوت مطلقاً واما
 ما وقع في البيضاوى
 والمدارك والذر المنثور
 وغيرها من قيد عند الذبح
 فتفسير بالاختصاص تنبيهاً
 على ان الغرض من الاهلال

نہیں) نے اطلاق کا نسخ کر دیا ہے اسی طرح
 اس نص نے جو فاسق کی خبر کے متعلق وارد ہے
 اطلاق کا نسخ واجب کر دیا ہے۔ بعینہ اسی طرح
 آیت وما اهل به میں بھی بحائر اور سوائب
 والی نص نے نسخ اطلاق واجب کر دیا ہے لہذا
 مولانا تراب علی وغیرہ علمائے اعلام نے خاتم
 المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث
 دہلوی کے اتباع میں جو کچھ سپرد قلم فرمایا ہے
 جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلال کی تفسیر وضع اللغۃ و
 استعمال الشرع والعرف کے لحاظ سے مطلقاً
 آواز بلند کرتا ہے۔ اور بیضاوی، مدارک اور ذر
 منثور وغیرہ میں جو عند الذبح کی قید موجود ہے وہ
 تفسیر بالاختصاص ہے اور وہ بات پر تنبیہ کرنا مقصود
 ہے کہ اس زمانے کی عادت کے مطابق غالباً
 اہلال کا معنی ذبح کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۔ اہل ادب عربی سے مخفی نہ ہو کہ حضرت مؤلف کی اس عربی عبارت میں مامحول مجید ہے اور فلسفہ مستقیم خبر ہے اور
 اس عبارت سے مولانا تراب علی و دیگر علماء کے بیان کی تردید مقصود ہے۔ فیض

موقعہ پر یہ فائدہ ثابت ہو چکا ہے کہ مفہوم مخالف کے طور پر تقييد نا جائز ہے۔ جب مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا اور مقيد اپنی تقييد پر تو ان دونوں میں بالکل منافات نہ ہوگی۔ الخ

الذبح غالباً واشعاراً لجرى عادة
اهل ذلك الزمان على انه قد
تقرر في مقره ان التقييد لا يكون
على طريق المفهوم المخالف اذا
المطلق يبقى على اطلاقه
والمقيد على تقييده فلا تنافي
بينهما اصلاً

ان حضرات کا یہ بیان درست نہیں جیسا کہ صاحب انصاف پر مخفی نہیں۔ اور اگر ایک لمحہ کیلئے ان حضرات کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ عند الذبح کی قید کا منشاء مورد کا خاص ہونا نہیں بلکہ وہ بہ کے کلمہ سے مستفاد ہو رہا ہے۔ لہذا عند الذبح کا قول عطف بیان یا بدل واقعہ ہوگا تلبس سے جو بہ کی باء سے حاصل ہو رہا ہے۔ مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی نے بیضاوی کے حاشیہ پر اس بات کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں ضمیریں ما کی طرف راجع ہیں اور عند ذبح کا اضافہ تلبس کا بیان ہے یا اس سمیت کا جو لفظ باء سے حاصل ہے پس یہ بدل یا عطف بیان ہے بہ کے لفظ سے (انتہی)۔ یا ہم کہیں گے کہ بہ

فليس بمستقيم كما لا يخفى
على المنصف و على تقدير
تسليم ما صحت به تلك
الاعلام فنقول منشاء تقييد
عند الذبح ليس هو خصوص
المورد بل هو مستفاد من
كلمة به في الآية فقولهم
عند الذبح عطف بيان او بدل
من التلبس المستفاد من الباء
في به كما صرح به مولانا
عبدالحكيم في حاشيته على
البيضاوي حيث قال على
هامش قول البيضاوي اے
رفع به الصوت عند ذبحه
للصنم) الضميران لما وزاد
على الكشاف لفظ عند ذبحه
بيانا

للتلبيس او السببية
المستفادة من الباء في بدل
من به او عطف بيان انتهى۔
او نقول الباء في به معنى في
ولا بد من حذف مضاف اے
في ذبحه كما صرح به
سليمان الجمل في تفسير
قوله تعالى وما اهل به لغير
الله وبالجملة معنى الذبح
او قيد عند الذبح ليس
بخارج عن مدلول النص۔

وجہ سوم۔ برائے مخدوش فیہ یودن آن کہ
اہل بہ لغير اللہ را بمعنی ذبح باسم
غير اللہ گرفتن تحریف کلام الہی نیست قال
النوروی فی شرح مسلم فی تفسیر ما
اخرجه من قوله صلى الله
عليه واله وسلم لعن الله
من لعن والده ولعن الله من
ذبح لغير الله واما الذبح
لغير الله ان يذبح باسم غير
الله كمن ذبح للصنم
اول الصليب او

کی با بمعنی فی اور کلام حذف مضاف کے ساتھ
ہے اے فی ذبحہ کما صرح بہ
سليمان الجمل في هذه الآية۔
خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ذبح کا معنی یا عند الذبح کی
قید مدلول النص سے خارج نہیں۔ و ہذا
ہو المطلوب۔

وجہ سوم۔ شاہ صاحب کی کلام کے مخدوش
ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اہل بہ
لغير اللہ کا معنی ذبح باسم غير اللہ کر لیا
جائے تو اس میں کلام الہی کی کوئی تحریف نہیں۔
نوروی نے مسلم کی شرح میں اس حدیث کی تفسیر
میں لکھا ہے۔ قال صلى الله عليه
واله وسلم الخ تو گویا اہل کا معنی خود
حدیث کے الفاظ میں ذبح کے ساتھ کیا گیا
اور نوروی نے تصریح کر دی کہ ذبح لغير
الله سے مراد یہی ہے کہ ذبح کے وقت غیر خدا
کا نام لیا جائے مثلاً بتوں کا، صلیب کا، موسیٰ علیہ
السلام یا

عیسیٰ علیہ السلام کا بلکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہم نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے۔ کما مر۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الرحمن میں خود یہی معنی کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لموسىٰ و عيسىٰ و عليهما
السلام والكعبة ونحو
ذالك بلکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ و
مجاہد و ابو العالیہ وغیرہم ہمیں معنی را مراد
داشته اند کما مر۔ و والد ماجد خاتم المحدثین
جناب مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ در فتح
الرحمن نے نوید و ما اهل به لغير
الله و آنچه آواز بلند کرده شود در ذبح وے
بغير خدا و ما اهل لغير الله به
وآں چه نام غير خدا بوقت ذبح او یاد کرده
شود۔ انتہی

فائدہ: پہلی آیت شریف میں لفظ بہ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقدیم اصل کی بناء پر ہے یعنی ظروف ہمیشہ اپنے متعلقات کے ساتھ متصل ہوتے ہیں اور تاخیر اس لیے کہ لغیر اللہ کا لفظ تحریم کے لئے خاص طور پر ضروری اور قابل اہتمام تھا۔ لہذا اسے پہلے ذکر کیا گیا اور بہ کو بعد میں۔

وجہ چہارم یہ ہے کہ خود جناب شاہ صاحب قبلہ کے لئے بھی عند الذبح کی قید لگانا لازمی امر ہے۔ چنانچہ آپ نے فارسی میں جو استفتاء کا جواب تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں:-

(ہاں اللہ تعالیٰ کا نام اُس جانور پر اُس وقت فائدہ دیتا ہے۔ کہ غیر خدا سے تقرب کی نیت

فائدہ: وجہ تقدیم کلمہ بہ بر لغیر اللہ در آیت
وما اهل به لغير الله و وجہ تاخیر
اودر آیت وما اهل لغير الله به
آنکہ تقدیم بناء بر اصل است کہ اتصال
ظروف بمتعلقات سے باشد و تاخیر از
برائے غایت اہتمام بسوئے لغیر اللہ کہ مراد
اور داخل تام است در حکم تحریم

وجہ چہارم: آں کہ جناب خاتم المحدثین
رانیز لا بد است از اخذ قید عند الذبح در معنی
مراد خود از وما اهل به لغير الله
چنانچہ در جواب استفتاء مذکور کہ بزبان
فارسی تحریر فرمودہ اندی نویسند۔ (آرے
ذکر نام خدا بر آں جانور وقتے فائدہ سے

دہد کہ قصد تقرب بغیر خد از دل دُور کرده و
خلاف آں شہرت و آواز دیگر دہد کہ ما از یں
کار بر گشتیم) پس نزد حضرت موصوف نیز
تشہیر و انتساب الی غیر اللہ عند الذبح
موجب حرمت مذبوح گشت قائل۔

وجہ پنجم: آں بجواب استفتاء مذکور حضرت
موصوف در صدر کلام نفس تشہیر و انتساب
حیوان را الی غیر اللہ موجب حرمت قرار
دادہ اند و اند کے بعد از یں ذبح لغیر اللہ را
یعنی اخراج جان برائے جان آفرین کہ
اصلاً در استفتاء مذکور نیست و بالاتفاق
حرام چنانچہ فرمائند (وگنہ ایں مسئلہ
آن است کہ جان را برائے غیر جان
آفرین نثار کردن درست نیست) **وَإِنَّ
هَذَا مِنْ ذَاكَ إِنْ يَلْتَزِم**

دل سے دُور کر دے اور اس تشہیر کے خلاف یہ
کہے کہ ہم نے اس کام سے توبہ کر لی) اس سے
معلوم ہو گیا کہ جناب موصوف کے نزدیک بھی
ذبح کے وقت غیر خدا کی طرف نسبت کرنا
حرمت کا باعث ہے۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ استفتاء کی ابتداء میں تو
حضرت موصوف نے محض انتساب اور تشہیر الی
الغیر کو حرمت کا باعث قرار دیا ہے اور تھوڑی دُور
جا کر پھر ذبح لغیر اللہ کو حرمت کا باعث بنا دیا
ہے۔ (یعنی جان کا جان آفرین کے سوا کسی
دوسرے کے لئے نکالنا) جس کا استفتاء میں
کہیں ذکر نہیں اور بالاتفاق حرام ہے۔ چنانچہ
فرماتے ہیں۔ کہ (جان کو جان آفرین کے غیر
کے لیے نثار کرنا درست نہیں)

۔ بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا کجا
یہ اور بات ہے کہ دونوں میں استلزام تسلیم کر لیا

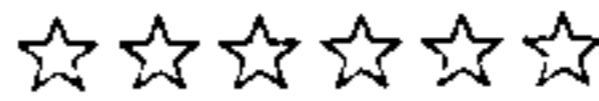
☆☆☆☆☆☆

۱۔ علاوہ از یں حضرت خاتم المحدثین کی کلام سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ **مَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ** کی حرمت ابدی نہیں
بلکہ اس کا تعلق ناذر کے اعتقاد کے ساتھ ہے اگر اس نے اپنے فاسد عقیدہ سے قبل از ذبح توبہ کر لی تو اس جانور کی حرمت
ختم ہو جائے گی۔ اور وہی جانور جو ایک منٹ پہلے حرام تھا اب حلال ہو جائے گا۔ سبحان اللہ! اس آیت کے سیاق اور سابق
پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ابدی طور پر حرام ہیں کسی عقیدہ کی
تبدیلی سے حلال نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً میت۔ دم مسفوح۔ خم خنزیر وغیرہ۔ لہذا **مَا أَهْلُ** کا معنی مطلقاً رفع الصوت کرنا سیاق
و سابق کے بھی خلاف ہوگا۔ ۱۲

۲۔ بالمعنی الشامل المکر وہ۔ ۱۲

الاستلزام مطلقاً ہو کما
 قریٰ۔ ایں جا نقل سوال و جواب کہ
 درفتا وے عزیزى مرقوم است مناسب
 معلوم مے شود۔

جائے جو غلط ہے۔ یہاں اس سوال اور جواب
 کی نقل پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ جو فتا وے
 عزیزى میں موجود ہے۔



یہاں تک حضرت مؤلف نے مَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللہ کی اس تفسیر کو جو جمہور مفسرین نے
 اختیار فرمائی پانچ وجوہ کی بناء پر بالکل درست ثابت کیا ہے۔

سوال

آیت وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللّٰهِ کا معنی کیا ہے اور اس آیت کا مصداق کون ہے؟

معنی آیت وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللّٰهِ چیست و مصداق این آیت کیست۔

جواب

اس کا معنی ہے اور دوسرا وہ جانور جس پر آواز بلند کی جائے اور شہرت دی جائے کہ یہ جانور غیر خدا کے لئے ہے وہ غیر بت ہو خواہ خبیث روح ہو جیسا کہ بھوگ کے طور پر جانور بھینٹ چڑھاتے ہیں خواہ جن ہو جو کسی گھر میں یا کسی کے سر پر مسلط ہو اور بغیر جانور لیے تکلیف دینے سے باز نہ آئے یا کسی توپ پر قابض ہو اور اُسے چلنے سے روک رکھے یا اسی طریق پر کسی پیر یا پیغمبر کے لئے کوئی جانور زندہ مقرر کر لیں یہ سب حرام ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے **ملعون من ذبح لغير اللّٰه** یعنی جو شخص غیر خدا کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے کیوں کہ جب اُس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں شخص کے لئے ہے تو پھر ذبح کے وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ کرے گا۔ کیونکہ نسبت اور شہرت سے اس جانور میں اس

قولہ تعالیٰ وَمَا أَهْلٌ بِهِ لغيرِ اللّٰه و دیگر آں جانور کہ آواز بز آوردہ شدہ و شہرت دادہ شد در حق آں جانور کہ لغير اللّٰه یعنی برائے غیر خداست خواہ آں غیر بت باشد یا روح خبیث کہ بطریق بھوگ بنام اوبد ہندو خواہ چنے مسلط بر خانہ یاسر، کہ بدوں دادن جانور از سلکناے آں جادست بردار نہ شود یا توپ راروانہ کردن نہ بدخواہ پیرے یا پیغمبرے را بایں وضع جانورے زندہ مقرر کردہ بد ہند ایں ہمہ حرام است و در حدیث صحیح وارد شدہ کہ **ملعون من ذبح لغير اللّٰه** یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلان است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبیث درو پیدا

شہد کہ زیادہ از حبث مردار است زیرا کہ
 مردار بے ذکر نام خدا جان دادہ است و
 جان ایں جانور را از آن غیر خدا قرار دادہ
 گشتہ اندوآں عین شرک است و ہر گاہ
 ایں حبث دروے سرایت کند دیگر بذر نام
 خدا حلال نہ مے شود مانند سگ و خوک کہ
 اگر بتمام خدا مذکور شوند حلال نہ مے گردند
 و گنہ ایں مسئلہ آنست کہ جان را برائے غیر
 جان آفرین شمار کردن درست نیست و
 ماٹولیات و مشروبات و دیگر اموال را نیز
 اگر چہ از راہ تقرب لغیر اللہ دادن حرام و
 شرک است لہذا ثواب آں چیز ہا را کہ عائد
 بر بندہ مے شود از آں غیر ساختن جائز
 است زیرا کہ انسان را مے رسد کہ ثواب
 عمل خود را بغیر خود بخشد چنانچہ می رسد کہ
 مال خود را بغیر خود بدہد و جان جانور مملوک
 آدمی نیست تا اورا بہ کسے تواند بخشید و
 نیز دادن مال از ین جہت مستوجب ثواب
 است کہ آدمیاں بہ وے منتفع مے شوند و
 چوں مردہ با بعد از مفارقت از ین جہاں
 قابل انتفاع معین مال نہ ماندہ اند طریق
 نفع رسانیدن آں ہا در شرع چہیں قرار
 یافت کہ ثواب اموال را کہ بہ مستحقاں

قد رتبث پیدا ہو چکا ہے جو مردار سے بھی زائد
 ہے کیوں کہ مردار نے اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا
 جان دی ہے اور اس جانور کی جان کو غیر خدا کے
 لئے مقرر کر کے ذبح کیا گیا ہے اور یہ بالکل
 شرک ہے۔ جب یہ حبث اس میں سرایت کر گیا
 تو پھر خدا کا نام لینے سے حلال نہ ہو سکے گا۔
 گتے اور سؤر کی طرح جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر
 ذبح کرنے سے کبھی حلال نہیں ہو سکتے۔ اس
 مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو جان پیدا کرنے
 والے کے سوا کسی کے نام پر شمار کرنا درست نہیں
 ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو بھی تقرب لغیر اللہ
 دیکھنے دینا شرک اور حرام ہے مگر ان اشیاء کا
 ثواب جو اس بندہ کی طرف راجع ہوتا ہے غیر
 کے لئے بخشنا جائز ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے
 اعمال کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے۔ جس
 طرح اپنا مال دوسرے کو دے سکتا ہے لیکن
 جانور کی جان چونکہ انسان کی ملکیت سے خارج
 ہے لہذا وہ کسی کو بخشی بھی نہیں جاسکتی۔ نیز مال کا
 دینا اس لیے ثواب ہے کہ دوسرے آدمی اس
 سے نفع مند ہوتے ہیں۔ اور میت اس جہاں
 سے خدا ہو جاتا ہے اور عین مال سے نفع مند نہیں
 ہو سکتا تو شریعت نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ وہ مال
 مستحقین پر خرچ کر کے اس کا ثواب اس

برسانند بآنها عائد سازند و جانِ جانور اصلاً قابل انتفاع نیست در زندگی پس بعد از مردگی نیز قابل انتفاع نہ باشد۔ آرتے اضحیہ از طرفِ مُردہ کردن در حدیث صحیح آمدہ است لیکن معنیش ہمیں است کہ دادن جان برائے خدا و ثوابے کہ دارد بانِ مُردہ بخشیدہ شود نہ آن کہ ذبح برائے مُردہ کردہ آید و بعضے جہاں مسلمین دریں مقام کج فہمی مے کنند و مے گویند کہ گوشت را ہختہ بنام مُردہ با دادن بلاشبہ جائز است و مانیز از ذبح کردن جانور بنام آن مُردہ ہمیں قدر قصد مے نمائیم برائے فہمانیدن ایشان یک نکتہ کا فیست کہ بہ ایشان باید گفت کہ شاہ گاہ ذبح کردن جانور بنام خدا غیر خدا نذری کنید اگر عوض آن جانور گوشت بہ ہماں مقدار خریدہ و ہختہ بفقراء خورائید در ذہن شما آن نذر ادا مے شود یا نہ۔ اگر مے شود راست مے گوئید کہ مقصود شاہ از ذبح غیر از گوشت خورائیدن برائے ثواب آن مُردہ نبود و الاقرب بذبح نذر آوردہ آید و شرک صریح لازم مے آید۔ و در لفظ ایں آیت کہ در چہار جا از قرآن مجید وارد شدہ تامل باید کرد کہ ما اهل بہ

لغیر اللہ

میت کی روح کو بخش دیں اور جانور کی جان چونکہ فی ذاتہ زندہ ہونے کی حالت میں انتفاع کے قابل نہیں تو مُردہ ہونے کے بعد بھی انتفاع کے لائق نہ ہوگی۔ ہاں مُردہ کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے لیکن اس کا معنی بھی یہی ہے کہ جان جان آفرین کے لئے اور ثواب میت کے لیے۔ نہ یہ کہ ذبح اس مُردہ کے لئے کی گئی ہے بعض جاہل مسلمان کج فہمی کی بناء پر کہہ دیتے ہیں کہ میاں گوشت پکا کر تو مُردے کے نام پر دینا بلاشبہ جائز ہے ہم بھی اس جانور پر جو مُردے کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے یہی قصد کرتے ہیں۔ ایسوں کے سمجھانے کے لئے فقط ایں نکتہ کافی ہے۔ انہیں کہنا چاہیے جو جانور تم اس قصد کے ساتھ نذر کر رہے ہو اگر اس جانور کے عوض اسی مقدار میں گوشت خرید کر پکا لو اور فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے خیال میں تمہاری نذر ادا ہو جائے گی یا نہ۔ اگر ہو جاتی ہے پھر تو تم درست کہتے ہو کہ تمہارا ارادہ اس ذبح سے فقیروں کو گوشت کھلانے میں میت کو ثواب پہنچانے کا تھا۔ اور اگر نذر ادا نہیں ہوئی تو یقیناً یہ نذر لغیر اللہ تھی۔ اور اس سے تقرب الی اللہ غیر مقصود تھا اور یہ شرک صریح ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے الفاظ پر غور اور

فرمودہ اندہ ما ذبح باسم غیر
اللہ پس ذبح کردن بنام خدا ہمراہ شہرت
 دادن و آواز بر آوردن ہاں کہ فلاں گاؤ
 فلائی و بز فلائی ذبح مے کند بیچ فائدہ نئے
 کند و گوشت آں جانور حلال نئے گردد و
اہل رابرد ذبح حمل کردن خلاف فقہ و
 عرف است ہرگز اہلال در لغت عرب و
 عرف آں دیار و آں وقت بمعنی ذبح نیامدہ
 در بیچ شعر و بیچ عبارت بلکہ اہلال در لغت
 عرب بمعنی بلند کردن آواز و شہرت دادن
 است چنانچہ اہلال بلاں استہلال طفل نو
 تولد و اہلال بمعنی **تلبیہ حج و غیر**
ذلک مستعمل است و اگر کسی بگوید کہ
اہللت للہ ہرگز معنی ذبح للہ
 فہمیدہ نخواہد شد۔ و نیز **اہل رابرد ذبح**
 حمل کردہ شود پس ذبح لغیر اللہ مراد خواہد شد
 ذبح باسم غیر اللہ از کجا فہمیدہ شود تا مدعائے
 این مردم حاصل شود پس دریں عبارت
 اہلال را بمعنی ذبح گرفتار باز لغیر اللہ را
 بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب تحریف
 کلام الہی مے رسد۔

تامل کرنا چاہیے جو چار جگہ قرآن کریم میں وارد
 ہوئی ہے۔ سب جگہ اہل بہ لغیر اللہ
 فرمایا ہے۔ ما ذبح باسم غیر اللہ
 نہیں فرمایا۔ لہذا لغیر کے نام پر مشہور کردہ جانور
 کو کہ یہ فلاں کا ذنبہ ہے اور فلاں کی گائے ہے
 خدا کے نام پر ذبح کرنے سے کوئی فائدہ حاصل
 نہ ہوگا اور اس جانور کا گوشت حلال نہ ہو سکے گا
 اور **اہل کو ذبح** کے معنی پر حمل کرنا عرف اور
 فقہ کے خلاف ہے۔ اہل عرب کی عرف اور
 لغت میں اہلال بمعنی ذبح ہرگز استعمال نہیں ہوا
 نہ سنی شعر میں نہ کسی عبارت میں بلکہ لغت عرب
 میں اہلال آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے
 معنی میں وارد ہے۔ چنانچہ اہلال، بلاں،
 استہلال طفل نو تولد اور اہلال بمعنی تلبیہ حج وغیرہ
 عام مستعمل ہے۔ اگر کوئی شخص **اہللت للہ**
 کہے تو اس کے معنی **ذبح للہ** ہرگز نہیں
 سمجھے جاتے اور اگر اہلال کو ذبح پر حمل کیا جائے
 تو پھر بھی ذبح لغیر اللہ مراد ہوگا۔

ذبح باسم غیر اللہ تو نہ سمجھا جائے گا تا کہ ان
 لوگوں کا مطلب حاصل ہو سکے۔ لہذا اس آیت
 میں اہلال کو بمعنی ذبح لینا اور پھر لغیر اللہ کی
 بجائے باسم غیر اللہ بنا لینا تقریباً کلام خداوندی
 کی تحریف ہو جاتی ہے۔

در تفسیر نیشاپوری کے گوید اجمع
 العلماء لو ان مسلماً ذبح
 ذبیحة وقصد
 بذبحها التقرب الی غیر اللہ
 صار مرتداً او ذبیحته ذبیحة
 مرتد۔ انتھی۔ وکافر اندر جاہلیت در
 وقت برآمدن از خانہ و در راہ بنام بیتاں
 آواز مے کردند و چوں بہ مکہ معظمہ مے
 رسیدند طواف خانہ کعبہ مے نمودند این
 طواف ایثاں بخانہ خدا ہرگز از ایثاں
 مقبول نبودہ لہذا حکم شد فلا یقربوا
 المسجد الحرام بعد عامہم
 ہذا۔ پس دریں جانب چوں آواز
 بر آوردند و شہرت دادند کہ این جانور از
 فلانی ست و بنام اوست و برائے اومی کنم و
 در وقت ذبح بنام خدا ذبح کنانیدند اصلاً

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ علما نے اجماع کر
 لیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی قسم کی قربانی کرے
 اور اس سے ارادہ غیر خدا کی طرف تقرب کا ہو تو
 وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اس کی ذبیحہ مرتد کی
 ذبیحہ ہوتی ہے یعنی حرام۔ ایام جاہلیت میں کفار
 گھر سے باہر نکلتے وقت اور راستہ پر بھی بتوں
 کے نام پر آواز بلند کرتے۔ تھے اور مکہ معظمہ میں
 پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ
 کے حضور میں کفار کا یہ طواف وغیرہ ہرگز مقبول نہ
 ہوتا تھا۔ چنانچہ حکم ہو گیا فلا یقربوا
 المسجد الحرام بعد عامہم ہذا۔
 اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک مت
 آئیں۔ یہاں بھی جب جانور پر غیر خدا کا نام
 بلند ہو گیا اور مشہور ہو گیا کہ یہ جانور فلاں کے
 نام کا ہے تو پھر ذبح کے وقت خدا کے نام لینے
 سے ہرگز حلت پر منتج

☆☆☆☆☆☆

اس جگہ خیال کرنا چاہیے کہ مولانا نے نیشا
 پوری سے اجمع العلماء نقل فرمایا ہے حالانکہ اس
 میں قال العلماء لکھا ہوا ہے لہذا نقل مطابق
 اصل نہیں۔ ۱۲

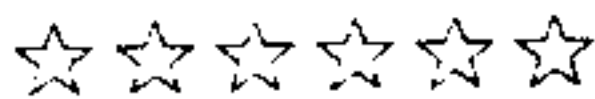
دریں جا ملّا حظہ رود کہ مولانا از نیشا
 پوری اجمع العلماء نقل مے فرمائند و حالانکہ
 دروے قال العلماء یافتہ شدہ است
 فالنقل ما مطابق الاصل ۱۲
 منہ عنی عنہ

موجب تر شبِ حلیت نہ گشت و سرش آں
 ست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہرگونہ
 کہ مقررست برائے رسانیدن جانِ جانور
 برائے ہر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ و قتل و
 دزد خواندن طریق متعین است برائے
 رسانیدن ماکولات و مشروبات بارواح
 خواہ بقصد رسانیدن ثواب بآں ارواح
 نمازند یا بقصد تقرب و دفع شر و چالوسی و
 تملق آرت ذکر نامِ خدا برآں جانور
 وقتے فائدہ سے دید کہ تقرب بغیر خدا
 از دل دور کردہ و خلاف آں شیرت و آواز
 دیگر دید کہ ما ازیں کار برشتیم۔ آمدیم بریں
 کہ دریں سورہ لفظ **بہ** را بر لفظ لغیر اللہ
 مقدم آوردند و در سورہ مائدہ و انعام و نحل
 مؤخر وجہ از آن است کہ اصل ہمیں است
 کہ باءِ متصل فعل مقدم بہ متعلقات
 دیگر آرد زیرا کہ باءِ دریں مقام برائے
 تعدیہ فعل است مانند ہمزہ و تضعیف۔ پس
 حتی الامکان ملاصق فعل باشد و ایں موضع
 اول قرآن ست دریں موضع برہماں اصل
 خود استعمال فرمودہ اند و در سورت بآئے
 دیگر آنچہ محل انکار و مدارس زنش است یعنی
 ذبح بقصد غیہ اللہ مقدم آمدہ و لہذا در باقی

نہ ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام جس طرح بھی
 جانور ذبح کریں اس سے مقصود اس جانور کی
 جان اس شخص تک پہنچانی ہوتی ہے۔ جس کے
 لئے ذبح کی جا رہی ہے۔ جیسا کہ فاتحہ، دزد اور
 قتل وغیرہ کے لئے ایک مقرر طریقہ ہے تاکہ وہ
 کھانے پینے کی چیزیں ان ارواح تک پہنچ سکیں
 خواہ ان کا ثواب پہنچانا مقصود ہو یا تقرب مد نظر
 ہو یا شر سے بچنا یا چالوسی وغیرہ بآں خدا کا نام
 لینا اس وقت مفید ہوگا کہ تقرب لغیر اللہ کا خیال
 بالکل دل سے نکال ڈالے اور پہلی آواز کے
 خلاف مشہور کرے اور کہے کہ ہم اس کام سے
 تائب ہیں (اور پھر خدا کا نام لے کر ذبح
 کرے تو وہ جانور حلال ہوگا) باقی اس صورت
 میں **بہ** کا لفظ لغیر اللہ پر مقدم ہے اور سورت
 مائدہ اور انعام اور نحل وغیرہ میں مؤخر ہے اس کی
 وجہ یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ حرف باءِ متصل
 کے ساتھ متصل لا کر دیگر متعلقات پر مقدم
 کریں۔ کیونکہ یہاں پر با تعدیہ کے لئے ہے
 جیسا کہ ہمزہ اور تضعیف وغیرہ۔ پس حتی
 الامکان فعل کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے
 لہذا قرآن کریم میں پہلی جگہ پر جو یہی ہے اصل
 کے موافق استعمال فرمایا گیا ہے اور دوسری
 سورتوں میں چونکہ انکار اور تنبیہ کا مقام ہے لہذا

سُورَتِ بَاجْمَلِهٖ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ رَانِيز
 موقوف داشتہ اند زیرا کہ در اول قرآن
 مسموع شدہ آمدہ است و ایں ہر چہار چیز
 کہ مذکور شد یعنی مردار و خون و گوشت
 خاک و جانورے کہ برائے غیر خدا مقرر
 کردہ ذبح نمازند ازاں جنس است کہ
 بر جمیع فرقہ باور جمیع حالات حرام است و
 ازاں قبیل نیست کہ بر فرقہ حرام باشد و
 برائے دیگر اں حلال ماند۔ مالِ زکوٰۃ و
 صدقات یادہ حالتے حرام است و
 در حالتے دیگر حلال مانند دوائے گرم ہی
 مضر کہ بر مخرور مزاج اں حرام است و پچوں
 مزاج اں با بڑودت پیدا کند حلال مے
 شود آرے بوقت ناچارگی خوردن ایں چیز
 بابا و بوجہ حرمت معاف مے گردود۔ **کَمَا
 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَمَنْ اضْطُرَّ لَیْسَ**

لغیر اللہ کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے
فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ کا جملہ بھی فقط اول قرآن
 میں وارد فرما کر باقی سورتوں میں نہیں لایا گیا اور
 یہ چار چیزیں جو یہاں ذکر کی گئی ہیں یعنی مردار
 اور خون اور خنزیر کا گوشت اور **مَآءٌ لِّیْسَ
 بِغَیْرِ اللّٰهِ** یہ اس قبیل سے ہیں جو ہر فرقہ پر
 حرام ہیں اور ہر حالت میں حرام ہیں۔ اس
 طرح نہیں ہیں کہ کسی فرقہ پر حرام ہوں اور کسی پر
 حلال جس طرح زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ (یعنی
 غنی پر حرام ہیں اور فقیر پر حلال) یا کسی حالت
 میں حرام ہوں اور کسی وقت حلال جیسے زہریلی
 اور گرم دوا گرم مزاج شخص کے لئے گرمی کے
 موسم میں حرام ہوگی اور مزاج کی سردی کے
 وقت حلال ہاں اضطرار اور لا چاری کے وقت
 ان چیزوں کا کھانا جائز ہے۔



یہاں تک فتاویٰ عزیزی کی عبارت بعینہ ختم ہوئی جس میں مندرجہ دلائل کے جوابات پہلے
 پوری تفصیل سے گزر چکے ہیں۔ مترجم عثمانی عند

باب دُوم

ذبح کے شرائط اور اقسام

صاحب جامع الرموز نے ذبح کے شرائط میں تحریر کیا ہے کہ شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کا نام لے اور ذبح بھی خدا کے لئے ہو۔ ذابح اس لیے کہا گیا ہے کہ اگر ذابح کے بغیر کوئی دوسرا آدمی تکبیر کہتا رہا ہے تو جانور حلال نہ ہوگا اور اسمہ تعالیٰ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ذابح نے غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا پھر بھی حلال نہ ہوگا۔ اور الحجر دکنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر تکبیر کے بجائے اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي کہہ دیا پھر بھی ناجائز ہوگا کیونکہ یہ دعا ہے۔ جس طرح ہدایہ میں ہے اور علی الذبیحة کہنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ذبح کے وقت اس کام کو شروع کرنے کے ارادہ سے بسم اللہ پڑھ لیا اور ذبح کے ارادہ سے تسمیہ نہیں کہا تو بھی جانور حلال نہ ہوگا اور عند الذبح اس لیے کہا ہے کہ اگر ذابح نے بسم اللہ اور ذبح کے درمیان بہت سا دوسرا کام کر لیا ہے جس سے فاصلہ ہو گیا پھر بھی

بداں کہ صاحب جامع الرموز در بیان شرائط ذبح می نویسد وَالشَّرْطُ ذِكْرُ الذَّابِحِ اسْمَهُ تَعَالَى الْمَجْرَدِ عَلَى الذَّبِيحَةِ عِنْدَ الذَّبْحِ لِلَّهِ تَعَالَى اِنَّمَا قَلْنَا الذَّابِحِ لَانَهُ لَوْ سُمِّيَ ذِكْرَ اسْمٍ غَيْرِهِ لَمْ يَحِلَّ كَمَا فِي الْمَحِيْطِ وَاِنَّمَا قَلْنَا اسْمَهُ تَعَالَى لَانَهُ لَوْ ذِكْرَ اسْمٍ غَيْرِهِ تَعَالَى لَمْ يَحِلَّ وَاِنَّمَا قَلْنَا الْمَجْرَدَ لَانَهُ لَوْ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي لَمْ يَجْزِ لَانَهُ دَعَاءٌ كَمَا فِي الْهُدَايَةِ وَاِنَّمَا قَلْنَا عَلَى الذَّبِيحَةِ لَانَهُ لَوْ سُمِّيَ عِنْدَ الذَّبْحِ لِفَتْتَاحِ عَمَلٍ لَمْ يَحِلَّ وَاِنَّمَا قَلْنَا عِنْدَ الذَّبْحِ لَانَهُ اِذَا فَصَلَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّسْمِيَةِ بِعَمَلٍ كَثِيرٍ لَمْ يَحِلَّ

وقال الزعفرانی لو حدّد الشفرة لم يحل فلوسمی علی ذبیحة و ذبح غیرها لم يحل وانما قلنا لله تعالیٰ لانه لو سمی و ذبح لقدم الامیر او غیره من العظماء لا يحل لانه ذبح تعظیما له لا لله تعالیٰ۔ انتھی۔

جانور حلال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ زعفرانی وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر درمیان میں ذابح نے چھری تیز کرنی شروع کر دی تو بھی حلال نہ ہوگا۔ پس اگر اُس نے بسم اللہ تو ایک ذبیحہ پر پڑھی ہے مگر ذبح دوسرے جانور کو کر دیا تو بھی حلال نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اُس نے بسم اللہ بھی پڑھی ہے مگر ذبح سے مقصود غیر خدا کی تعظیم ہے جیسے کسی امیر کے آنے کے لئے۔ کیونکہ اُس نے یہ جانور اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح نہیں کیا بلکہ غیر کی تعظیم کے لئے۔

یعنی شرط است برائے ذبح (۱) ذکر نمودن ذابح را نہ غیر او (۲) اسم حق سبحانہ و تعالیٰ را نہ غیر اورا۔ (۳) خالی از ذکر اسم غیر۔ (۴) بر جانور مذبوح نہ بر غیر او۔ (۵) بوقت ذبح نہ آں کہ فاصلہ کند در میان ذبح و تسمیہ بعمل کثیر۔ (۶) خالصاً تعظیم اللہ تعالیٰ نہ برائے تعظیم غیر۔ و ذبح بر چند قسم است اول آں کہ از ذبح فقط جان کشی و اراقتہ الدم باشد خالصاً لوجه اللہ تعالیٰ و تقرّ بالیہ پُوں ہدایائے کعبہ واضحیہ

اس عبارت کی تشریح یہ ہے کہ ذبح کے لئے چھ چیزیں ضروری ہوں گی۔ (۱) ذابح کا خود بسم اللہ پڑھنا۔ (۲) صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا۔ (۳) غیر کا نام نہ لینا۔ (۴) اسی مذبوح جانور پر بسم اللہ کہنا نہ دوسرے جانور پر۔ (۵) اور ذبح اور بسم اللہ کے درمیان عمل کثیر کا فاصلہ نہ کرنا اور (۶) خالصاً اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے ذبح کرنا نہ غیر کے لئے۔ ذبح کے کئی اقسام ہیں۔ اول ذبح سے صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے خون گرانا اور اخراج روح مقصود ہو اور محض اسی

☆☆☆☆☆

۱ بشرطیکہ گوشت کھانے یا کھلانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ صرف خون گرانا مراد ہو جیسا کہ ایام جاہلیت میں ہوتا تھا تو ناجائز ہوگا۔ کما صرح بہ فی غایۃ الاوطار وغیرہ۔ مترجم

عیدِ قربانی واضحیہ منذورہ وایں قسم ذبح عبادت است۔ اما چند شروط کہ معتبر انداز شرع مثل تعین مکان و زمان۔ دوئم مقصود از ذبح جان کشی است امانہ تقربا الی اللہ و نہ الی غیر اللہ مثلاً ذبح برائے امتحان کار و و ایں قسم نہ عبادت است و نہ گناہ۔ اما حلتِ مذبوح مشروط است بشرائط مذکورہ بالا یعنی ذکر الذابح اسمہ تعالیٰ الخ۔ سوئم آں کہ مقصود از ذبح فقط جان کشی و اراقتہ الدم است **لکن للتقرب الی غیر اللہ** اگرچہ باشد آں ذبح برنام خدا و ہمیں قسم است کہ اور فقہاء تعبیر بذبح بغیر اللہ نموده حرام گفته اند۔ چہارم آں کہ مقصود از ذبح جانور نفس جاں کشی و اراقتہ الدم نیست بلکہ گوشت او و ذبح وسیلہ است برائے آں خواہ ذبح نمودہ شود برائے خوردن خود یا فروختن یا بہ تقریبات شادی و غمی یا برائے ضیافت مہمان یا فاتحہ و نیاز بزرگان یا برائے ادا نذر اللہ و خواہ ذبح وسیلہ باشد برائے امر مباح مثل خوردن خود یا فروختن و غیرہما یا برائے امر مستحب مثل ضیافت و فاتحہ و نیاز و عراس بزرگان یا برائے امر واجب مثل نذر اللہ یا برائے

کے تقرب کا ارادہ ہو۔ جیسا کہ کعبہ شریف کے ہدایا اور عیدِ اضحیٰ کی قربانیاں اور صحیح نذروں کی قربانیاں وغیرہ۔ یہ قسم عبادت ہے لیکن اس کے لئے بھی چند شرائط ہیں جو فقہ میں مذکور ہیں مثلاً مکان اور زمان کا تعین وغیرہ۔ دوم ذبح سے تقرب ہرگز مراد نہ ہو۔ نہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ غیر کے لئے بلکہ محض چھری کا امتحان کرنے کے لئے جانور ذبح کر ڈالا، یہ قسم نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ مگر حلال ہونے کے لئے مذکورہ بالا چھ شرطیں پائی جانی چاہئیں۔ سوم ذبح سے مقصود غیر خدا کا تقرب ہو اور اخراج روح بھی اسی غیر کے لئے خواہ اُس پر ذبح کے وقت خدا کا نام بھی لیا گیا ہو۔ اسی قسم کو فقہاء نے ذبح بغیر اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ چہارم ذبح سے مقصود صرف جان کشی اور خون گرانا نہیں بلکہ گوشت مطلوب ہے اپنے کھانے کے لئے یا بیچنے کے لئے یا ضیافت کے لئے یا خوشی اور غمی کی تقریب پر یا بزرگوں کے فاتحہ اور نیاز کے لئے یا اللہ تعالیٰ کی نذر ادا کرنے کے لئے مذکورہ بالا امور میں ذبح کہیں امر مباح کے لئے وسیلہ ہے جیسا کہ کھانا یا بیچنا یا امر مستحب کے لئے جیسا کہ ضیافت یا فاتحہ اور نیاز، بزرگوں کے عرس وغیرہ یا امر واجب کے لئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نذریا

امر حرام مثلاً حیوانے را ذبح نمود برائے
آں کہ رساند گوشتِ اُورابہ طالمے بطریق
رشوت برائے حق تلفی دیگران۔ پس
خوردنِ اِس قسمِ چہارم بجمیع اصنافہ جائز
است بے شبہ اگر بنامِ خُدا ذبح شدہ باشد و
اِس قسم از قبیل ذبح تقریباً الی غیر اللہ بمعنی
مُصطلح علیہ فقہاء نیست گو بمعنی لغوی باشد

امر حرام کے لئے جیسا کہ کوئی جانور اس لیے
ذبح کیا تا کہ اُس کا گوشت کسی ظالم کو رشوت
کے طور پر دے کر کسی مسلمان کی حق تلفی کرا
لے۔ لہذا اس چوتھی قسم کے تمام جانوروں کا
گوشت کھانا بلا شک جائز ہے۔ فقہاء کے
اصطلاحی تقرب الی غیر اللہ والی قسم سے ہرگز
نہیں بشرطیکہ خُدا کا نام لے کر ذبح کرے۔ گو
لغوی طور پر اس قسم کی تعریف اُس پر صادق آ
جائے۔

پس جانور کہ شہرت دادہ شد باں کہ اِس نیاز
فلاں بزرگ است چونکہ مقصودِ اوتناولِ
گوشت و فاتحہ و ثواب رسانیدن است نہ
فقط جان کشی بطور بھوگ ہندواں خارج
است از قولہ تعالیٰ وَمَا اٰهْلٌ بِهٖ لِغَيْرِ
اللہ طویافتہ نہ شد دروہقیقتِ تقرب الی
غیر اللہ وہم چنیں است حکمِ اطعمہ منذورہ
مشترکہ بنام بزرگان۔ ازیں جاداستی کہ
نیت اور اور بعضے اعمال دُونِ البعض اثری
است مخصوص اثرِ تقلیب یعنی آں عمل را
بسبب نیتِ عبادت گفتہ می شود و الا فلا
مثلاً ذبح حیوان و نفس جان کشی او بقصدِ
تقرب الی اللہ یا الی غیر اللہ عبادت است
پس ذبح در صورتِ اولی عابد است برائے

لہذا جس جانور پر آواز بلند کی جائے کہ یہ فلاں
بزرگ کی فاتحہ یا نیاز کے لیے ہے مگر اس سے
مقصود گوشت کھانا اور ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔
فقط ہندوؤں کی طرح بھوگ کے طور پر جان کشی
مقصود نہیں ہوتی۔ یہ قسم وَمَا اٰهْلٌ بِهٖ لِغَيْرِ
اللہ ط سے خارج ہے اور اس میں حقیقتہً تقرب
الی غیر نہیں پایا جاتا اور یہی حکم ان کھانے پینے
کی چیزوں کا ہے جو بزرگوں کے فاتحہ اور نیاز
کے لئے جمع کی جاتی ہیں یعنی یہ سب نذر بغیر
اللہ میں داخل نہیں ہیں۔ مندرجہ بالا تقریر سے
یہ بھی واضح ہو گیا کہ بعض اعمال میں نیت کو
خاص اثر حاصل ہے۔ یعنی نیت کی وجہ سے اس
عمل کو عبادت کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں مثلاً صرف
خون بہانا اور رُوح زکا لنے کی نیت سے اگر کوئی

حق سبحانہ و تعالیٰ کما یلیق بشان المؤمنین و
 مذیوحش حلال لعدم عرض الخبث مطلقاً و در
 ثانیہ عابد است برائے غیر خدا عزوجل و
 عبادت برائے غیر خدا کفر است و مذیوح
 أحرام لسرایة الخبث من جهة
 الذابح فيه و ذبح بغير قصد تقرب مثلاً
 برائے امتحان کا رد عبادت نیست بلکہ
 عملیت مباح بخلاف نکاح و طلاق و عتاق
 وغیرہا کہ نہایت اثر نیت در آنها ترتب
 ثواب است نہ ایں کہ آنها را عبادت
 گرداند و هذا الفارق یوجد فی
 الذبح دون النکاح و نظائره
 فان الذبح و اراقة الدم تقرباً
 الی الغیر یوجد فیہ معنی
 غایة الذل و الخضوع بحیث
 یصدق علیہ معنی العبادة
 بخلاف النکاح و اخواته فما
 اور دخاتم المحدثین و
 مولوی عبدالحکیم گل
 علی الآخر بالنقض فی هذا
 المقام فلم یغنوا من الحق
 شیئاً کما ستعرف۔

جانور ذبح کیا جائے تو وہ عبادت ہوگا لہذا اگر
 اس سے تقرب الی اللہ مطلوب ہے تو جانور
 حلال ہوگا اور ذابح اس عبادت کے ثواب کا
 مستحق ہوگا اور اگر تقرب الی الغیر مقصود ہے تو
 یہ غیر خدا کی عبادت ہوگی اور غیر خدا کی
 عبادت کفر ہے۔ لہذا وہ جانور حرام ہوگا۔ کیوں
 کہ ذابح کی طرف سے نیت کا ثبوت اس میں
 سرایت کر گیا ہے اور اگر بغیر ارادہ ذبح کیا جیسا
 کہ پھری کی آزمائش وغیرہ کے لئے تو یہ امر
 مباح عبادت نہیں بخلاف نکاح، طلاق، عتاق
 وغیرہ کے کہ ان میں نیت کا اثر فقط انہیں کار
 ثواب بنا سکتا ہے عبادت نہیں بنا سکتا کیوں کہ
 ذبح اور اراقة الدم میں چوں کہ انتہائی ذلت اور
 خشوع وغیرہ کا معنی پایا جاتا ہے لہذا اس پر
 عبادت کا لفظ صادق آسکتا ہے بخلاف نکاح
 وغیرہ کے پس مولوی عبدالحکیم اور شاہ عبدالعزیز
 صاحب نے ایک دوسرے پر جو اعتراضات
 اس مقام پر وارد کیے ہیں وہ احتقاق حق کے لئے
 ہرگز مفید نہیں جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو
 جائے گا۔

تنبیہ: باید دانست کہ حرمت قسم ثالث از اقسام ذبح یعنی ذبح للتقرب الی غیر اللہ نہ از برائے آنت کہ داخل است در و ما اهل بہ لغیر اللہ ط باں معنی کہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفرد اند در اں لما عرفت ونہ باں معنی کہ مفسرین از سلف در تفسیر آیت مذکورہ فرمودہ اند یعنی و آں جانور کہ ذکر کردہ شود وقت ذبح او نام غیر خدائے عزوجل یا آں جانور کہ ذبح نمودہ شود بر نام غیر خدائے جل و علا۔ چہ در صورت مذکورہ ذبح بنام حق سبحانہ و تعالیٰ کردہ شدہ است لیکن مقصود از ذبح اراقتہ الدم جان کشی ست برائے غیر خدا سبحانہ و تعالیٰ۔ بلکہ حرمت ایں قسم از برائے آن است کہ شرط ششم از شرائط مذکورہ یعنی خالصاً لتعظیم اللہ منشی ست و ماخذ ایں شرط از نص قول او سبحانہ و تعالیٰ است و ما ذبح علی النصب یعنی و جانورے کہ قصد نمودہ شود بذبح او تعظیم نشان ہا و ذکر کردہ نہ شود وقت ذبح نام صنم پس ما ذبح للنصب و ما اهل بہ لغیر اللہ ط ہر یکے را مصداقے علیحدہ متحقق گشت قال سلیمان الجمل

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ تیسری قسم کی حرمت کا باعث یہ نہیں ہے کہ وہ ذبیحہ ما اهل بہ لغیر اللہ ط کے قبیلہ سے ہے جیسا کہ حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اتباع نے قرار دیا ہے اور غالباً صاحب موصوف اس خیال میں بالکل اکیلے ہیں۔ کما عرفت۔ اور یہ سبب بھی نہیں کہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہے جیسا کہ اکثر مفسرین سلف نے آیت مذکور کے معنی میں لکھا ہے کیونکہ اس قسم میں ذبح تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کی گئی ہے لیکن اس جان کشی اور خون بہانے سے مقصود غیر خدا کی تعظیم ہے۔ بلکہ اس قسم کی حرمت کی وجہ شرائط مذکورہ میں سے چھٹی شرط کا مفقود ہونا ہے یعنی ذبح خالصاً اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے نہیں اور اس شرط کا ماخذ آیت و ما ذبح علی النصب ہے یعنی وہ جانور جن کی ذبح سے مقصود ان نشانوں کی تعظیم ہے گو ذبح کے وقت بتوں کا نام نہیں لیا جاتا۔ لہذا ما ذبح للنصب و ما اهل بہ لغیر اللہ ط کا مصداق علیحدہ علیحدہ ہو جائے گا۔ علامہ سلیمان الجمل فرماتے ہیں (و ما ذبح علی النصب ای ما قصد بذبحہ النصب ولم

وما ذبح على النصب اى ما
 قصد بذبحه النصب ولم
 يذكر اسمها عند ذبحه بل
 قصد تعظيمها بذبحه فعلى
 بمعنى اللام فليس هذا
 مكرراً مع ما سبق اذ ذاك
 فيما ذكر عند ذبحه اسم
 الصنم وهذا فيما قصد بذبحه
 تعظيم الصنم من غير ذكره و
 بعضه از سلف صالحين
 وقوله تعالى وَمَا اَهْلٌ بِهٖ لِغَيْرِ
 اللّٰهُ ط را ما خذ ايس شرط قرار داده اند نہ
 باں معنے کہ خاتم المحدثين متفرد اند۔

بذکر اسمها عند ذبحه) یعنی جس
 جانور کو نشانوں کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے
 اور ذبح کے وقت نشانوں کا نام ذکر نہ کیا جائے
 پس علیٰ بمعنی لام ہوگا لہذا یہ تکرار نہ ہوگا یعنی اس
 آیت کا مصداق اور ما اهل به کا مصداق
 جُد اجد اہو جائے گا۔ کیوں کہ ما اهل سے
 مراد وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت بت کا
 نام لیا جائے۔ اور اس آیت سے مراد وہ جانور
 ہے جو بت کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے اور
 نام ذکر نہ کیا جائے۔ سلف صالحین میں سے
 بعض حضرات نے وما اهل به لغیر
 اللہ کو چھٹی شرط کا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس
 معنے سے نہیں جس طرح خاتم المحدثین نے مراد
 لیا ہے۔

دران بدلیل تفرد۔ بلکہ بمعنی ما ذبح
 لتعظیم غیر اللہ و ببناء
 علیہ قال صاحب
 الدر المختار وغیرہ ذبح
 لقدم الامیر و نحوه۔ کو احد
 من العظماء یحرم لانه اهل
 به لغير الله و نو ذکر اسم
 الله تعالى عليه یعنی در ما اهل
 به لغير الله ذکر نام غیر خدائے
 عزوجل

(آپ اس طریق استدلال میں بالکل اکیلے
 ہیں)۔ بلکہ انہوں نے ما اهل بہ کا معنی ما
 ذبح لتعظیم غیر اللہ کر کے یہ شرط
 اس سے اخذ کی ہے۔ اسی بناء پر صاحب دُر مختار
 نے اس جانور کو جو کسی امیر یا بڑے آدمی کی آمد
 پر صرف تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے حرام قرار
 دیا ہے۔ کیونکہ یہ ما اهل بہ میں داخل ہے
 اگرچہ اس پر خدا کا نام بھی کیوں نہ لیا گیا ہو یعنی
 ما اهل بہ لغير الله کی دو قسمیں ہو
 گئیں

وقصد تعظیم غیر اوسبحانہ و تعالیٰ از ذبح ہر یکے
 رادخلیت بالاستقلال در حرمت مذبحہ۔
 فلا یرد ما اورده بعض
 المحققین علی صاحب
 الدر المختار ولا یستقیم ما
 عزی الیہ فی معنی ما اهل
 بہ لغير الله۔ ازیں جا بوضوح
 پیوست کہ استشہاد حضرت خاتم المحدثین و
 اتباع اوریضوان اللہ تعالیٰ علیہم بعبارت ذر
 مختار برائے اثبات معنی متفرد فیہ بے جا
 است و نیز باید دانست کہ حرمت صورت
 مسطورہ مبنی نیست بر انتفاء شرط ثالث از
 شرائط ذبح یعنی ذکر مجرد چہ ذکر نام خدا عز
 اسمہ مجرد از ذکر اسم غیر متحقق است دریں
 صورت۔ و مراد فقہاء از ذکر مجرد در بیان
 شرائط ذبح ہمیں است کہ دانستی نہ آں کہ
 مجرد از نیت تعظیم غیر باشد۔ چنانچہ حضرت
 خاتم المحدثین و اتباع اور تردید کلام
 جناب مولوی عبدالحکیم پنجابی ثم لکھنوی
 عبارت ہدایہ را معنی قرار دادہ اند کلا و حاشا
 ہرگز عبارت ہدایہ را ایں معنی مراد نیست کما
 لا تحکم علی من لا حظ السیاق و السباق و
 عنقریب نقل خواہیم نمود فانظر۔

ایک جس پر خدا کا نام لیا جائے۔ دوم جس کی
 ذبح غیر خدا کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا بعض
 محققین کا وہ اعتراض جو انہوں نے صاحب ذر
 مختار پر کیا ہے ہرگز وارد نہ ہوگا اور اس آیت کے
 معنی کے متعلق جو کچھ اُس کی طرف نسبت کیا گیا
 ہے۔ غیر صحیح ہوگا۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو
 گیا کہ حضرت خاتم المحدثین اور ان کے اتباع
 نے معنی منفرد فیہ کے ثبوت کے لئے ذر مختار کی
 عبارت سے جو استشہاد کیا ہے وہ بھی بے جا
 ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ صورت مذکورہ کی
 حرمت تیسری شرط ذکر مجرد کے منافی ہونے کی
 وجہ سے بھی نہیں۔ کیوں کہ اس صورت میں تو
 مجرد اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام کی
 مراد ذکر مجرد سے بھی یہی ہے جو شرائط ذبح میں
 بیان کیا گیا ہے نہ وہ جو حضرت خاتم المحدثین
 وغیرہ نے مولوی عبدالحکیم کی تردید میں ذکر فرمایا
 ہے یعنی مجرد کا مطلب ہے ”تعظیم غیر کی نیت
 سے مجرد ہو“۔ اور انہوں نے اس بارے میں
 ہدایہ کی عبارت کو اس کا معنی قرار دیا ہے۔ حاشا
 کلا سیاق و سباق کا لحاظ کرنے کے بعد ہدایہ کی
 عبارت سے یہ معنی ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ کما
 سبجی۔

الحاصل: دریں مقام مناط حرمت انتفاء
 ذکر مجرد اقرار دادن چنانچہ خاتم الحدیثین
 در جواب استفتاء مذکور در محل تردید فاضل
 مذکور نوشته اند یا در اثبات حلیت بشرط ذکر
 مجرد اکتفاء نمودن و شرط ششم یعنی خالصاً
 لعظیم اللہ را غور نہ کردن چنانچہ فاضل
 عبدالحکیم مذکور بران رفتہ ہر دو بعید است از
 شان محققین۔

الحاصل: صورت مذکورہ کی حرمت ثابت
 کرنے کے لئے محض ذکر مجرد کے انتفاء کو
 باعث قرار دینا جیسا کہ حضرت خاتم الحدیثین
 نے مولوی عبدالحکیم کی تردید میں لکھا ہے یا اس
 کی حلیت ثابت کرنے کے لئے صرف ذکر مجرد
 کی شرط ثالث کے وجود پر اکتفاء کر لینا اور چھٹی
 خالصاً لعظیم اللہ پر غور نہ کرنا جیسا کہ مولوی
 عبدالحکیم صاحب نے کیا ہے یہ محققین کی شان
 کے شایان نہیں۔



سوال

مندرجہ بالا تقریر کی بناء پر تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانور جو اولیاء اللہ کے لیے نذر کیا جاتا ہے اس کا گوشت حرام ہو کیونکہ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناذر کا مقصود اس صورت میں غیر خدا کی تعظیم کرنا ہوتا ہے نہ صرف گوشت کھلانا۔ کیونکہ اگر اس جانور کے عوض اسی مقدار میں گوشت پکا کر فقیروں کو کھلا دے تو ناذر مذکور کے گمان میں نذر ادا نہ ہوگی۔

بنا براں کہ گفتی باید کہ جانور منڈور للا و لیاہ حرام باشد گوشت او چہ بقرائن معلوم می شود کہ مقصود ناذر دریں صورت از ذبح تعظیم غیر اللہ می باشد نہ صرف خورائیدن گوشت بدلیل آنکہ اگر عوض آن جانور گوشت بہماں مقدار خریدہ و مخته بفقراء خورائیدہ شود در گمان ناذر نذر ادا نہ می شود۔

جواب

ناذر مذکور کا مقصد دلی اگر غیر خدا کی تعظیم ہے اور گوشت کھلا کر ثواب حاصل کرنا نہیں لیکن اس کے کسی لفظ سے صراحت یہ معلوم نہیں ہوتا تو ہم اس جانور کی تحریم کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ قصد تعظیم ایک قلبی اور مخفی امر ہے اور محض گمان اور شک کی بناء پر مسلمان کو مرتد کہہ دینا اور حلال جانور پر حرام کا حکم لگا دینا سخت نامناسب ہے۔ ہاں اگر تعظیم غیر اللہ کی تصریح موجود ہے یا قرینہ قطعہ مفید یقین پایا گیا ہے تو حرام کر سکتے ہیں۔ لیکن ناذر مذکور کا صرف معاوضہ پر راضی نہ ہونا تعظیم غیر اللہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اگر آپ عوام کے خیالات اور نفسیات پر گہرا مطالعہ

قصد تعظیم بایں طریق کہ مقصود از ذبح فقط جاں کشی ست نہ گوشت چونکہ امر قلبی است لہذا در تحریم او جرأت نمودن نہ می توانیم الا در صورت تصریح ذابح باں چہ قصد کردہ است یا در وقتے کہ قرائن قطعہ مفید یقین باشند بر قصد مذکور و آن چہ ذکر نمودی از عدم رضاء ناذر بمعاوضہ پس اورا وجہی ست کہ بغور سرش تو او رسید و آن ایں است کہ ناذرین از عوام بلحاظ اہتمام فاتحہ گوشت بازار بکار نئے برند و جانور زندہ ذبح می کنند چنانچہ برائے مہمان صاحب تعظیم تکلف و اہتمام مرعی می دارند و

گوسفند فریبہ مثلاً خصوصاً دست پروردہ ذبح
مے نمائیند و معاوضہ بگوشت بازار ہرگز
روانے دارند بچھنیں در فاتحہ بزرگان بحدی
اہتمام مرغی مے دارند کہ علاوہ عدم رضاء
بر معاوضہ مذکورہ استعمال ظروف مستعملہ
طعام فاتحہ برائے طعام دیگر جائز نہ مے
دارند۔ رفتہ رفتہ ایس داعیہ، اہتمام عند
العوام از شرائط و ضروریات فاتحہ معدود
گشتہ نہ آں کہ بھوگ جان بطریق
ہندوؤاں مراد داشته باشند۔

رکھتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عوام ناذرین
فاتحہ کو مہتمم بالشان امر سمجھ کر بازار کا گوشت
استعمال نہیں کرتے اور علیحدہ جانور ذبح کرتے
ہیں جس طرح کوئی خاص قابل عزت مہمان آ
جائے تو بھی بازار میں گوشت ہونے کے باوجود
تکلف اور اہتمام کی بناء پر موٹا ذنبہ ذبح کرتے
ہیں اور خصوصاً گھر کا پلا ہوا۔ اسی طرح بزرگوں
کے فاتحہ کے لیے بھی اہتمام کے طور پر بازار کا
گوشت استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ
بعض اوقات تو استعمال شدہ برتن بھی طعام
مذکور کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ رفتہ
رفتہ اہتمام کا یہ طریقہ عوام کے نزدیک فاتحہ کی
ایک شرط سمجھا جانے لگا ہے۔ ہندوؤں کی طرح
بھوگ جان کے طور پر ہرگز کسی مسلمان کا ارادہ
نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنا جاہل کیوں نہ ہو۔

سوال

اس جانور مذکور کے عوض دوسرا جانور جو پہلے
سے زیادہ موٹا تازہ ہو ذبح کرنا بھی جائز نہیں
سمجھتے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناذر مذکور کا
مطمح نظر صرف جان کشی اور اخراج روح
”بھوگ“ کے طور پر بھی کوئی دوسری بات نہیں۔

معاوضہ آں جانور منڈور بجانورے دیگر
کہ فریبہ باشد از منڈور روانے دارند و ایس
دلیلے است باہر بریں کہ مطمحن نظر ناذر از
اخراج روح بطریق بھوگ جان امرے
دیگر نیست۔

جواب

اس معاوضہ پر راضی نہ ہونے کی ایک دوسری وجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عوام کے دل میں ہنختہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ ایک جانور متعین کرنے کے بعد دوسرا جانور ذبح کرنے سے نذر ادا نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس زعم و اعتقاد کا تعلق حرمت کے ساتھ ہرگز نہیں انتہائی طور پر صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ عوام کا یہ اعتقاد بے اصل اور بے وجہ ہے بلکہ غور کرنے پر فقہ میں اس کی ایک نظیر بھی دستیاب ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کے موقع پر جانور متعین کر لیا جائے اس کی جگہ دوسرا تبدیل کرنا یا بازار کا گوشت استعمال کرنا ناجائز ہے عوام کا لاناعام نے جہالت اور غفلت کے باعث قربانی کی یہ خاص شرط ہر تندر کے لئے ضروری سمجھ لی ہے لیکن ذبیحہ مذکور میں چونکہ ذبح کے تمام شرائط موجود ہیں۔ یقیناً حلال ہوگی۔



لیکن نذریں صحیح کی صورت میں مثلاً جب کوئی شخص کہے کہ یہ جانور میں اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہوں۔ اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء کو کھلاؤں گا اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کی رُوح کو بخشوں گا۔ تو پھر ولیو فوانذور ہم کے حکم خداوندی کو مد نظر رکھتے ہوئے وہی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اس کے زندہ ہونے کی صورت میں دوسرے جانور کے ساتھ تبدیلی ناجائز ہوگی۔ ہاں اگر اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے ذبیحہ ذبح کروں گا اور متعین نہیں کیا تو پھر جو نسا ذبیحہ ذبح کر لے جائز ہوگا۔ (مترجم)

حکایت

یاد دارم کہ در ایام طالب علمی در علاقہ سون سکیسر بمقام انگہ بخدمت مولانا افضل الفضلاء و اکمل الکملاء جناب حاجی حافظ سلطان محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سکوئے داسٹم۔ در موضع شکر کوٹ درویشی یو دم عمر غریب الوطن المعروف بابا نور ماہی صاحب نسبت قادریہ کہ دست بیعت بدست حضرت شیخ جی صاحب چکی والادادہ یو در رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و در ہر ماہ بتاریخ یاز دہم بڑے یا گوسفندے دست پروردہ برائے فاتحہ سیدنا عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عن اسلافہ ذبح مے کر داورا بمعہ۔ حلوہ و نان بختہ بفقراء مے خورانیہ بالخصوص ایں نیاز مند اہل اللہ را باہتمام و اصرار دعوت مے فرمود و عنایتے خاص بر حال ایں بے بیج مہذول مے داشت۔ شغل پاس انفاس اسم ذات بغیر از درخواست بفقیہ عطا فرمودہ یو۔ روزے از شکر کوٹ بسوئے انگہ مے رتم۔ در اثناء طریق اند کے دور آزرہ دیدم کہ ہماں درویش گوسفندے را مے چرانید و از فرط محبت و

میں جن دنوں طالب علمی کے دوران میں سون سکیسر کے علاقہ میں انگہ کے مقام پر حضرت مولانا حاجی سلطان محمود صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے سکونت پذیر تھا، ایک بزرگ عمر رسیدہ مسافر شکر کوٹ کے مقام پر مقیم تھے۔ آپ کا نام بابا نور ماہی مشہور تھا، قادر یہ نسبت رکھتے تھے اور حضرت شیخ محمود صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ چکی والے کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل تھا۔ صاحب موصوف ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو ایک بکری یا ذنبہ جو اپنے سے پالا ہوا ہوتا حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فاتحہ کے لئے ذبح کرتے اور ساتھ حلوہ اور روٹی بھی پکا کر فقراء کو کھلاتے۔ خاص طور پر اس نیاز مند خادم الاولیاء کو اصرار اور اہتمام کے ساتھ شریک دعوت فرماتے اور میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی کی نظر رکھتے۔ بلکہ بغیر درخواست صاحب موصوف نے بندہ کو شغل پاس انفاس کی اجازت فرمائی۔ ایک دن میں شکر کوٹ سے انگہ جا رہا تھا۔ راستے میں دُور سے میں نے دیکھا کہ وہی سفید ریش بزرگ ذنبہ چرار ہے

داعیہ شوقِ بآں گوسفندِ اختلاطے مے کرد۔
 گاہے اور ابرودش وگاہے بر زمین مے نہاد
 و مے شنیدم کہ مے گفت (میرے محبوب
 دیا لیلیا) یعنی اے گوسفندِ محبوب من۔
 درآں ساعت در دلِ من این خطرہ
 خطورے کرد کہ بعد فراغت از حصولِ علم در
 گنجِ تنہائی بقیہ عمر خود را بمطالعہ کتب خواہم
 گذرانید و تدریس نخواہم کرد۔ اند کے
 طریق را گذاشتہ بسوئے آل درویش
 متوجہ شدم بجمرد دیدن این نیازمند متکلم
 بر خاطر گشت و فرمود۔ کہ اگر شخص علم را
 خواندہ تدریس نہ کند و کسے رافع نہ رساند
 اورا از حصولِ علم چہ فائدہ۔ باز بہماں
 گوسفند ہماں اختلاط و موانست آغاز نہاد۔
 اورا اقدس سرّہ در طعام یا زدہم اہتمامی
 بود مخصوص و بعالی جناب حضرت غوثِ
 اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارتباطے بود ممتاز۔
 الہی احدی صمدی بجاہ
 قوم لا یشتی جلیسہم ارزقنا
 حبک و رضاء ک و لقاء ک
 والعفو والعافیة والمعافاة فی
 الدین والدنیا والآخرۃ خلاصہ
 کلام دریں مقام آں کہ اگر ناذر را بوقت

تھے اور از راہِ محبت و فرطِ شوق اس کے ساتھ کھیل
 رہے تھے۔ کبھی کندھے پر اٹھاتے کبھی زمین پر
 رکھ دیتے میں نے قریب جا کر سنا تو کہہ رہے
 تھے۔ ”میرے محبوب دیا لیلیا“۔ اس وقت
 میرے دل میں خیال آ رہا تھا کہ تحصیلِ علم سے
 فارغ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کتابوں کے
 مطالعہ میں مشغول رہوں گا۔ اور تدریس وغیرہ
 نہ کروں گا۔ جب راستہ سے ہٹ کر اُن سے
 ملنے کے لئے متوجہ ہوا تو مجھے دیکھتے ہی فرمانے
 لگے جب کوئی شخص علم حاصل کر کے تدریس نہ
 کرے اور کسی کو نفع نہ پہنچائے تو پھر ایسے علم
 حاصل کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ بات کہہ کر پھر
 اُسی دُنبے کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔
 بزرگ موصوف گیا رہویں شریف کا بڑا اہتمام
 فرماتے تھے۔ اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کی ذات پاک سے کافی رابطہ حاصل
 تھا۔ (اے میرے بے نیاز خُداوند ایسے مقبولوں
 کا صدقہ جن کے ساتھ بیٹھنے والے بھی بد بخت
 نہیں ہو سکتے ہمیں اپنی محبت، اپنی رضا اور اپنا لقا
 نصیب فرما اور دُنیا و آخرت میں عفو اور عافیت
 سے رکھ خلاصۃ المرام یہ ہوا کہ اگر ناذر ذبح کے
 وقت اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل دھیان نہیں رکھتا
 اور اُس ذبح سے اُس کا مقصد محض تقرب

ذبح اصلاً توجہ بسوئے حق سبحانہ و تعالیٰ نہ
 شود و مقصودِ او از ذبح فقط تقرب الی غیر
 اللہ باشد پس ذبیحہ او حرام است اگرچہ ذبح
 بر نام خدائے عزوجل کردہ باشد چنانچہ
 فقہاء در ذبح برائے قدوم قادم تصریح
 فرمودہ اند آری در صورتِ عدمِ اظہارِ ذابح
 قصد خود را و انتقائے قرآن مفیدہ برائے
 یقین حمل فعل مسلمان بر حمل نا مشروع
 ناجائز لہذا در صید المنیہ گفتہ اند یکرہ
 ولا یکفر لانا لانسنی الظن
 بالمسلم انه يتقرب الی
 الآدمی بهذا النحو ونحوہ
 فی شرح الوہبانیۃ۔ صاحب
 تفسیر احمدی فرمودہ فعل من ہنا
 ان البقرۃ المنذورة للاولیاء
 كما هو الرسم فی ایامنا
 حلال "طیب" انتھی۔ و امام
 رافعی در بارہ ما ذبح لقدوم الامیر
 نوشتہ اند هذا انما یذبحونہ
 استبشاراً لقدومہ فهو کذبح
 العقیقۃ لولادۃ السولد مثل
 هذا لا یجزی التحریم واللہ
 اعلم انتھی۔

الی غیر ہے تو یہ جانور بالکل حرام ہوگا۔ گو ذبح
 کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا ہو۔ جیسا کہ
 فقہاء نے امیر کے آنے پر ذبح کرنے میں
 تصریح فرمادی ہے۔ ہاں جب صراحۃً بھی تعظیم
 لغیر اللہ کا اظہار نہیں کیا اور قرینہ قطعاً بھی موجود
 نہیں تو پھر مسلمان کے فعل کو زبردستی خلاف
 شرع محمل پر حمل کرنا اور جانور کو حرام کہنا ناجائز
 ہے۔ لہذا صید المنیہ میں ہے کہ یہ مکروہ ہے مگر
 اس کا فاعل کافر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ہم
 مسلمان پر برا گمان نہیں کر سکتے کہ اُس نے کسی
 انسان کے ساتھ تقرب حاصل کرنے کے لئے
 جانور ذبح کیا ہو۔ اسی طرح شرح و ہبانیہ میں
 ہے۔ اور تفسیر احمدی والے فرماتے ہیں یعنی
 اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ گائے جو اولیاء اللہ کی
 نذر ہوتی ہے جس طرح ہمارے زمانے میں
 عادت ہے حلال طیب ہے۔ امام رافعی ذبیحہ
 لقدوم الامیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ جانور امیر
 کی آمد کی خوشی میں ذبح کیا جاتا ہے جس طرح
 بچہ پیدا ہونے پر عقیقہ کے لئے جانور ذبح کیا
 جاتا ہے لہذا یہ حرمت کے فتویٰ کے لئے کافی
 نہیں۔ بناء علیہ فقہاء کرام نے فرق بیان فرمایا
 ہے کہ اگر اس ذبیحہ سے مقصود کھانا ہے تو ذبح اللہ
 تعالیٰ کے لئے ہوگی اور نفع مہمان یا ولیمہ وغیرہ

وبناء عليه قال الفقهاء
والفارق انه ان قدمها لياكل
منها كان الذبح لله والمنفعة
للضيف اولولية اول للربح
وان لم يقدمها لياكل بل
يدفعها لغيره كان لتعظيم
غير الله فتحريمه في صورت
بودن اكل لحم مقصود از ذبح محل صحيح برائے
ذبح لمن پيدا شد و مفاد لام در ذبح لفلان
بغير از حمل بر حمل غير صحيح روي نمود
فيكون الذبح واخراج الروح
لتعظيم الله تعالى والمذبح
لغيره ولاجل كون المذبح
لغير الله صح ان يقال ذبح
لغير الله بمعنى ذبح لا انتفاع
غير الله سواء كان الانتفاع
بطريق الاكل او حصول
الثواب بخلاف آں صورت که درواکل
لحم اصلا مقصود نباشد چه بریں تقدیر چونکہ
فلان را از مذبح بیچ فائدہ حاصل نہ شدہ
پس متعین خواہد بود نفس ذبح برائے او و
برائے صدق و تحقیق مفاد ذبح لفلان محل
غير صحيح متعین گشت لعلک دریت

کے لئے ہوگا۔ اور اگر ذبح سے کھانا مقصود نہ ہو تو
یہ تعظیم لغیر اللہ ہے پس جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ
جب گوشت کھانا مقصود ہوگا تو پھر لمن ذبح
کا صحیح محل معلوم ہو جائے گا یعنی ذبح اللہ تعالیٰ کی
تعظیم کے لئے اور مذبح غیر کے لئے، لہذا
اس جانور پر ذبح لغیر اللہ کا اطلاق اس معنی میں
کہ ذبح برائے انتفاع غیر اللہ بالکل درست اور
صحیح ہوگا۔ خواہ وہ انتفاع کھانے کے طور پر ہو یا
ثواب حاصل کرنا وغیرہ۔ بخلاف اس صورت کے
جس میں گوشت کھانا بالکل مقصود نہ ہو۔ کیونکہ
اس صورت میں جب مذبح سے فلاں کو جس
کی طرف نسبت کی جا رہی ہے کوئی نفع نہیں پہنچ
رہا۔ پس متعین ہو جائے گا کہ نفس ذبح اُس
فلاں کے لئے ہے اور ذبح لفلان کے صدق اور
تحقق کے لئے غیر صحیح محل متعین ہے۔ گذشتہ
تقریر سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جب
تقرب الی اللہ کا قصد اور گوشت کھانے کا ارادہ
دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔ جیسے قربانی کے
جانور میں تو تقرب الی اللہ اور گوشت کھانے کا
ارادہ بطریق اولیٰ جمع ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہر دو

مما ذكرنا من امر النبا ان
 الفارق المذكور وان لم يجد
 قطعياً انتفاء كون الذبح
 للتقرب الى غير الله في
 صورة قصد اكل اللحم من
 الذبح لجواز اجتماعهما
 فانه لما جاز اجتماع قصد
 التقرب الى الله وقصد اكل
 اللحم كما في الاضحية ففي
 صورة التقرب الى الغير
 اولى لكن عند وجود
 المحملين يحمل فعل
 المسلم على المحمل
 الصحيح على ان قياس ما
 ذبح للتقرب الى غير الله
 على الاضحية قياس مع
 الفارق فاندفع ما اوردته خاتم
 المحدثين على الفقهاء في
 قولهم ان الذبيحة للتقرب
 الى غير الله هي التي لم
 يقصد بذبحها اكل اللحم
 من ان هذا ليس بمدلول
 لغوي لقولهم ما قصد به
 التقرب الى الله ويقصد اكل

محملوں کی موجودگی میں مسلمان کے فعل کو صحیح
 محمل پر حمل کرنا لازم ہوگا۔ علاوہ ازیں ما
 ذبح لتقرب الغير کو اضحیہ پر قیاس کرنا
 مع الفارق ہوگا۔ جیسا کہ حضرت خاتم المحدثین
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں
 فقہاء کا یہ کہنا جس جانور کا گوشت کھانا مقصود نہ
 ہو وہی تقرب الی الغير کی علامت ہے غلط
 ہے۔ کیونکہ قطعاً یہ معنی ما قصد به
 التقرب الى الغير کا مدلول لغوی نہیں
 لہذا دلالت مذکور کی وجہ بیان کریں ورنہ ہم اس
 کو اس کے قائل پر لوٹا دیں گے۔ حالاں کہ
 قربانی کے جانور میں تقرب الی اللہ کا قصد اور
 گوشت کھانے کا ارادہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔
 تو تقرب الی الغير اور گوشت کا قصد کیوں جمع
 نہیں ہو سکتے۔ ہماری مندرجہ بالا تقریر سے ابھی
 ابھی اس شبہ کا ازالہ کیا جا چکا ہے۔ دوم فقہاء
 کے اس قول پر کہ (لیدفعها الى
 الغير) فرماتے ہیں کہ اس غیر سے کیا مراد
 ہے۔ بیان کرو تا کہ ہم اس پر کلام کر سکیں۔ اھ۔
 ہم نے الحاصل کہہ کر جو تقریر گوش گزار کی ہے

لحمها ايضاً فاذا اجتمع
 قصد التقرب وقصد الاكل
 في التقرب الى الله ففي
 التقرب الى الغير اولي
 انتهى. وما اورده ايضاً في
 هذا المقام على قولهم (بل
 ليدفعها الى الغير) من انهم
 ما اذا ارادوا بالغير فليبين
 حتى تتكلم عليه انتهى.
 وجه الاندفاع ظاهر لمن
 تامل فيما قلنا آنفاً وفيما
 حررنا من اظهار مراد عبارة
 الدر المختار اعني والفارق
 الخ بطريق الحاصل فتامل
 واغتنم ما ايسر جا نقل جواب استفتاء
 مذکور کہ حضرت خاتم المحدثين مولانا شاہ
 عبدالعزیز رحمۃ اللہ بزبان عربی قلمی فرمودہ
 اندونیز نقل جواب جناب مولوی عبدالحکیم
 ملتانی رحمۃ اللہ۔ نقل رد جواب او از مولانا
 موصوف از ضروریات مے دانیم تا کہ
 متبعین ہر دو بزرگوار را رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 جائے کلام نماوند اطمینانے در میان مالها
 وما علیها کہ ازیں بے بضاعت بر
 حواشی کلام ہر دو صاحبان بعلا مت (از
 مؤلف) خواهد بود حاصل شود۔۔۔۔۔

اور در مختار کی عبارت جس طریقے سے واضح کی
 ہے یہ اعتراضات رفع ہو چکے ہیں۔ اب ہم
 یہاں حضرت خاتم المحدثین کا استفتاء اور جواب
 جو عربی زبان میں تحریر فرمایا ہے نقل کرتے ہیں۔
 اور ساتھ اس کا جواب جو مولانا عبدالحکیم ملتانی
 نے دیا ہے اور پھر شاہ صاحب کا جواب الجواب
 نقل کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں تا کہ ہر دو
 فریق کے متبعین کو اعتراض کا موقع نہ ملے اور
 اس فقیر کی طرف سے ان حضرات کی کلام پر جو
 گزارش ہوگی حاشیہ پر ساتھ ساتھ (مؤلف)
 کی علامت سے تحریر کر کے اطمینان کا سامان مہیا
 کیا جائے گا۔

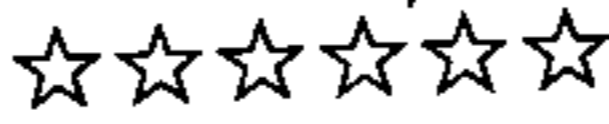
سوال

چہ مے فرمائیںد علمائے دین و مفتیان شرع
متین دریں صورت کسے نیت کرد کہ اگر ایں
کار من حسب الحاجت برآید گاؤ سید احمد
کبیر یا گوسفند شیخ سدو وغیرہ ما بدہم و بعد از
انجام حاجت گاؤر ابنام خدا ذبح کرد و
حالآنکہ در نیت نسبت گاؤ بہ سید احمد کبیر و
نسبت گوسفند بہ شیخ سدو مے کند و حدیث
انَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ نَاطِقٌ
است وان اللہ لا ینظر الی
صورکم ولکن ینظر الی
قلوبکم و نیاتکم بریں معنی شاہد
است و نية المؤمن خیر من
عملہ نیز دلیل بریں کہ نیت را دخل
ضرور است۔ پس دریں صورت مذکورہ
اکل گاؤ وغیرہ درست است یا نہ بیینوا
وتوجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع
متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے اگر میرا
فلاں کام میری مرضی کے مطابق ہو جاوے تو
میں سید احمد کبیر کی گائے دوں گا یا شیخ سدو کا
دُنبہ اور حاجت پوری ہو جانے کے بعد خدا کا
نام لے کر ذبح کیا۔ حالانکہ اس کی نیت میں
نسبت سابقہ یعنی گائے کی نسبت سید احمد کی
طرف اور دُنبے کی نسبت شیخ سدو کی طرف
ویسے باقی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے
(عمل کا تعلق نیت کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ
تمہاری نیتوں اور دلوں کی طرف دیکھتا ہے
تمہاری شکلوں کی طرف نہیں دیکھتے) و نية
المؤمن خیر من عملہ بھی اسی پر
دال ہے۔ یعنی ہر عمل میں نیت کو دخل ہے۔ لہذا
ان احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسی گائے
وغیرہ کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے۔ بیینوا
وتوجروا۔

الجواب وهو الملهم بالحق والصواب

مدارِ حِلِّ وحرمتِ ذبیحہ بر قصدِ نیتِ ذابح است اگر بے نیت تقرب الی اللہ برائے ذبح کی حلت اور حرمت کی مدارِ ذابح کی نیت پر ہے۔ اگر اُس کا ارادہ تقرب الی اللہ کا ہے یا



۱۔ یہ عبارت تفسیر ما اهل بہ کی عبارت کے مخالف ہے وہاں حرمت کی مدارِ آواز بلند کرنے اور تشہیر پر رکھی گئی اور یہاں ذبح کے وقت تقرب الی الغیر کی نیت پر دوسرا نسبت کا معنی وہی ہے جو شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے (اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اُس طعام کے ہدیہ کرنے کا ثواب یا مال خرچ کرنے کا ثواب میت کی روح کو پہنچے۔ یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے۔ جیسا کہ ائم سعد کائواں وغیرہ صحیحین میں وارد ہے اور یہ نذر ماننے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔ گویا اس نذر کا حاصل یہ ہوا کہ ثواب میت کی روح کو پہنچے اور اس ولی اللہ کا ذکر محض تعین عمل کے لئے نہ مصرف ہونے کی غرض سے اور اُن کے خیال میں اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں خواہ اُس کے اقربا ہوں یا خادم یا ہم مشرب بلا شک یہی مقصود ہوتا ہے اور اس کا حکم یہی ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کی وفا واجب ہے کیونکہ شرعاً یہ قربت معتبرہ ہے لہذا لازم ہوگی (احک فتاویٰ عزیزی) از مؤلف۔

۱۔ مخالف است بآں چه در تفسیر و ما اهل بہ لغیر اللہ نوشته اند چه مدار حرمت در آنجا بر تشہیر و آواز بر آوردہ شدن بود بنام غیر و این جا بر نیت تقرب الی غیر اللہ عند الذبح دائر گردیدہ دوئم آں کہ معنی نسبت گاؤ سید احمد مثلاً در نیت آنست کہ حضرت والد ماجد جناب شاہ ولی اللہ ارقام فرمودہ اند) لیکن حقیقت این نذر آنست اہداء، ثواب طعام و انفاق و بذل مال بر روح میت کہ امریست مسنون و زروئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماوردنی الصمیمین من حال ام سعد وغیرہ این نذر مستلزم مے شود پس حاصل این نذر آنست کہ آں نسبت مثلاً اہداء، ثواب ہذا القدر الی روح فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل مندور است نہ برائے مصرف و مصرف این نذر نزد ایٹاں متوسلاں آں ولی مے باشند از اقارب و خدمہ و ہمطر یقان و امثال ذالک و ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ و حکمہ انہ صحیح" یجب الوفا بہ لانه قربتہ معتبرہ فی الشرع اتھی۔ موضع الحجابہ فتاویٰ عزیزی از مؤلف۔

اکل خود یا برائے تجارت و دیگر امور مباحہ
ذبح مے کند حلال است و الا حرام۔ قال
فی التفسیر النیسابوری^۱
تحت قوله تعالى وما اهل به
لغير الله قال العلماء لو ان
مسلماً ذبح ذبیحۃً و قصد
بذبحها التقرب الی غیر الله
صار مرتداً و ذبیحۃ ذبیحۃ
مرتداً انتھی ذبح لقدم
الامیر^۲ و نحوه کو احد من
العظماء یحرم لانه اهل^۳ به
لغير الله

گوشت کھانے کا یا تجارت کی قصد ہے تو حلال
ہے ورنہ حرام ہے۔ تفسیر نیشاپوری^۱ میں وما
اہل به لغير الله کے ماتحت لکھا ہے کہ
علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان جانور ذبح
کرے اور اس ذبح سے اُس کا ارادہ تقرب الی
غیر اللہ ہو تو وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اس کی
ذبیحہ مرتد کی ذبیحہ ہوتی ہے۔ اھک۔ اگر کسی
امیر^۲ کے آنے پر یا اسی طرح کسی دوسرے
انسان کی تعظیم کے لئے کوئی جانور ذبح کرے تو
وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگی۔ کیونکہ وہ جانور ما اهل^۳
به لغير الله میں داخل ہو جائے گا۔



۱۔ ازیں حرمت ما قصد بذبحها التقرب
الی غیر اللہ ثابت است و نیست کلام در و نہ
حرمت جانورے کہ شہرت دادہ شد بنام
غیر و لا تلازم بینہما ۱۲ از مؤلف۔
۲۔ فیہ مانی السابق ۱۲۔ از مؤلف
۳۔ لا بالمعنی الذی تفرد
فیہ الجناب بدلیل التفرد بل
بمعنی ما ذبح للتقرب الی
غیر الله ۱۲

۱۔ اس حوالہ سے تو اس جانور کی حرمت ثابت ہوئی
جس سے تقرب الی غیر مقصود ہو اس میں تو کلام نہیں
جھگڑا تو اس میں ہے جس جانور پر غیر خدا کا نام بلند کیا
گیا ہو اور مشتہر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں
میں کوئی ملازمہ موجود نہیں۔ ۱۲۔ از مؤلف
۲۔ اس میں بھی وہی اعتراض ہے جو پہلی کلام میں
ذکر کیا گیا۔ ۱۲۔ از مؤلف
۳۔ یہ حکم ذبح تقرب الی غیر کی وجہ سے ہے نہ اس
وجہ سے جو جناب نے خود اختراع فرمائی ہے مولف ۱۲

ولو ذكر اسم الله تعالى
عليه ولو ذبح للضيف لا
يحرم لانه سنة الخليل عليه
السلام واکرام الضيف
اکرام الله تعالى والفارق انه
ان قد مهالياً كل منها كان
الذبح لله والمنفعة للضيف
اولوليمة اوللربح وان لم
يقدم مهالياً بل يدفعها
لغيره كان لتعظيم غير الله
فتحرم وهل يكفر قولان
(بزازيه وشرح وهبانية) قلت
وفي صيد المنية انه يكره
ولا يكفر لانا لا نسي الظن
بالمسلم انه يتقرب الى
الادمى بهذا النحو ونحوه
في شرح الوهبانية عن
الذخيرة ونظمه فقال شعر
(وفاعله جمهورهم قال كافر

اگر چہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند
کیا گیا ہو۔ اور جو جانور مہمان کے لئے ذبح کیا
جاتا ہے وہ حلال ہے کیونکہ یہ ابراہیم خلیل علیہ
السلام کی سنت ہے اور مہمان کی عزت اللہ تعالیٰ
کی عزت ہوتی ہے اور ان دونوں میں فرق یہ
ہے کہ اگر اس جانور کو کھانے کے لئے آگے
کیا تو یہ ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت
مہمان کے لئے ہوگی یا ولیمہ یا تجارت وغیرہ
کے لئے اور اگر کھانے کے لئے آگے نہیں کیا
بلکہ اُسے غیر کی طرف دفع کرنا مقصود ہے تو یہ
غیر خدا کی تعظیم ہے لہذا حرام ہوگی۔ ہاں ایسے
کرنے والے کے کفر کے متعلق دو قول ہیں۔
یہ تفصیل بزازیہ اور شرح وهبانية میں ہے اور صید
المنية میں ہے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن کافر
نہ ہوگا کیونکہ ہم مسلمان پر یہ بدگمانی ہرگز نہیں کر
سکتے کہ اُس نے آدمی کی تعظیم کے لئے یہ جانور
ذبح کیا ہو۔ شارح وهبانية نے ذخیرہ سے اسی
طرح نقل کیا ہے اور ایک شعر بھی ذکر کیا
ہے۔ شعر یعنی ایسے ذابح کے حق میں جمہور کا

☆☆☆☆☆☆

۱ لاجل هذا عمنا الحرمة فيما
اسی لیے ہم نے پہلے حرمت کی تعیم کر دی ہے۔ ۱۲

قبل ۱۲

و فضلی و اسمعیل لیس
 یکفراً) و هکذا فی مطالب
 المؤمنین و الاشباه و النظائر
 و فی الحدیث لعن اللہ من
 ذبح لغير اللہ رواہ احمد و
 ایضاً ملعون من ذبح لغير
 اللہ رواہ ابو داؤد و فی
 غرائب ابی عبید و بستان
 الفقیہ و کنز العباد انه لا
 یجوز ذبح البقر و الغنم عند
 القبور لقوله ^۱ علیه السلام لا
 عقر فی الاسلام یعنی الذبح
 عند القبور هکذا فی سنن
 ابی داؤد کذا لا یجوز علی ^۲
 البناء الجدید و عند شراء

حکم تو یہ ہے کہ وہ کافر ہے لیکن فضلی اور اسمعیل کا
 فتوے ہے کہ کافر نہیں ہوتا۔ و هکذا فی
 مطالب المؤمنین و الاشباه
 و النظائر۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے
 کہ خدا اس شخص کو لعنت کرے جس نے غیر
 خدا کے لئے یہ جانور ذبح کیا (رواہ احمد) یا وہ
 ملعون ہے جس نے غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کیا
 (رواہ ابو داؤد) اور غرائب ابی عبید اور بستان
 الفقیہ اور کنز العباد میں ہے کہ قبروں کے
 نزدیک ^۱ گائے اور بکری کا ذبح کرنا ناجائز
 ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان
 ہے کہ لا عقر فی الاسلام یعنی
 عند القبور یعنی اسلام میں قبروں کے

☆☆☆☆☆☆

۱۔ اس حدیث شریف میں بھی اس جانور کی
 حرمت ثابت ہوتی ہے جو غیر خدا کے نام کے
 ساتھ ذبح کیا جائے یا غیر کی تعظیم مقصود ہو اور
 کلام صرف آواز بلند کیے ہوئے اور شہرت دیئے
 ہوئے جانور کے بارے میں ہے۔ ۱۲

۲۔ یہ حدیث بھی محل بحث کے ساتھ تعلق نہیں
 رکھتی۔ ۱۳

۳۔ بالکل بے تعلق اور بے ربط ہے۔ ۱۴ مؤلف

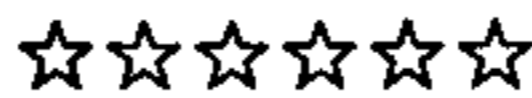
۱۔ ازیں نیز حرمت ما ذبح باسم غیر
 اللہ یا ما ذبح لتعظیم غیر اللہ
 ثابت ہے شونہ حرمت جانور کے شہرت دادہ شود
 بنام غیر۔ ۱۲ مؤلف

۲۔ اس حدیث نیز بال محل بحث علاقہ ندارد۔ ۱۲
 مؤلف

۳۔ بال محل بحث ربط ندارد۔ ۱۴ مؤلف

الدار لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ذبائح الجن بناء على انهم يكرمون فابطل النبي صلى الله عليه وسلم ونهى عنه و هكذا في كتب الشافعية رحمة الله عليهم كما قال النووي في شرح مسلم في تفسير ما اخرج من قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله من ذبح لغير الله و لعن الله من ذبح لغير الله و اما الذبح لغير الله فالمراد به ان يذبح باسم غير الله كمن ذبح للصنم او للصليب او لموسى و عيسى عليهما السلام او الكعبة ونحو ذلك فكل هذا حرام ولا تحل هذه الذبيحة سواء كان الذابح مسلماً او نصرانياً او

نزدیک ذبح کرنا درست نہیں۔ سنن ابی داؤد میں بھی اسی طرح مروی ہے علیٰ ہذا القیاس نئے مکان میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کوئی جانور ذبح کرنا یا مکان خرید کرنے کے وقت ایسا کرنا ناجائز ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے لئے جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ شوافع کی کتب میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ نووی نے مسلم کی شرح میں لعن اللہ من لعن والده ولعن اللہ من ذبح لغير اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ذبح بغير اللہ سے مراد سلوٰح باسم غیر اللہ ہے جس طرح بت کیلئے ذبح کرنا یا صلیب کے لئے یا موسیٰ علیہ السلام کے لئے یا عیسیٰ علیہ السلام یا کعبہ وغیرہ کے لئے یہ سب حرام ہے اور یہ ذبائح ہرگز حلال نہیں ہو سکتیں۔ خواہ ذابح مسلمان ہو یا نصرانی ہو یا یہودی جیسا کہ امام شافعی صاحب نے



۱۔ یہ تفسیر سلف صالحین کے موافق ہے اور جناب خاتم

المحدثین کے مخالف۔ ۱۲

۲۔ محل بحث کے ساتھ اس حکم کو کوئی ربط نہیں۔ ۱۲

۱۔ مؤید است برائے تفسیر سلف صالحین و مخالف

است از تفسیر جناب ۱۲

۲۔ لیس له ربط بمحل البحث۔ ۱۲

یہود یا کمانص علیہ
 الشافعی واتفق علیہ
 اصحابنا فان قصد^۱ مع
 ذلک تعظیم المذبح لغير
 اللہ والعبادة له کان ذلک
 کفرًا فان کان الذابح مسلماً
 قبل ذالک صار بالذبح
 مرتدًا او ذکر الشیخ ابراہیم
 المروزی من اصحابنا ان ما
 یذبح عند^۲ استقبال
 السلطان تقرباً الیہ انه افقی
 اهل بخاری بتحریمہ لانه
 ما^۳ اهل به لغير اللہ قال
 الرافعی^۴ هذا انما یذبحونه
 استبشاراً لقدومه فهو کذب
 العقیقة لولادة المولود و
 مثل هذا لا یجزئ التحريم
 واللہ اعلم۔

اس پر نص فرمائی ہے اور ہمارے اصحاب کا اس
 مسئلہ میں اتفاق ہے پس اگر اس ذبح^۱ سے غیر
 خدا کی تعظیم اور عبادت مقصود ہے تو یہ کفر ہے
 پس اگر ذابح پہلے مسلمان تھا تو اب مرتد ہو
 جائے گا۔

شیخ ابراہیم مروزی نے ذکر فرمایا ہے کہ جو
 شخص بادشاہ کے استقبال کے^۲ وقت تقرب
 حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرے تو اہل
 بخارا کا فتویٰ ہے کہ وہ جانور حرام ہے کیونکہ یہ
 ما اهل به لغير اللہ میں داخل^۳
 ہے۔ امام رافعی فرماتے^۴ ہیں کہ اس ذبیحہ
 سے مقصود قدم سلطان کی خوشخبری دینا ہوتا ہے
 جس طرح بچہ پیدا ہونے کے وقت عقیقہ کرنا۔
 لہذا یہ حرمت کے فتویٰ کے لئے کافی نہیں۔



۱۔ لیس محل البحث۔ ۱۲

۱۔ محل بحث سے بالکل بے تعلق ہے۔ ۱۲

۲۔ اجنبی عن محل البحث۔ ۱۲

۲۔ بالکل اجنبی ہے اسے اصل بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

۳۔ لا یرید الشیخ منه المعنی

۳۔ جناب نے جو معنی مراد لیے ہیں شیخ وہ معنی

مراد للجناب بدلیل التردد۔ ۱۲

مراد نہیں لے رہے۔

۴۔ لیس له ربطاً اصلاً بمحل

۴۔ یہ قول اُلنا مخالف کا مؤید ہے اور محل بحث سے بے

البحث بل مؤیداً لخلافه۔ ۱۲

تعلق ہے۔

سوال

فان قيل قوله تعالى وما لكم
 أن لا تأكلوا مما ذكر اسم
 الله عليه وقد فصل لكم
 ما حرم عليكم إلا ما
 اضطررتم اليه وكذا قوله
 فكلوا مما ذكر اسم الله عليه
 ان كنتم باياته مؤمنين عام
 يتناول ما قصد به التقرب
 الي غير الله وغيره فيكون
 الكل حلالاً۔

وما لكم ان لا تأكلوا مما ذكر
 اسم الله عليه أو قد فصل لكم
 ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم
 اليه اور فكلوا مما ذكر اسم الله
 عليه ان كنتم باياته مؤمنين یہ
 تمام آیات بینات عام ہیں تقرب الی غیر
 مقصود ہو یا نہ ہو۔ لہذا یہ سب جانور حلال ہوں
 گے۔

جواب

قلنا هذا الآيات عامة
 مخصصة بالنص الآخر وهو
 قوله تعالى في سورة المائدة
 حُرِّمَتْ عَلَيْكَ الْمَيْتَةُ وَالِدَمُ
 وَلَحْمُ الْخَنزِيرِ وَمَا اٰهَلَ لِغَيْرِ
 اللّٰهِ بِهِ وَالْمَنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ
 وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا
 اٰكَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ وَمَا
 ذَبَحَ عَلَي النّٰصِبِ فَلَو ان
 رجلاً مسلماً خنق شاةً وذكر

یہ آیت بینات عام ہیں اور دوسری نص کے
 ساتھ ان کی تخصیص کر دی گئی ہے جو سورت
 مائدہ میں ہے حرمت علیکم
 المیتة والدم ولحم الخنزیر وما
 اهل لغير الله به لای پس اگر کوئی مسلمان
 کسی بکری کا گلا گھونٹ دے اور اُس پر اللہ تعالیٰ
 کا نام بھی ذکر کرے تو وہ بکری یقیناً حلال نہ ہو
 گی حالانکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا نام تو ذکر کیا گیا
 ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جانور کسی نشان یا قبر کے
 نزدیک ذبح کیا گیا ہے۔ اور ذبح

اسم اللہ علیہا لاتحل مع
 انه ذکر اسم اللہ علیہا و کذا
 اذا ذبح شاة علی نصب من
 الانصاب او علی قبر من
 القبور و قصد^۱ به التقرب
 الی صاحب القبر او صاحب
 النصب و ذکر اسم اللہ
 علیہا لاتحل لهذا النص
 الصریح و مدار^۲ کل ذلك
 علی قصد التقرب الی غیر
 اللہ او تغییر الطریق
 المشهور فی الذبح من
 استعمال الة المحددة ونحو
 ذلك فعلما انها ای قوله
 وقد فصل لكم حواله

سے تقرب الی غیر یعنی تقرب صاحب قبر یا
 صاحب نشان مقصود^۱ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام
 بھی ذکر کیا ہے تو مندرجہ بالا نص صریح کی وجہ
 سے وہ جانور حلال نہ ہوگا اور ان سب کی مدار^۲
 اس بات پر ہے کہ ان میں غیر خدا کا تقرب
 مقصود ہے یا ذبح کرنے کا جو مشہور طریقہ ہے
 اس کا تغیر تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پس معلوم ہو گیا
 کہ قد فصل لكم کی آیت عام ہے اور
 آیت مائدہ یعنی حرمت علیکم خاص
 ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرک
 لوگ الزام کے طور پر مسلمانوں کو کہتے تھے تم اللہ
 تعالیٰ کی قتل کی ہوئی چیز کو تو نہیں کھاتے یعنی میتہ

☆☆☆☆☆☆

- ۱۔ مسلم لکن لیس محل
 البحث۔ ۱۲۔ از مؤلف
- ۲۔ لاجل هذا تحل ذبیحة
 المسلم عند القبر اذا ذکر
 اسم اللہ علیہ ولم یقصد
 بذبحها التقرب الی صاحب
 القبر۔ ۱۲۔ از مؤلف
- ۱۔ مسلم ہے لیکن محل بحث نہیں۔
 ۲۔ اسی لیے مسلمان کی ذبیحہ قبر کے نزدیک
 درست ہے جب کہ خدا کا نام لے اور صاحب
 قبر کا تقرب مقصود نہ ہو۔

على ما ذكر في الآيات الاخر
 كآية المائدة وغيرها وكان
 سبب نزول هذه الآية شبهة
 المشركين حيث
 كانوا يقولون للمسلمين
 بطريق الالزام انتم لا
 تأكلون الميتة وقد قتلها
 الله وتأكلون ما تقتلون
 بايدىكم فقد رجحتم مقتولكم
 على مقتول الله فاجاب الله
 تعالى عن ذلك بان الميتة
 لم يذكر معها اسم الله
 فلذلك حرمت وكذا
 الموقوذة والمتردية لم تقتل
 على الوجه الماذون فيه من
 الله فحرمت وما قتلناه
 بايدينا انما صار حلالا لان
 قتلها وقع باذن الله وبالوجه
 المشروع بحيث خرج منه
 الدم المسفوح ومع ذكر اسم
 الله فتحليل هذا او تحريم
 ذلك عين التعظيم لامر
 الله واما حديث القتل

کو اور اپنی قتل کی ہوئی چیز کھا لیتے ہو تو گویا تم نے
 اپنے مقتول کا رتبہ اللہ تعالیٰ کے مقتول سے
 بڑھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اعتراض کا جواب
 دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میتہ پر چونکہ
 اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے وہ حرام ہے
 اور اسی طرح موقوذہ اور متردیہ وغیرہ بھی کیونکہ
 اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق ذبح کے
 برخلاف ان پر موت وارد ہوئی ہے اور جو جانور
 ہم نے خود ذبح کیا ہے وہ اس لیے حلال ہے کہ
 صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کیا گیا ہے اور اسی
 طریق سے ذبح کیا گیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی
 طرف سے اجازت تھی۔ یعنی دم مسفوح وغیرہ
 اس کا مکمل طور پر خارج ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا
 نام بھی لیا گیا ہے لہذا ہمارے جانور کا حلال ہونا

فمخالطة^۱ وهمة لان الكل
مقتول الله سواء كان بايدينا
او بايدي غيرنا او ماتت
حتف انفها اذ لاموت عندنا
الاباذن الله قال الله تعالى
الله يتوفى الانفس حين
موتها ولذالك اجمع اهل
السنة والجماعة على ان
المقتول ميت لاجله والله
اعلم وما وقع في البيضاوى
وغیره من التفاسير انهم
قالوا وما اهل به لغير الله
اي ما رفع الصوت به
عند ذبحه للصنم فمبنى
على جرى^۲ عادة المشركين
في ذلك الزمان ولذا لم
يفرقوا في التفاسير القديمة
بين ما ذكر اسم غير الله
عليه وبين ما

اور تمہارے کا حرام ہونا بعینہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی
تعظیم ہے۔ باقی تمہارا قتل والا شُبہ بالکل وہی
مغالطہ ہے کیونکہ دراصل یہ سب جانور اللہ تعالیٰ
کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے ہیں خواہ وہ ہمارے
ہاتھوں سے قتل ہوں یا کسی غیر کے ہاتھوں سے یا
خود بخود اپنی موت مر گئے ہوں۔ کیونکہ ہمارے
نزدیک موت صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو سکتی
ہے۔ ارشادِ الہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی جانوں کو
وفات دیتا ہے۔ اسی لیے اہل سنت کا اجماع
ہے کہ مقتول اپنی اسی میعاد پر مرا ہے جو اللہ تعالیٰ
نے اس کے لئے مقدر فرمائی تھی واللہ اعلم۔ باقی
بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں جہاں وما اهل به
کا معنی رفع الصوت عند ذبح^۳ للصنم تحریر کر دیا گیا
ہے وہ اس

زمانے کے مشرکین کی عادت^۱ کی بناء پر کیا گیا
ہے۔ اسی لیے ان تفاسیر میں اس بات کا فرق
بھی نہیں^۲ بیان کیا گیا کہ اس جانور پر غیر خدا

☆☆☆☆☆☆

۱ لیکن یہ دلالت لفظ سے ہے جیسے گزر چکا کہ
وہ منہ سے بھی یہی کہتے تھے۔

۲ اسی لیے جس پر خدا کا نام لیا گیا وہ ما
اہل به لغير الله میں داخل نہیں۔

۱ لکن بدلالة اللفظ كما مر۔

۱۱۲ از مؤلف

۲ قدمر الجواب منه

قصد بذبحه التقرب الى غير
 الله لان مشركي ذلك
 الزمان كانوا مخلصين في
 الكفر وكانوا اذا قصدوا التقرب
 بذبح بهيمة الى غير الله
 ذكروا عليها عند الذبح اسم
 ذلك الغير بخلاف مشركي
 المسلمين فانهم يخلطون
 بين الكفر والاسلام
 فيقصدون التقرب بالذبح
 الي غير الله يذكرون اسم
 الله عليها وقت الذبح
 فالاول كفر صريح والثاني
 كفر بصورة الاسلام
 وكانو يعتقدون ان لا طريق
 للذبح الا هذا سواء كان لله
 او لغير الله وقد تجرى هذه
 العادة في زماننا ايضا فانهم

☆☆☆☆☆

۱ فلا جل هذا لم يكن ما ذكر ۱ اسی لیے جس پر خدا کا نام لیا گیا وہ
 علیہ اسم الله داخل فیما اهل ما اهل به لغير الله میں داخل نہیں۔
 به لغير الله۔ ۱۲

۲ لو قصد بذبحها التقرب
 لغير الله۔ از مؤلف دم مسفوح
 ۲ اگر تقرب الى الغير کی قصد ہو۔ ۱۲
 جاری ہونے والا خون

کا نام ذکر کیا گیا ہو یا اس کی ذبح سے مقصود
 تقرب الی الی غیر ہو کیوں کہ اس زمانے کے
 مشرکین خالص مشرک اور مخلص فی الکفر تھے اور
 جب تقرب الی الی غیر کے لئے کوئی جانور ذبح
 کرتے تھے تو اس پر نام بھی غیر سلہی کا لیتے
 تھے۔ بخلاف ہمارے زمانہ کے مسلمان مشرکوں
 کے کہ یہ لوگ کفر اسلام کو خلط ملط کر دیتے
 ہیں۔ ذبح تو تقرب الی الی غیر کی نیت سے
 کرتے ہیں اور ذبح کے وقت نام اللہ تعالیٰ کا
 بلند کرتے ہیں۔

يشهرون ان فلاناً يذبح بقرة لا
 جل السيد احمد كبير مثلاً سواء
 ذكر واسم الله عليه عند امرار
 السكين ام لا وما وقع في الهداية
 ويكره ان يذكر مع اسم الله
 تعالى شيئاً اخر وهو ان يقول
 عند الذبح اللهم تقبل من فلان
 وهذه ثلث مسائل احدها ان يذكر
 موصولاً لا معطوفاً فتكره
 ولا تحرم الذبيحة وهو المراد بما
 قال ونظيره ان يقال بسم الله
 محمد رسول الله لان الشركة لم
 توجد فلم يكن الذبح واقعاً له الا
 انه يكره لوجود القران سورة
 فيتصور بصورة المحرم والثانية
 ان يذكر موصولاً على وجه
 العطف والشركة بان يقول بسم
 الله واسم فلان او بسم الله
 ومحمد رسول الله بكسر الدال
 فتحرم الذبيحة لانه اهل به
 لغير الله والثالثة ان يقول

پہلا صریح کفر ہے۔ اور دوسرا ہے تو کفر لیکن
 صورت اسلامی ہے ان لوگوں کا اعتقاد تھا کہ ذبح
 کا طریقہ یہی ہے خواہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح
 کریں یا غیر کے لئے ہمارے زمانہ میں بھی یہ
 عادت جاری ہے۔ لوگ مشہور کر دیتے ہیں کہ
 فلاں شخص سید احمد کبیر کے لیے گائے ذبح کیا
 کرتا ہے۔ خواہ وہ چھری چلانے کے وقت اللہ
 تعالیٰ کا نام ذکر کرے یا نہ۔ اور ہدایہ شریف میں
 ہے کہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے
 ساتھ کسی دوسری چیز کا نام لینا مکروہ ہے۔ مثلاً
 کہے اے اللہ فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ اس
 کی تین صورتیں ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ کے نام
 کے ساتھ دوسرے شخص کا نام متصل کر کے بغیر



١ ليس التشهير من موجبات
التحريم كما مرَّ ١١٢ از مؤلف
٢ ليت شعري ما يقول قدس
سره في بيان مراد صاحب
الهداية من اهل به لغير الله
فانه متفق مع السلف في
تفسيره فالعجب كل العجب
من تمسكه بعبارة صاحب
الهداية ١١٢ از مؤلف

١ شہرت تحریم کا سبب نہیں۔ ١١٢ از مؤلف
٢ صاحب ہدایہ کی کلام کا مطلب بیان کرنے میں
شاہ صاحب قدس سرہ نے نہایت افسوس ناک
رویہ اختیار کیا ہے صاحب ہدایہ کی عبارت سلف کی
تفسیر کے بالکل موافق ہے لہذا اس کے ساتھ
تمسک کرنا تعجب کی بات ہے۔ ١١٢ از مؤلف

مفصلاً عنه صورة ومعناً
بان يقول قبل التسمية وقبل
ان يضجع الذبيحة او بعد
الذبح وهذا لا بأس به
لما روى ان النبي صلى الله
عليه وسلم قال بعد الذبح
اللهم تقبل هذه من امة
محمد ممن شهدك
بالواحدانية ولي بالبلاغ
والشرط هو الذكر الخاص
المجرد على ما قال ابن
مسعود رضي الله تعالى
عنه جرد والتسمية انتهى
ما في الهداية صريح فيما
ذكرنا

عطف کے لینا یہ مکروہ ہے لیکن ذبیحہ حرام نہ ہو
گی۔ ہدایہ کی سابق عبارت سے یہی صورت
مراد ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کہے بسم اللہ محمد
رسول اللہ یہاں چونکہ شرکت موجود نہیں لہذا
ذبح غیر خدا کے لئے نہ ہوگی لیکن صورتہ غیر کے
انضمام و اتصال سے چونکہ حرام کے مشابہ ہو
گی۔ لہذا مکروہ ہے۔ دوم غیر کا نام متصل عطف
اور شرکت کے ساتھ لینا مثلاً بسم اللہ و محمد رسول
اللہ بہ کسر الدال یا بسم اللہ و اسم فلان وغیرہ تو
ذبیحہ حرام ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ما اهل به
لغير الله میں داخل ہے۔ سوم صورتہ اور
معنا علیحدہ طور پر یعنی منفصل ذکر کرنے مثلاً بسم

۱ صریح فی اشتراط
الذکر المجرّد عن ذکر الغیر
لا عن قصد التقرب الی غیر
اللہ فمفادہ الاحتراز عن
الشركة باقسامها الثلاثة
وقصدہ التقرب الی غیر اللہ
انما هو خارج من الشرط
الاخیر للذبح اعنی کونه
خالصاً للہ كما عرفت فیما

سبق ۱۲ از مؤلف

۱ اس کی عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ
ذبح کے لئے فقط اللہ تعالیٰ کا نام مجرد لینا شرط
ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کا نام نہ لے۔ یہ
مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام تقرب الی الغیر
کے قصد سے مجرد ہو بلکہ ہدایہ کی کلام کا مفاد تو یہ
ہے کہ ہر سہ اقسام کی شرک سے احتراز لازم
ہے۔ باقی قصد تقرب الی الغیر یہ ذبح کی آخری
شرط سے متعلق ہے یعنی خالصاً للہ کا معنی ہے کہ
تقرب الی الغیر کا ارادہ نہ ہو۔ ۱۲۔ مؤلف

من انّ ۱ قصد التقرب الی
غیر اللہ محرم للذبیحة
سواء کان بطریق الاستقلال
او بطریق الشركة نعم لو
ذکر ذکراً مجرداً عن غیر ۱
قصد التقرب الی غیر اللہ

اللہ سے پہلے یا جانور کو لٹانے سے پہلے یا ذبح
کے بعد غیر خدا کا نام ذکر کرے۔ یہ صورت
جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
خود ذبح کے بعد فرمایا اے خداوند یہ قربانی امت
محمدیہ سے قبول فرما۔ جنہوں نے تیری وحدانیت
اور میری رسالت کی شہادت دی۔ ذبح کی
شرط



۱۔ تغیر "المدعی و فرار" عما
قال فی تفسیر وما اهل به
لغیر اللہ از مؤلف

۲۔ لیس مرادہ مجرد اعن
قصد التقرب بل عن ذکر
اسم الغیر کما يدل عليه
الامثلة وقوله وهو ان يقول
وقوله ان يذكر موصولا لا
معطوفاً وقوله ان يذكر
موصولا على وجه العطف
والشركة بان يقول بسم الله
واسم فلان الخ وقوله
مفصولا عنه صورة ومعنى.
۱۲۔ از مؤلف

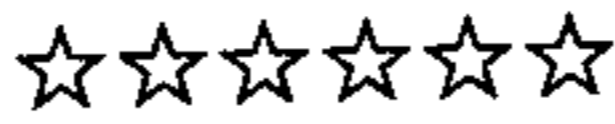
۱۔ یہ مدعی کی تبدیل ہے اور اپنی جگہ سابقہ تفسیر
سے فرار کرنا ہے۔ ۱۲

۲۔ مجرد سے مراد تینوں صورتوں سے صاف طور
پر ظاہر ہے کہ غیر خدا کا نام لینے سے مجرد ہونہ کہ
قصد تقرب الی الغیر سے مجرد ہو۔ یہ بات
مثالوں سے واضح ہے جن کی تفصیل گزر چکی
ہے۔ ۱۲۔ مؤلف

ففيه تفصيل فان ذكر
 موصولاً لا معطوفاً تكره
 مثلاً ان يقول بسم الله محمد
 رسول الله او اللهم تقبل من
 فلان ولا يحرم الذبيحة لعدم
 قصد التقرب اليه وانما كره
 لاجل مشابھته في ذلك
 بذكر اسم غير الله بقصد
 التقرب ولو ذكره معطوفاً
 تحرم ايضاً وان لم يكن فيه
 معنى التقرب لكنه صريح
 في الشركة والصريح لا
 يحتاج الى النية واذا ذكر
 مفصلاً لا بطريق العطف
 ولا بطريق الوصل لا يكره
 ولا يحرم لانتفاء المشابھة
 صورةً ومعنى مثلاً ان يقول
 بسم الله وتوقف ثم قال
 محمد رسول الله من غير
 قصد التقرب الى غير الله

ذکر خالص مجرد ہے جس طرح حضرت عبد اللہ
 بن مسعود سے مروی ہے۔ جَرِّدُوا
 التسمية یعنی فقط اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو۔
 اھک۔ ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح
 ہو گیا ہے کہ تقرب الی الغیر کی قصد ذبیحہ کو بالکل
 حرام کر دے گی۔ خواہ مستقل طور پر تقرب الی
 الغیر کا ارادہ ہو یا شرکت کے طور پر، ہاں اگر اللہ
 تعالیٰ کا نام بالکل مجرد ذکر کیا ہے اور تقرب الی
 الغیر کا قصد بھی نہیں تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر
 غیر کا نام متصل بغیر عطف کے لیا تو مکروہ ہے مگر
 ذبیحہ حرام نہ ہوگی۔ مثلاً کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ
 یا اللہم تقبل من فلان وغیرہ تقرب
 الی الغیر کی قصد نہ ہونے کی وجہ سے ذبیحہ تو
 حرام نہ ہوگی لیکن غیر کے متصل ذکر کرنے کی وجہ
 سے حرام کے ساتھ مشابھت پیدا ہو جانے

وإذا عرفت معنی هذا
الكلام عرفت ان صاحب
الهدایة وضع المسئلة فیما
سے کراہت حاصل ہو جائے گی اور معطوفاً ذکر
کرنے کی صورت میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔



وإذا عرفت معنی هذا
الكلام عرفت ان صاحب
الهدایة وضع المسئلة فیما
اذالم یکن المذكور مقروناً بذكر
الغیر بل كان ذكراً مجرداً او
على تقدير انتفاء التجرد
تحصل صور "ثلث" ثالثها ان
يقول مفصلاً عنه وهذا لا باس
به فذكر اسم الغیر بالفصل
عن ذكر اسم الله سبحانه حين
الذبح و تشهیر الحيوان باسم
الغیر مفصلاً لا باس به و
على هذا فرع صاحب التفسیر
الاحمدی بقوله ومن ههنا علم
ان البقرة الخ فتقریبه لا غبار
عليه ثم قال فی العاشية هذا
بحسب قوله وما اهل به لغير
الله اما بحسب النذر تقرر ان
النذر لغير الله حرام و نذر
الاولیاء مؤول "بان النذر لله
و ثوابه لهم. ۱۲. از مؤلف

صاحب ہدایہ کی کلام سے واضح ہے کہ اس کا
مسئلہ اس بارے میں ہے کہ مذکور غیر خدا کے نام
کے ساتھ مقرون نہ ہو بلکہ ذکر مجرد ہو۔ لہذا
انتفائے تجرد کی تین صورتیں ہوں گی۔ تیسری
صورت یہ ہے کہ غیر خدا کا نام مفصلاً ذکر
کرے۔ یعنی غیر کا نام ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ
کے نام سے جدا کر کے ذکر کرنا اور تشہیر کے
وقت بھی غیر کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے مفصلاً
ذکر کرنا کوئی ڈر کی بات نہیں۔ اسی پر تفسیر احمدی
والے نے فعلم من ههنا متفرع کیا ہے
لہذا تفسیر احمدی والے کی تفریح ما اهل به
کی تفسیر کے لحاظ سے صحیح ہے۔ ہاں نذر کے لحاظ
سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ نذر لغير الله حرام ہے۔
اور نذر اولیاء در حقیقت اللہ تعالیٰ کی نذر ہوتی
ہے اور ثواب اولیاء اللہ کی ارواح کے لئے
ہوتا ہے۔ کما تر۔ ۱۲۔ مؤلف

اذا لم يكن المذكور مقروناً
بقصد التقرب الى غير الله
بل ذكراً مجرداً فهو بمعزل
عن مسئلتنا الموضوعة
فيما قصد التقرب الى غير
الله فانها حرام مطلقاً و
عرفت ايضاً ان ما وقع في
التفسير الاحمدى من تفريع
قوله على ما وقع في الهداية
ونقله في ذلك التفسير كما
ذكرنا وهو قوله ومن ههنا
علم ان البقرة المنذورة
للاولياء كما هو الرسم في
زماننا حلال طيب لانه لم

اگرچہ تقرب الی الغیر کا ارادہ نہ بھی ہو کیونکہ
شراکت صراحتاً موجود ہے اور تصریح کی صورت
میں نیت کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی اور اگر
منفصلاً ذکر کرے لیکن عطف نہ ہو تو پھر کراہت
بھی نہیں اور تحریم بھی نہیں۔ کیوں کہ صورت اور
معنا مشابہت موجود نہیں مثلاً بسم اللہ کہہ کر
خاموش ہو گیا اور توقف کے بعد محمد رسول اللہ کہا
تقرب الی الغیر کا ارادہ نہیں تھا۔ صاحب ہدایہ
کی کلام کی اس تشریح سے ناظرین پر واضح ہو گیا
ہے کہ صاحب ہدایہ کا مسئلہ اس بارے میں ہے
کہ محض اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے یعنی
تقرب الی الغیر کی قصد ہرگز نہ ہو اور ہمارا
مسئلہ اس بارے میں ہے کہ تقرب الی الغیر کی
قصد ہو جو مطلقاً حرام ہے پس یہ

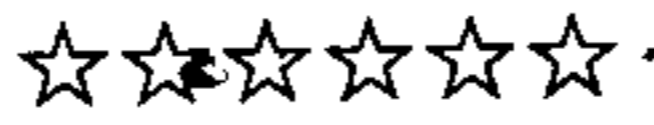


پہلے تو آپ فرما آئے ہیں کہ صاحب ہدایہ کی
کلام صریح ہے ہمارے استدلال پر اور اب
دونوں مسائل میں فرق پیدا ہو گیا ہے ہدایہ سے
مستحل کا طرز استدلال ہم بالوضاحت ذکر کر
چکے ہیں۔ ۱۲۔ مؤلف

فكيف يصح قول الجناب
فيما قبل وما وقع في الهداية
صريح "فيما ذكرنا وطرز
استدلال المستحل بما في
الهداية ذكرنا في العاشية
السابقة. ۱۲. از مؤلف

دونوں بالکل مختلف ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تفسیر احمدی والے نے جو مطلب صاحب ہدایہ کی کلام سے سمجھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ صاحب التفسیر فرماتے ہیں کہ پس یہاں سے معلوم ہو گیا کہ وہ گائے جو اولیاء اللہ کی نذر کی جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ کی رسم ہے بالکل حلال طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ نذر غیر کے لئے ہے۔ اھ

يذكر اسم غير الله وقت الذبح وان كانوا يذرونها لهم انتهى مبنى "على الغفلة" عن قول صاحب الهداية وهو قوله والثالثة ان يقول مفصلاً عنه صورة و معنى الخ فان الانفصال المعنوي كيف يتصور اذا كان النذر لاولياء فانه عين التقرب اليه فنيتهم



۱۔ بلکہ صاحب ہدایہ کی کلام کو سمجھ کر کہا گیا ہے جیسا پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ۱۲۔ مؤلف

۱۔ بل مبنى على فهم المراد عن قول صاحب الهداية كما بينا. ۱۲. از مؤلف

۲۔ انفصال معنوی ذکر بغیر العطف کی صورت میں متصور ہے۔ ۱۲۔

۲۔ نعم يتصور اذا لم يكن الذکر بطريق العطف. ۱۲. منه

۳۔ جناب کے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح کے مطابق یہ بعینہ تقرب الی الغیر نہیں جیسا کہ ابتدائے بحث میں نقل کر چکے ہیں۔ ۱۲۔

۳۔ ليس عين التقرب اليه بناء على ما ذكره والد الجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونقلناہ فی صدر البحث. ۱۲۔ منہ

دائمة^۱ الى وقت الذبح فلا
انفصال^۲ معنى اصلاً لما
تقرر في قواعد الفقه من
استدامة^۳ النية الى آخر
العمل وايضاً مبني^۴ على
عدم الفرق بين الذكر
المجرد الذي وضع صاحب
الهداية مسألة فيه وبين ما
قصد به التقرب الى غير
الله الذي وضعنا

اور صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ غیر کا نام صورتاً
اور معنأً علیحدہ ذکر کیا جائے۔ لہذا جب نذر
اولیاء اللہ کے لئے ہوئی تو انفصال معنوی کہاں
رہا بلکہ یہ بعینہ تقرب الی الغیر ہے بلکہ ایسے
نذر کی نیت میں بالکل انفصال معنوی حاصل
نہیں ہوا جیسا کہ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ نیت
آخر عمل تک دائمی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں
صاحب التفسیر صاحب ہدایہ کے ذکر مجرد والے
مسئلہ میں اور ہمارے قصد التقرب والے مسئلہ



۱ اهداء ثواب کی نیت کا دوام حلت مندوح
کے مخالف نہیں۔ ۱۲

۱ ودوام نية هداء ثواب اكل
اللحم لا يضر في حلية
المذبوح۔ ۱۲

۲ ولا ضير فيه۔ ۱۲

۲ پھر کونسا نقصان آگیا۔ ۱۲
۳ ہاں لیکن جب تک منافی اس پر عارض نہ
ہو جائے اور یہاں ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا
نام ذکر کر دینا پہلے ارادہ کے منافی ہے جو عارضی
ہو گیا ہے لہذا نیت کا دوام کہاں رہا۔ ۱۲

۳ نعم لكن ما لم يطرء عليها
ما ينافيه وهنا قد طرء عليها
اسم الله تعالى وهو مناف
بحسب زعمكم ومن اراد
البسط في هذا المقام فليطالع

الاشباه والنظائر۔ ۱۲

۴ (باقی بر صفحہ آئندہ)

۴ (باقی بر صفحہ آئندہ)

المسئلة فيه و اين هذا من
ذاك۔

تم الجواب من مولانا
عبدالعزیز قدس سرہ العزیز۔

☆☆☆☆☆☆

میں فرق معلوم نہیں کر سکے۔ حالانکہ ان دونوں
میں بڑا فرق ہے۔ اھک

مولانا عبدالعزیز قدس سرہ کا جواب ختم ہوا

۴ (بقیہ صفحہ گذشتہ) بل قول
الجناب مبنی علی عدم
الفرق الخ مبنی علی عدم
فہم الذکر المجرّد الذی
وضع صاحب الهدایة
المسئلة فيه و ارادة المجرّد
عن قصد التقرب الی غیر
اللہ و این هذا من ذاک۔
برناظر فطن مخفی نماندہ باشد کہ حضرت خاتم
المحدثین از تفسیر و ما اهل بہ لغیر
اللہ رجوع فرمودہ استفتاء ہذا مرتب
نمودہ است چہ در اں مدار حرمت جانور
منڈ و رللا و لیاہ بر تشہیر بنام غیر یو دودریں بر
قصد ذبح لغیر اللہ را ایں رجوع و تغیر ترتیب
سبب و منشاء بغیر از دیانت و تقویٰ حضرت
موصوف چیزے دیگر نیست رضی اللہ تعالیٰ
عنه واللہ اعلم۔ ۱۲۔ مؤلف

۴ (بقیہ صفحہ گذشتہ) بلکہ جناب کے اس
قول کی بناء اس پر ہے کہ آپ صاحب ہدایہ کے
ذکر مجرد کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ کہاں ذکر مجرد
یعنی عن ذکر الغیر اور کہاں مجرد عن قصد التقرب
إلی الغیر۔ واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحب نے
اپنی پہلی تفسیر سے رجوع فرما کر یہ استفتاء تحریر
فرمایا ہے۔ کیونکہ وہاں حرمت کی مدار غیر خدا
کے لئے تشہیر اور آواز بلند کرنے پر تھی اور یہاں
حرمت کی مدار تقرب إلی الغیر کی قصد پر اس
رجوع اور تغیر کا منشاء جناب کا تقویٰ اور دیانت
ہی ہو سکتے ہیں۔ ۱۲۔ واللہ اعلم۔ از مؤلف۔

حضرت مؤلف نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ کے اس فتویٰ کو ما اہل کی اس
تفسیر سے رجوع کر لینے پر محمول ہونا ثابت کیا ہے۔ لہذا اب شاہ صاحب اور جمہور مفسرین میں
اختلاف نہ رہا۔

جواب ثانی از مفتی عبدالحکیم پنجابی (مرحوم)

متضمن بر اعتراضات و طنز و طعن بر مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ

گاؤ وغیرہ در صورت مذکورہ حلال است و خوردن آن بموجب شرع شریف درست خصوصاً وقتے کہ ذابح غیر ناوی باشد۔

کما هو المعتاد فی ذبح بقرة السید احمد کبیر وغیرہ واما ثبوت حلها اوا کلها بالکتاب فقوله تعالیٰ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مؤمنین۔ وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم۔ الآیة

ان آیات سے ملتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: ان آیات سے ملتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مؤمنین وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ۔ وقد فصل لکم ما حرم علیکم۔ الآیة

یہ سب آیات عام ہیں جن میں سے بعض چیزیں مستثنیٰ کی گئی ہیں۔ مثلاً میتہ (مردار) دم (خون) لحم خنزیر (سور کا گوشت) ما اهل لغير الله به (جس پر ذبح کے وقت غیر خدا

اگر تم خدا کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے کھاؤ۔

تمہیں کیا ہو گیا کہ وہ چیز نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ حرام چیزیں بیان کر دی ہیں۔

والمنخنة والموقونة
 والمتردية والنطيحة وما
 اكل السبع وما ذبح على
 النصب وما قصد به التقرب
 الى غير الله والعام
 المخصص يتناول افراده
 الباقية ولو ظناً والذبيحة في
 الصورة المذكورة ليست
 داخلة في شيء من
 المخصصات اما عدم
 دخولها فيما سوى قصد به
 التقرب الى غير الله فلانه
 عبارة عن الذبيحة التي لم
 يقصد بذبحها اكل لحمها
 بل قصد به الدفع الى الغير
 كما سيأتي وههنا ليست
 كذلك واما بالسنة
 فحديث الذبيحة للضيف
 والوليمة والاعراس والعقيقة
 والتجارة كذبيحة القصاب
 مثلاً فإنه لا شك ان
 الذبيحة في الصورة الاولى
 والصور المذكورة اهل باسم

کا نام بلند کیا جائے۔ منخنة (گلا گھونٹ کر ماری
 ہوئی) موقونة (پتھر یا عصا سے ماری ہوئی) یا
 جس کو درندہ کھالے۔ یا نشانوں پر ذبح کی
 جائے۔ یا ذبح سے تقرب الى الغير کا ارادہ
 ہو اور عام مخصوص البعض اپنے باقی افراد کو شامل
 ہو سکتا ہے خواہ بطریق ظن ہی کیوں نہ ہو۔ اب
 غور کرنا چاہیے کہ جس طرح ذبیحہ مندورہ ان
 مخصصات میں سے (یعنی ما سوا ما قصد به
 التقرب الى الغير) کسی میں بھی داخل
 نہیں کیا ہو الظاهر اسی طرح ما قصد به
 التقرب الى الغير میں اس ذبیحہ پر صادق
 آتا ہے جس کے ذبح سے کھانا مقصود نہ ہو بلکہ
 صرف غیر کی طرف دفع کرنا مقصود ہو اور ذبیحہ
 مذکورہ میں یقیناً ایسا نہیں (کیونکہ یہ جانور مطلق
 فقراء یا خدام اولیاء کے کھانے کے لئے ذبح کیا
 جاتا ہے۔ حدیث شریف صراحة مہمان کے
 لئے جانور ذبح کرنا یا ولیمہ کے لیے یا عقیقہ،
 عرس، تجارت وغیرہ کے لئے بالاتفاق جائز ہے

اللہ بنية غير الله والفرق
 تحکم واما بقول الفقهاء فقول
 السراجية والكتابي اذا ذبح
 باسم المسيح لا تحل
 ولو ذبح ببسم الله واراد به
 المسيح عليه السلام تحل
 وبایں عبارت مندرج می شود قول قاصران
 کہ مے گویند نیت اگرچہ در ذبح شرط
 نیست لیکن خبیثہ و فاسدہ ذبیحہ را حرام خواہد
 نمود۔ و قول الهدایة والثالثة ان
 يقول مفصلاً عنه صورةً ومعنى
 بان يقول قبل التسمية وقبل ان
 يذبح الذبيحة او بعده وهذا
 لا باس به الى قوله والشرط هو
 الذكر الخالص المجرد باللسان
 فقط كما يدل عليه قوله بان يقول
 قبل التسمية الخ في تفسير قوله
 صورةً ومعنى و قول العناية في
 شرح قول الهداية هذا والما موربه
 ههنا الذكر المتعدى بعلى الذكر
 باللسان كما

اور ان سب صورتوں میں ذبح کے وقت آواز
 اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بلند کی جاتی ہے اور
 ارادہ غیر کا ہوتا ہے لہذا صور مذکورہ اور بقرہ
 مندورہ میں فرق پیدا کرنا یعنی اول الذکر کو
 حلال کہنا اور موخر الذکر کو حرام کہنا محض حکم ہے
 یعنی دعویٰ بلا دلیل ہے۔ فقہاء کرام نے بھی
 تصریح فرمائی ہے کہ جانور مذکور حلال ہے۔
 ملاحظہ ہو سراجیہ (یعنی عیسائی اگر کسی جانور پر
 ذبح کے وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بلند کرے تو
 جانور حرام ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے
 ساتھ کرے اور ارادہ عیسیٰ علیہ السلام کا کرے تو
 حلال ہوگا۔ اس عبارت سے ان بے سمجھ لوگوں
 کا اعتراض بھی مندرج ہو گیا جو کہتے ہیں کہ نیت
 اگرچہ ذبح میں شرط نہیں لیکن ارادہ فاسد ذبیحہ کو
 حرام کر دے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔
 تیسری قسم یہ ہے کہ غیر خدا کا نام مفصلاً ذکر
 کرے یعنی ذبح سے یا بسم اللہ پڑھنے سے پہلے
 یا ذبح کے بعد تو یہ جانور حلال ہے الخ

تفردواحتج به مالک فی
حرمة متروک التسمية
ناسيا فلا تدخل الذبيحة
تحت قوله تعالى ولا تاكلوا
مما لم يذكر اسم الله عليه
ايضاً وأما بقول المفسرين
فقول العالم العارف
المحدث الاصولي المفسر
الحاج الحرمين الشريفين
زادهما الله تعالى شرفاً
وتعظيماً المدرس فيهما في
التفسير الاحمدى ان البقرة
المنذورة كما هو الرسم في
زماننا حلال "طيب" لانه
لم يذكر اسم غير الله وقت
الذبح وان كانوا يذرونها لهم
انتهى والحق المبين ما قاله
مولانا محمد مبین فی
رسالته فی النذر ونذر شیخ سدو
مثال آں حرام است و بز ومانند آں کہ بنام
شیخ سدو ذبح می کنند اگر وقت ذبح نامش
گرفته باشند گوشت او مردار شود و خوردنش
روانہ باشد قال الله تعالى ولا

پھر فرماتے ہیں ذبح کی شرط ذکر مجز دے (یعنی
زبان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا) جیسا
کہ سورۃ اور معنی کی تفسیر میں یقول قبل
التسمية کے قول سے ظاہر ہو رہا ہے۔ عنایہ
نے اسی عبارت کی تشریح میں تصریح کی ہے کہ
یہاں جس ذکر کا حکم کیا گیا ہے اُس سے مراد
ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے اور ذکر
چونکہ لفظ علی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے لہذا
صرف زبانی ذکر مراد ہوگا۔ کما تقرر امام مالک
نے اسی کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ جب ذبح
کے لئے ذکر لسانی شرط ہے تو متروک التسمیہ
ناسیاً یعنی جس جانور پر ذبح کرتے وقت بسم اللہ
پڑھنا بھول جائے وہ حرام ہوگا۔ لہذا بقرہ
منذورہ لا تاکلوا مما لم يذكر اسم
الله عليه کے حکم میں داخل نہ ہوگی۔

تَاكُلُوْا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفَسْقٌ ط وَاگر بنا مِ خُدا بر بِسْمِ اللّٰهِ اَكْبَرِ ذَنْحِ كَرْدِهٖ بَاشَنْدَ اَكْرَجِهٖ دَرِ وِلْ نِيْتِ فَاسِدْ دَارَنْدَ ظَاهِرًا خُوْرِدُوْش حَلَالِ بَاشْدَ لِيَكِنْ مَتَقِيْ وَپَرِهِيْزْ گَار رَا بَايْدَ كِهْ نَخُوْرِدُوْا اِلَّا جَاهِلًا گَمَانِ بَرَنْدَ كِهْ اِيْسِ نَذْرِ حَلَالِ اسْتِ پَسِ گَمْرَاهِ شُوْنْدَ اَنْتَهِيْ بِحَرْوْفِهٖ لَكِنْ كَسَانِيَكِهٖ اَقْوَالِ اَنْ هَا مَطَابِقِ اَفْعَالِ شَانِ نِيْسْتَنْدَ مِثْلًا فَرْقِهٖ شِيْعَهٗ رَا كَافِرٍ مَطْلُوْقٍ بِالْاِجْمَاعِ مَعِ گُوِيْنْدُوْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَا تَنْكُحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰی يُؤْمِنُوْا وَلِعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ الْآيَةُ رَا پَسِ پُشْتِ اِنْ دَاخْتِهٖ تَزْوِجِ بِنَاتِ وَغَيْرِهٖ اَزْ شِيْعَهٗ مَعِ نَمَآئِنْدُوْ مَسْكِنِ خُوْدِ رَا دَارِ الْحَرْبِ قَرَارِ مَعِ دِهَنْدُوْ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا الْآيَةُ خِلَافِ وَرَزِيْدِهٖ دَرِ اَنْ جَا اَقَامْتِ مَعِ دَارَنْدَ وَعَرَسِ بَزْرگانِ خُوْدِ رَا بِرِ خُوْدِ مِثْلِ فَرْضِ دَانَسْتِهٖ سَالِ بَسَالِ بِرِ مَقْبَرِهٖ اِجْتِمَاعِ كَرْدِهٖ طَعَامِ وَ شِيْرِيْنِيْ دَرِ اَنْ جَا تَقْسِيْمِ نَمُوْدِهٖ مَقَابِرِ رَا وَخُنَا يُعْبَدُوْ مَعِ كَنْدِ اَفْتَاءِ نَحْرِ مِتِّ بَقْرَهٗ نَذْگُوْرَهٗ بَسِيَارِ تَعْجِبِ وَنَعْمِ فِهْمَنْدِ كِهْ

مفسرین میں سے حضرت عالم عارف محدث اصولی مفسر حاجی الحرمین الشریفین، (اللہ تعالیٰ اُن کا شرف زیادہ کرے) مکہ اور مدینہ میں درس دینے والے یعنی مولانا مملّا جیون صاحب تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں کہ بقرہ منذورہ جیسا کہ ہمارے زمانے کی رسم ہے حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ نذر اولیاء کے لیے ہے۔ مولانا محمد مبین صاحب اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ شیخ سدو وغیرہ کی نذر کرنا حرام ہے لیکن جو بکرے وغیرہ شیخ سدو کے نام کے ساتھ مشہور کیے جاتے ہیں اور ذبح کے وقت بھی شیخ سدو کا نام لیا جائے تو گوشت مُردار ہو جائے گا اور اُس کا کھانا ناجائز ہوگا۔ ارشادِ الہی ہے جس چیز پر خُدا کا نام نہیں لیا گیا وہ مت کھاؤ اور یہ سخت گناہ ہے۔

حربی را بافتائے مسلمین چہ کار بلکہ بسبب
 فتویٰ مذکورہ مصداق فاضلوا
 وَأَضَلُّوا كَثِيرًا شُونَ لِأَنَّ
 الذَّبِيحَةَ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللَّهِ
 وَكَرَامِهِ حَرَامٌ وَالذَّبَاحُ
 مَرْتَدٌ وَأَمْرَاتُهُ بَائِنَةٌ وَقَدْ
 أَجْمَعَ الْفُقَهَاءُ فِي الْفَرْقِ بَيْنِ
 الذَّبِيحَةِ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللَّهِ
 وَكَرَامِهِ وَهُوَ بِمَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ
 اللَّهِ وَبَيْنِ الذَّبِيحَةِ لِلَّهِ تَعَالَى
 سَبْحَانَهُ إِنَّهُ أَنْ قَدْ مَهَالِيَا كُلِّ
 مِنْهَا كَانَ الذَّبِيحَ لِلَّهِ وَالْمَنْفَعَةَ
 لِلضَّيْفِ وَغَيْرِهِ لِهَذَا حَلَّ
 ذَّبِيحَةَ الْقَصَابِ وَالْوَلِيْمَةِ وَ
 غَيْرَهُمَا كَمَا فِي الْبِرَازِيَّةِ وَأَنَّ
 لَمْ يَقْدَمْ مَهَالِيَا كُلِّ بَلٍ لِيَدْفَعَهَا
 لِغَيْرِهِ كَانَتْ الذَّبِيحَةَ لِتَعْظِيمِ
 غَيْرِ اللَّهِ فَتَحْرِمُ وَلِذَا حَرَّمَتْ
 الذَّبَائِحَ لِلْعِظَامِ كَمَا فِي
 الدَّرَالْمَخْتَارِ وَالْبِرَازِيَّةِ وَقَدْ كَتَبْتُ
 دَادُكَ ذَبِيحَةَ مَذْكَورَةَ حَرَامٌ اسْتِيسَ تَحْرِيمِ
 حَلَالِ مَصْدَاقِ ضَالِيْنَ كَرْدِيْدِهِ وَبِمَوْجِبِ
 فَتَوَىٰ اَزْ ذَبِيْحَةِ مَذْكَورَةَ نَهْ نَاذِرْ خَوْرِدِ

اور اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور بسم
 اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا۔ لیکن دل میں ارادہ
 فاسد تھا تو ظاہراً اُس جانور کا گوشت حلال ہے
 لیکن متقی اور پرہیزگار آدمی کو چاہیے کہ ایسا
 گوشت نہ کھائے تاکہ جاہل لوگ اُسے دیکھ کر
 یہ گمان نہ کر لیں کہ ایسی نذر شرعاً حلال ہے اور
 گمراہی میں پڑ جائیں۔ اھک۔

لیکن جن لوگوں کا قول و عمل ایک دوسرے کے
 مخالف ہے مثلاً فرقہ شیعہ کو کافر مطلق بالا جماع
 کہتے ہیں اور پھر ارشادِ الہی مُشْرَکِیْنَ کُوْنُکَاحِ
 کر کے نہ دو جب تک ایمان نہ لائیں، کو پس

پشت ڈال کر اپنی لڑکیاں شیعہ اشخاص کو نکاح کر دیتے ہیں۔ ایک طرف ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور پھر فرمان الہی کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی پس اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے۔ کا خلاف کرتے ہوئے وہیں اقامت پذیر رہتے ہیں جو لوگ بزرگوں کے عرسوں کو اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں اور سال بسال مقابر پر اجتماع قائم کر کے طعام اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور مقابر کو معبودیت بناتے ہیں اور ساتھ ہی بقرہ منذورہ کی حرمت کا فتویٰ بھی دیتے ہیں **یا للعجب** انہیں یہ سمجھ



۱۔ تعظیم لغیر اللہ کی قصد سے جانور ذبح کرنا یقیناً عبادت میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے فقہائے نے قدوم سلطان پر جانور ذبح کرنے کو حرام کہا ہے۔ ۱۲۔ منہ

۲۔ ذبح میں فقط ذکر لسانی ہی شرط نہیں بلکہ اور شرائط کا وجود بھی ضروری ہے اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو حلت جاتی رہے گی جیسا کہ ذبح للقدوم میں خالصاً للہ کی شرط موجود نہیں۔ ۱۲۔ منہ

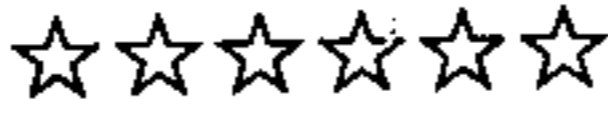
و نہ غیر آں پس ذابح مرتد شدہ مفتی حرمت داخل مصلین گردید و نیت را در صحت و فساد اعمال عبادت سوی العبادات الخالصه و سوی الاسلام مثلاً در حلق و حرمت اشیاء دخلی نیست علی الخصوص در چیزے کہ مامور بہ در اں فقط ذکر لسانی باشد کما فیما

۱۔ ذبح بقصد و نیت تعظیم غیر اللہ داخل عبادت است بنا بر آں فقہاء حکم بحرمت مذبح در صورت ذبح للقدوم فرمودہ اند۔ ۱۲۔ زمؤلف

۲۔ مامور بہ در ذبح فقط ذکر لسانی نیست بلکہ اور شرائط دیگر ہم ہستند کہ بانتفاء یکے از اں ہا حلیت مرتفع شود چنانچہ در ذبح للقدوم شرط خالصاً للہ منشی است۔ ۱۲۔ مؤلف

نحن فيه وقد مرّجه نكاحاً

نہیں آتی کہ حربی کا مسلمانوں کے فتوے سے کیا



۱۔ هذا مبني على القاعدة
المقررة عندهم ان النية انما تعمل
في الملفوظ كما في الاشباه وفي
الحموى اى لا في غيره وذلك لان
النية يقصد به التمييز وانما يتأتى
في لفظ محتمل كعام يحتمل
التخصيص او مجمل يحتاج الى
البيان او مشترك يعين افراده اما
اذا لم يكن اللفظ محتملاً يبقى
مجرد النية لا نائير لها في احكام
الدنيا ولهذا لا يقع الطلاق والعتاق
بمجرد النية الخ وايضاً قال صاحب
الاشباه في الحاشية على قوله وانما
اشترط في العبادات بالاجماع
واعلم ان الاقوال تحتاج الى النية
في ثلاثة مواطن احدها التقرب الى
الله تعالى فراراً من الريا الثانى
التمييز بين الالفاظ المحتملة لغير
المقصود. والثالث قصد الانشاء الخ
محل الاستشهاد قوله لا تائير لها
في احكام الدنيا وقوله احدها
التقرب الى الله تعالى وتخصيص
الاقوال مبني على ان المقصود
بيان احوال الاقوال لا على ان النية
لا اثر لها اثر التليب في الاعمال
حتى لا تكون مداراً للحل والحرمة.

۱۲۔ از مؤلف

۱۔ اس مسئلہ کی بناء اس قاعدہ پر ہے کہ نیت کا
اثر فقط ملفوظ میں ہوتا ہے کما فی الاشباه
والحموى کیونکہ نیت سے مقصود امتیاز
حاصل کرنا ہوتا ہے اور امتیاز کی ضرورت الفاظ
محمولہ میں پڑتی ہے جیسا کہ عام تخصیص کا احتمال
رکھتا ہے اور مجمل بیان کا یا مشترک تعین کا لیکن
اگر لفظ مختلف معانی کا محتمل نہیں تو پھر مجرّ د نیت کا
اثر احکام دنیاوی میں نہ ہوگا جیسا کہ طلاق اور
عتاق مجرّ د نیت سے قطعاً واقع نہیں ہو سکتے الخ
صاحب اشباہ نے حاشیہ پر انما اشترط فی
العبادات کے قول پر لکھا ہے کہ اقوال میں
تین موقعوں پر نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اول
تقرب الی اللہ کے لئے تاکہ ریاء کا احتمال نہ
رہے۔ دوم الفاظ محتملہ میں تمیز کے لئے سوم اگر
انشاء کا ارادہ ہو اس عبارت میں استشهاد
کا محل لا تائیر لها فی احکام
الدنيا اور احدها التقرب الى الله
ہیں۔ باقی اقوال کی تخصیص محض اس بناء پر ہے
کہ مقصود اقوال کا بیان ہے یہ مطلب نہیں کہ
نیت کا اثر اعمال میں بالکل نہیں تاکہ نیت جلت
اور حرمت کی مدار نہ ہو سکے۔ فافہم ۱۲

بغیر نیت یا بہ نیت سفاح حرام نہ مے شود و
 زنا بانیّت ولدِ صالح و فراغ عبادت حلال
 نہ مے شود و شراب مثلاً برائے قوتِ
 نماز و غذا حلال نیست و الحدیث محمول
 علی حذف المضاف مثلاً ای
 ثواب الاعمال علی
 التخصیص کما تقرّر فی
 الاصول والفرع فلترجع
 الیہا ان شئت ولا شک ان
 المفتی بحرمة الذبیحة
 المذكورة لا یدخلها الا فیما
 قصد بذبحہ التقرب الی غیر
 اللہ وقد عرفت انها لیست
 داخلة فیہ او فی قوله تعالیٰ
 وما اهل بہ لغیر اللہ لا غیر
 فلا بد علینا من تحقیق
 معناه فی اللغة والتفاسیر
 رفع الصوت عند الذبح
 باسم غیر اللہ سواء کان
 الغیر صنماً او نبیاً اور غیر
 ہما عند ابی حنیفۃ
 والشافعی و مالک و فی

کام ہے بلکہ ایسے فتویٰ دینے سے فضلوا
 و اضلوا کثیرا کا مصداق بنتے ہیں کیونکہ
 غیر خدا کی تعظیم اور اکرام کے لئے جانور ذبح
 کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتی ہے اور ذابح مرتد
 ہو جاتا ہے اُس کی عورت بائن ہو جاتی ہے۔
 فقہاء کرام نے تقرب الی الغیر اور تقرب
 الی اللہ میں فرق کیا ہے یعنی جو جانور غیر
 خدا کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے اور کھانا
 مقصود نہ ہو بلکہ غیر کی طرف دفع کر دیا جائے۔
 یہ تقرب الی الغیر ہے لہذا جانور مذکور حرام
 ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے امراء و سلاطین کی آمد
 پر محض اکرام و احترام کے لیے جانور ذبح کرنے
 فقہاء نے حرام قرار دیئے ہیں۔ کذافی دُرِّ مختار
 والبزازیہ۔ اور اگر کھانے کے لئے ذبح کرے
 اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرے تو یہ
 ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت غیر کے
 لئے خواہ وہ مہمان ہو یا قصاب یا صاحب ولیمہ کما
 فی البزازیہ۔ جب انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ
 ذبیحہ مذکورہ حرام ہے لہذا حلال کو حرام کہنے سے
 ضالین کا مصداق بنے اور فتوے کی رو سے
 ذبیحہ مذکور سے نہ خود نا ذر نے کھایا، نہ اس کے سوا
 کسی اور نے۔ لہذا

الصَّارِحِ وَأَهْلُ بِالتَّسْمِيَةِ
 عَلَى الذَّبِيحَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى
 وَمَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ أَيْ
 نَوْدَى عَلَيْهِ بِغَيْرِ اسْمِ اللَّهِ
 وَأَصْلُهُ رَفْعُ الصَّوْتِ انْتَهَى
 بِلَفْظِهِ. وَفِي الْبَيْضَاوِيِّ وَمَا
 أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ أَيْ رَفْعُ بِهِ
 الصَّوْتِ عِنْدَ ذَبْحِ اللَّصْنِمِ
 انْتَهَى وَمِثْلُهُ فِي الْمَدَارِكِ
 وَالْجَلَالِينَ وَالْحَسِينِيِّ
 وَغَيْرِهِمَا مِنَ التَّفَاسِيرِ
 الْمَتَدَاوِلَةِ وَفِي حَاشِيَةِ
 الْبَيْضَاوِيِّ لِمَوْلَانَا
 عَبْدِ الْحَكِيمِ قَوْلُهُ أَيْ رَفْعُ بِهِ
 الصَّوْتِ عِنْدَ ذَبْحِهِ
 الضَّمِيرَانِ لِمَا وَزَادَ عَلَى
 الْكَشَافِ عِنْدَ ذَبْحِهِ يَبَانَا
 لِتَلْبَسَ أَوِ السَّبَبِيَّةِ
 الْمُسْتَفَادَةِ مِنَ الْبَاءِ فَهِيَ بَدَلُ
 مِنْ بَاءٍ أَوْ عَطْفِ بَيَانٍ وَ
 لِلصَّنَمِ أَنْ يَذَكَرَ اسْمُهُ
 عِنْدَ الذَّبْحِ عَلَى مَا فِي
 الْكَوَاشِيِّ وَتَاجُ الْبِيهَقِيِّ وَ
 غَيْرُهُمَا وَمَعْنَى وَمَا أَهْلُ بِهِ
 لِغَيْرِ

ذابح مرتد ہو اور مفتی حرمت میں داخل مہملین
 ہوا (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا
 وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا) باقی نیت کو
 بندوں کے اعمال کی صحت اور فساد میں قطعاً کوئی
 دخل نہیں۔ ہاں عباداتِ خالصہ اور اسلام میں
 نیت کا اعتبار ہے۔ اسی طرح اشیاء کی حلت اور
 حرمت میں بھی نیت کا کوئی تعلق نہیں خصوصاً اس
 چیز میں جس میں فقط ذکرِ لسانی کا حکم ہو۔ جیسا
 کہ ما نحن فیہ میں کیونکہ نکاح کے الفاظ
 بغیر نیت کے زبان پر جاری کیے جائیں یا زنا
 کے ارادہ سے نکاح حرام نہیں ہو جاتا۔ اسی
 طرح حولدِ صالح کے ارادہ سے یا فراغتِ قلب
 کے خیال سے زنا حلال نہیں ہو سکتا یا شراب
 قوت علی الصلوٰۃ کی نیت سے یا غذا کی غرض سے
 پینا حلال نہیں ہے الاعمال بالنیات کی
 حدیث حذفِ مضاف اور تخصیص پر محمول ہے
 یعنی ثواب الاعمال بالنیات جیسا کہ
 کتب اصول اور فروع میں ثابت ہو چکا ہے۔
 یقیناً مفتی حرمت نے ذبیحہ مذکورہ کو ان
 جانوروں میں داخل کیا ہے جن کی ذبح سے
 تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو۔ اور یہ بات بالکل
 واضح ہو چکی ہے کہ ذبیحہ مذکورہ ان میں یا
 ما اهل به لغير الله میں ہرگز

اللہ نودی علیہ بغیر اسم
 اللہ انتھی۔ ترجمہ اش این است
 کہ ضمیر بہ و ضمیر ذبحہ کہ در عبارت
 بیضاوی است راجع است بئوئے ما کہ
 عبارت از ذبیحہ است و زیادہ کردہ صاحب
 بیضاوی بر عبارت کشاف لفظ عند
 ذبحہ را برائے بیان ملاست یا سبیت
 کہ استفاد انداز بائے بہ پس لفظ عند
 ذبحہ بدل از بہ است یا عطف بیان۔
 والجار والجر ورنی قولہ للصنم متعلق
 است بر رفع و علی ہذا معنی
 رفع الصوت للصنم این کہ ذکر
 کردہ شود اسم صنم بوقت ذبح و این معنی
 موافق تفسیر الکواشی و کتاب اللغۃ تاج بہتقی
 ست وغیر آں ہر دو معنی و ما اہل بہ
 لغیر اللہ آواز کردہ شود بغیر اسم اللہ در
 وقت ذبح انتھی۔ ترجمتہ۔

داخل نہیں۔ اب آیت و ما اہل بہ لغیر
 اللہ کی تحقیق ضروری چیز معلوم ہوتی ہے اللہ
 تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے۔ واضح ہو کہ و ما
 اہل بہ لغیر اللہ کا معنی لغت اور تفاسیر
 میں رفع الصوت عند الذبح باسم غیر اللہ ہے خواہ
 وہ غیر بت ہو یا نبی ہو یا کوئی اور یہ معنی امام
 ابوحنیفہ اور امام شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کے
 نزدیک متفق علیہ ہے۔ صراح میں ہے۔ اہل
 بالتسمیۃ علی الذبیحۃ یعنی ذبیحہ
 پر بسم اللہ کے ساتھ آواز بلند کی گئی۔ قولہ تعالیٰ
 و ما اہل بہ لغیر اللہ۔ جس پر اللہ تعالیٰ
 کے نام کے سوا آواز بلند کی جائے۔ دراصل اس
 کا معنی مطلق آواز بلند کرنا ہے۔ اھک۔ تفسیر
 بیضاوی میں ہے ما اہل بہ لغیر اللہ۔
 یعنی جس پر ذبح کے وقت بت کا نام پکارا
 جائے۔ اھک اسی طرح مدارک جلالین، تفسیر
 حسینی وغیر ہم تفاسیر متداولہ میں موجود ہے۔
 بیضاوی کے حاشیہ پر مولانا عبدالحکیم صاحب
 لکھتے ہیں کہ بہ اور ذبحہ کی دونوں ضمیریں
 لفظ ما کی طرف راجع ہوں گی جس سے ذبیحہ
 مراد ہے۔ علامہ بیضاوی نے کشاف کی عبارت
 پر عند ذبحہ کا لفظ زیادہ کیا ہے۔ جس کا
 مقصد ملاست یا سبیت

بیان کرنا ہے جو بہ کی با سے حاصل ہو رہی ہے لہذا عند ذبحہ کا لفظ بہ سے بدل یا عطف بیان واقع ہوگا۔ اور للصنم کے جار و مجرور رفع کے متعلق ہوں گے اس بناء پر معنی ہوگا رفع الصوت للصنم یعنی ذبح کے وقت بت کا نام ذکر کرنا۔ یہ معنی تفسیر الکواشی اور تاج بیہقی کی کتاب اللغۃ کے بالکل موافق ہے۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ذبیحہ حرام ہے جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام بلند کیا جائے۔ مندرجہ بالا تحقیق پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے کہ وہ جانور حرام ہے جسے غیر خدا کے ساتھ منسوب اور مشہور کیا جائے۔

یہ تفسیر بالرابی ہے اور تفسیر متداولہ اور کتب لغت کے صراحتہ مخالف ہے اور کاغذ سیاہ کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دراصل مولانا کی غلطی کا منشاء لغير الله میں لام کو تعلیل یا تملیک یا اختصاص کے لیے فرض کر لینا ہے اور یہ سہو ہے۔ بلکہ یہ اہل کا مفعول ہے کما تر انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اگر لام کو

پس معنی آ یہ کریمہ چینیں خواہ شد کہ حرام است ذبح کہ آواز بلند کردہ شود بنام غیر اللہ در وقت ذبح آل و اذا علمت معنی الآية علی ما قاله البيضاوی و محشیہ مطابقا للتفاسیر واللغة عرفت ان ما کتبه مولانا الحافظ المحدث عبدالعزیز الدہلوی فی تفسیرہ عند قوله تعالیٰ وما اهل به لغير الله و حاصل ما فیہ حرام است جانورے کہ مشہور و منسوب کردہ شود برائے غیر خدا تفسیر من عند نفسه و

ناظرین پر واضح ہو کہ جن عبارتوں کا اردو ترجمہ قبل ازیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دلائل کے ضمن میں گزر چکا ہے اُسے دوبارہ نہیں لکھا گیا۔ ۱۲۔

مخالف للتفاسير واللغة و
تسويد للاوراق لا غير و منشأ
غلطه عمل اللام في قوله
تعالى لغير الله على التعليل
او التملك والاختصاص
وهو سهو ظاهر بل هي مفعول
لا هل كما مر ولم يد رانه اذا
كان اللام للتملك او
الاختصاص يلزم ان لا يكون
حراماً ما ذبح بشراكة اسم
غير الله مع انه حرام كما في
الهداية وغيره وفي تبصير
الرحمن وما اهل به لغير الله
فانه ان ذكر معه اسم الله فقد
عارض المطهر فيه المنجس
مع نجاسته بالموت وان لم
يذكر فقد زيد في تنجسه
انتهى وفي تفسير الدر المنثور
للسيوطي قوله تعالى وما
اهل به لغير الله اخرج ابن
المنذر عن ابن عباس في

اختصاص یا تملیک کے لیے بنایا جائے تو لازم
آئے گا کہ وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کا نام غیر
کے ساتھ شریک کر کے لیا جائے حرام نہ ہو
حالاں کہ وہ حرام ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں
مذکور ہے۔ تبصیر الرحمن میں ہے کہ اگر ذابح
نے غیر کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام بھی
لے لیا تو پاک اور نجس دونوں چیزیں آپس
میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ اور ایک نجاست موت
کی وجہ سے بھی اس جانور میں حاصل ہے اور
اگر فقط غیر خدا کا نام لیا تو موت کی نجاست پر
اور نجاست زیادہ ہو گئی۔ اھک۔

قوله تعالى وما اهل قال ذبح
واخرج ابن جرير عن ابن
عباس في قوله تعالى وما اهل
به لغير الله يعني ما اهل
للطواغيت و اخرج ابن ابي
حاتم عن مجاهد وما اهل قال
ما ذبح لغير الله و اخرج ابن
ابى حاتم عن ابي العالية وما
اهل به لغير الله يقول ما ذكر
عليه اسم غير الله انتهى۔

فما قال ذلك المحدث في
تفسيره واهل را بر ذبح حمل کردن
خلاف لغت و عرف است هرگز اهلال در
لغت عرب و عرف آل دیار و آن وقت بمعنی
ذبح نیامده در هیچ شعر و عبارت انتهی
بالفاظه مخالف لتلك
الاحادیث و مبنی علی السهو
عنها وقد عرفت من حاشیة
البيضاوی ان معنی ما ذبح
وما اهل للطواغيت و ما ذبح
لغير الله كما واقع في تلك

تفسیر دُرّ منثور میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ
ابن منذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
وَمَا أَهْلٌ كَامَعْنَى ذَبْحٍ نَقَلَ كَمَا هِيَ فِي طَرَحِ
ابن جریر نے ابن عباس سے مَا أَهْلٌ بِهِ
کی تفسیر میں مَا أَهْلٌ لِلطَّوَاغِيَةِ ذَكَرَ
کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مَا
أَهْلٌ أَي مَا ذَبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ كَمَا
ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابی العالیہ سے مَا
أَهْلٌ أَي مَا ذَكَرَ عَلَيْهِ اسْمٌ غَيْرِ
اللَّهِ رَوَيْتَ كَمَا هِيَ۔ اھك

لہذا مولانا محدث دہلوی صاحب کا اپنی تفسیر
میں یہ لکھنا کہ ”اہل کو ذبح کے معنی پر حمل
کرنا دیار عرب کی لغت اور عرف کے بالکل
خلاف ہے اور عرب کے کسی شعر یا عبارت
میں اهلال بمعنی ذبح استعمال نہیں ہوا۔“
مندرجہ بالا احادیث کے مخالف ہوگا۔ بیضاوی
کے حاشیہ سے بالکل واضح ہو چکا ہے کہ ما
ذبح اور ما اهل للطواغيت اور
ما ذبح لغير الله کا معنی جیسا کہ
مندرجہ بالا احادیث میں واقع ہے۔ ”ما
ذکر علیہ اسم غیر اللہ“ ہوگا۔
جیسا کہ ابن ابی حاتم نے نقل کیا

الاحادیث هو ما ذکر علیہ
اسم غیر اللہ كما اخرجہ ابن
ابی حاتم و عرفت ان النیة لا
تعرض لها فی الآیة والتفاسیر
ولما ادار ذلك المحدث الحل
والحرمة علی النیة فی جواب
هذه الاستفتاء اوردت عبارتہ
معلماً بخط مبیناً من
اغالیطہ ' لیستقر الحق
علی عرش التحقیق فاقول و
باللہ التوفیق و منه التوفیق۔

قوله: مدار حل و حرمت ذبیحہ بر قصد و نیت
ذبح است اگر نیت تقرب الی اللہ برائے
اکل خود یا برائے تجارت و دیگر امور مباح
ذبح مے کند حلال است و الاحرام۔

جواب: بخلاف الكتاب كما
عرفت لان الذبيحة المذكورة
للتقرب الى الله بالمعنى
الذى اتفق عليها الفقهاء ولان
الذبيحة المذكورة والذبيحة
للتجارة

ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آیت اور تفاسیر
میں نیت کا کہیں بھی ذکر نہیں لیکن مولانا
محدث نے چوں کہ حلت اور حرمت کی مدار
نیت پر رکھی ہے۔ لہذا میں ان کی عبارت خط
کشیدہ صورت میں نقل کر کے ناظرین کو
اغالیط سے مطلع کرتا ہوں کہ حق عرش تحقیق پر
پہنچ جائے۔ فاقول وباللہ
التوفیق و منه التوفیق۔

قوله: ذبیحہ کی حلت و حرمت کی مدار ذابح کی
قصد و نیت پر موقوف ہے۔ اگر تقرب الی اللہ
کے ارادہ سے یا کھانے کے لئے یا تجارت اور
دیگر امور مباح کے لیے ذبح کرے تو حلال
ہے ورنہ حرام ہے۔ اھک۔

جواب: یہ قرآن کے برخلاف ہے جیسا کہ
ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں۔ کیونکہ ذبیحہ
مذکورہ تقرب الی اللہ کے لیے ہے۔ اس معنی
کے لحاظ سے جس پر فقہاء کا اتفاق ہو چکا
ہے۔ علاوہ ازیں ذبیحہ مذکورہ اور تجارت وغیرہ
کے لئے جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں یہ سب

مفسر صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب) کی تفسیر کے مطابق اہل بہ لغیر اللہ ہیں یعنی سب پر غیر خدا کا نام بلند کیا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ مہمان کے لئے ذبح کر رہے ہیں۔ فلاں مولوی صاحب کی دعوت ہے۔ پھر ایک پر حلت کا حکم کرنے سے سب پر حلت کا حکم ہو جائے گا۔ خاتم المحدثین نے تفسیر نیشاپوری کا جو حوالہ ذکر کیا ہے۔ قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ و قصد بذبحها التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحۃ ذبیحۃ مرتد۔ اھک

مانحن فیہ سے خارج ہے۔ کیوں کہ تفسیر میں اس جانور کی حرمت بیان کی گئی ہے جو تقرب الی غیر کی نیت سے ذبح کیا جائے اور ذبیحہ مذکورہ (جو جانور ایصالِ ثواب کے ارادہ سے ذبح کیا جاتا ہے) اس قسم سے نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ولامور المباحة کلها اهل به لغیر اللہ بالمعنی الذی فسرہ ذالک المجیب بہ وحکم الحل باحدہا حکم الحل بالکل وما تمسک ذالک المجیب حیث قال قال فی التفسیر النیسا پوری تحت قوله تعالیٰ وما اهل به لغیر اللہ قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ و قصد بذبحها التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحۃ ذبیحۃ مرتد انتھی۔

فلیس مانحن فیہ لان المذكور فی هذا التفسیر حرمة ما قصد بذبحه التقرب الی غیر اللہ وهذه الذبیحۃ لیست کذالک كما مر مراراً و کذالک ایرادہ عبارة الدر المختار شرح تنویر الابصار ذبح لقدم الامیر و نحوه کواحد من العظام یحرم لانه اهل به

اسی طرح در مختار کی عبارت ذبح لقدم
الامیر و نحوه کو احد من
العظماء الی آخره۔

لغير الله وذكر اسم الله تعالى
عليه ولو ذبح للضيف لا
يحرم لانه سنة الخليل عليه
السلام واكرام الضيف اكرام
الله تعالى والفارق انه ان
قصد منها لياً كل منها كان
الذبح لله والمتعة للضيف او
للوليمة او للربح وان لم
يقدمها لياً كل بل يدفعها
لغيره كان لتعظيم غير الله
فتحرم وهل يكفر قولان
(بزازيه و شرح وهبانية) قلت
وفي صيد المنية انه يكره ولا
يكفر لانا لا نسئ الظن
بالمسلم انه يتقرب الی
الادمی بهذا النحو ونحوه في
شرح الوهبانية عن النخيرة
ونظمه فقال (و فاعله جمهور
هم قال كافر

عبارت الذخيره

و فضلی و اسمعیل لیس یکفر
تک کے ساتھ استدلال کرنا بھی خارج از
بحث

و فضلی و اسمعیل لیس
یکفر (انتھی کان کلامه فی
التقرب الی غیر الله کما
ینادی علیه

قوله والفارق الخ وقوله
 لا نالانسئ الظن بالمسلم انه
 يتقرب الى الادمى بهذا
 النحو والا قدوم امير از امور مباحه
 است پس چگونه ذبیحہ برائے او حرام سے
 شد۔ عند ذلك المجيب ايضا
 ولعلك علمت من عبارة الدر
 المختار ان كون الذبيحة
 للضيف والوليمة والاعراس
 والربح كذبيحة القصاب
 حلالاً انما هو انها ذبيحة لله
 لا انها ذبيحة للامور المباحة
 كما فهمه ذلك المجيب
 فانظر الى اغاليطه وعلمت
 ايضاً من عبارته ان المفتى
 بحرمة الذبيحة المذكورة قد
 دخل في الضالين المضلين
 واز قبيل خارج عن البحث است۔ ما قال
 ذلك المجيب من انه وهكذا
في مطالب المؤمنين
والاشباه والنظائر وفي
الحديث لعن الله من ذبح
لغير الله رواه احمد وايضاً

ہے کیوں کہ یہ سب کلام تقرب الی الی غیر میں
 ہے جیسا کہ والفارق الخ اور قولہ اننا
 لانسئ الظن بالمسلم انه
 يتقرب الى الادمى بهذا النحو
 سے صراحتہ معلوم ہو رہا ہے۔ ورنہ قدوم امیر
 وغیرہ امور مباحہ میں سے ہے۔ لہذا مفسر
 صاحب کے نزدیک قدوم امیر کی ذبیحہ کس
 طرح حرام ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں ذر مختار کی
 عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان، ولیمہ
 اور عرس کے لئے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے وہ
 قصاب کی ذبح کی طرح حلال ہے۔ کیونکہ
 ان سب میں ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور
 نفع غیر کے لئے ایسا نہیں جیسا کہ مفسر
 صاحب نے سمجھا ہے کہ یہ سب ذبائح امور
 مباح کے لئے ہونے کی وجہ سے حلال ہیں۔
 (فانظر الى اغاليط) اس کی عبارت
 سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ذبیحہ مذکورہ کو حرام
 کہنے والا مفتی ضالین مضلین میں داخل ہے۔
 اسی طرح اشباہ و نظائر اور مطالب المؤمنین
 وغیرہ کے حوالے اور حدیث لعن اللہ
 من ذبح لغير الله الخ تا

ملعون من ذبح لغير الله رواه
ابو داؤد وفي غرائب ابي
عبيد و بستان الفقيه و كنز
العباد انه لا يجوز ذبح البقره
والغنم عند القبور لقوله عليه
السلام لا عقرب في الاسلام
يعنى عند القبور هكذا في
سنن ابي داؤد و كذا لا يجوز
على البناء الجديد وعند شراء
الدار لان النبي صلى الله
عليه وسلم نهى عن ذبائح
الجن بناء على انهم يكرمون
فابطل النبي صلى الله عليه
وسلم نهى عنه لانه لا كلام
في ذبائح لغير الله تعالى وقد
مر معناه وسياتي في كلام
المجيب و عند القبور والبناء
وعند الشراء وللجن على ان
الذبائح للبناء وعند الشراء
والجن مكروه لا انها حرام
كما في كنز العباد وغيره
وايراد هذه الاحاديث في
افتاء

نهى عن الذبائح الجن تک تمام
 قصہ خارج از بحث ہے کیونکہ ہماری کلام
 ذبائح لغير اللہ میں نہیں کما مر مرآزا۔
 باقی قبروں کے نزدیک ذبح کرنا یا بناء الدار یا
 شراء الدار کے وقت یا جنوں کے لئے ذبح
 کرنا مکروه ہے۔ حرام نہیں۔ کما فی کنز
 العباد وغيره۔

حرمة الذبيحة المذكورة يدل
 على غفلته من اقوال الفقهاء
 وعلمها شرط للافتاء كما تقرر
 وايضاً انما نهى النبي صلى
 الله عليه وسلم للاكرام
 والمسلمون لا يكرمون احداً
 وان ما يندرون له ويذبحون
 فانهم يهبون ثواب الطعام
 لاولياء وغيرهم كما
 لامواتهم ويزيد التعجب
 للعقلاء تمسك المجيب في
 حرمة الذبيحة المذكورة بقوله
وهكذا في كتب الشافعية كما
قال النووي في شرح مسلم
في تفسير ما اخرج من قوله
صلى الله عليه وسلم لعن
الله من لعن والده ولعن الله
من ذبح لغير الله واما الذبح
لغير الله فالمراد به ان يذبح
باسم غير الله كما ذبح
للصنم او للصليب او
لموسى وعيسى عليهما
السلام او الكعبة ونحو ذلك
فكل هذا حرام ولا تحل هذه

مندرجہ بالا احادیث سے ذبیحہ مذکورہ کی
 حرمت پر استدلال کرنا اس بات پر دلالت
 کرتا ہے کہ آپ فقہاء کے اقوال سے بالکل
 غافل ہیں اور فتوے کے لئے ان پر مطلع ہونا
 شرط ہے **کما تقرر فی مقررہ ایضاً**
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے
 اکرام سے منع فرمایا ہے اور مسلمان غیر خدا
 کے اکرام کے لئے ہرگز ذبح نہیں کرتے بلکہ
 اس طعام کا ثواب اولیاء کی ارواح کو بخشتے
 ہیں۔ جس طرح وہ اپنے مردوں کے لئے
 خیرات وغیرہ کرتے ہیں۔ سمجھ دار آدمی کے
 لئے زیادہ تعجب اس دلیل پر ہے جو خاتم
 الحدیث نے **ہکذا فی کتب**
الشافعیۃ **کما قال النووي فی**
شرح المسلم فی تفسیر ما
اخرجہ من قوله صلی اللہ
علیہ وسلم لعن اللہ من لعن
والدہ ولعن من ذبح لغير
اللہ۔۔۔۔۔

الذبيحة سواء كان الذابح
مسلمًا او نصرانيًا او يهوديًا
كما نص عليه الشافعيّ واتفق
عليه اصحابنا فان قصد مع
ذالك تعظيم المذبوح لغير
الله والعبادة له كان ذالك
كفرًا فان كان الذابح مسلمًا
قبل ذالك صار بالذبح مرتدًا
وذكر الشيخ ابراهيم المروزي
من اصحابنا ان ما يذبح عند
استقبال السلطان تقريبًا اليه
انه افتى اهل بخارى بتحريمه
لانه مما اهل به لغير الله قال
الرافعي هذا انما يذبحونه
استبشار القدر فهو كذبح
العقيقة لولادة المولود ومثل
هذا لا يجزى التحريم والله
اعلم لان المذكور في كتب
الشافعية حرمة الذبيحة باسم
غير الله وحرمتها متفق
عند ابي حنيفة والشافعيّ
والمالك والمرتد بذبحه هو
المتقرب الى غير الله كما لا
يخفى.

الى قول الرافعيّ ومثل هذا لا
 يجزى التحريم۔ اھک کی عبارت میں
 پیش کی ہے۔ کیونکہ شوافع کی کتابوں میں ان
 جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے جو غیر خدا
 کے نام کے ساتھ ذبح کیے جاتے ہیں اور
 ایسے جانوروں کی حرمت پر امام ابو حنیفہؒ،
 شافعیؒ، مالکؒ سب متفق ہیں۔ (لہذا شوافع کی
 خصوصیت کے ساتھ علیحدگی بیان کرنا اور پھر
 رافعیؒ کے قول کو نقل کرنا جو صراحتہً متدل کے
 خلاف ہے یا للعجب)

قوله فان قيل قوله تعالى وما لكم ان لا تاكلوا مما
 ذكر اسم الله عليه سے لے کر

قوله فان قيل قوله تعالى وما
 لكم ان لا تاكلوا مما ذكر اسم
 الله عليه وقد فصل لكم ما
 حرم عليكم الا ما اضطررتم
 اليه وكذا قوله فكلوا مما ذكر
 اسم الله عليه ان كنتم باياته
 مؤمنين عام " يتناول ما قصد
 به التقرب الى غير الله وغيره
 فيكون الكل حلالا قلنا هذه
 الآيات عامة مخصصة
 بالنص الآخر وهو قوله
 تعالى في سورة المائدة
 حرمت عليكم الميتة والدم
 ولحم الخنزير وما اهل لغير
 الله به والمنخقة والموقوذة
 والمتردية والنطيحة وما اكل
 السبع الا ما ذكيتم وما ذبح
 على النصب فلو ان رجلا
 خنق شاة وذكر اسم الله
 عليها لا تحل له لانه ذكر
 اسم الله عليها وكذا اذا ذبح
 شاة على نصب من الانصاب
 او على قبر من

القبور وقصد به التقرب الى
صاحب القبر او صاحب
النصب وذكر اسم الله عليها
لا تحل بهذا النص الصريح
ومدار كل ذلك على قصد
التقرب الى غير الله وتغيير
الطريق المشهور في الذبح
من استعمال الآلة المحددة
ونحو ذلك فعلمنا انها اى
قوله وقد فصل لكم حواله
على ما ذكر في الايات
الآخري كاية المائدة وغيرها
وكان سبب نزول هذه الآية
شبهة المشركين حيث كانوا
يقولون للمسلمين بطريق
الالزام انتم لا تأكلون الميتة
وقد قتلها الله وتأكلون ما
تقتلون بايديكم وقد رجعتم
مقتولكم على مقتول الله
فاجاب الله تعالى عن ذلك
بان الميتة لم يذكر معها اسم
الله فلذلك حرمت وكذا

الموقوذة والمنخقة والمتردية
لم تقتل علي الوجه الماذون
فيه من الله فحرمت وما
قتلناه بايدينا انما صار حلالا
لان قتلها وقع باذن الله
وبالوجه المشروع بحيث
خرج منه الدم المسفوح ومع
ذكر اسم الله فتحليل هذا و
تحريم ذلك عين التعظيم
لامر الله واما حديث القتل
مغالطة وهمية لان الكل
مقتول الله سواء كان بايدينا
او بايدي غيرنا او ماتت حتف
انفها اذ لاموت عندنا الا باذن
الله قال تعالى الله يتوفى
الانفس حين موتها ولذلك
اجمع اهل السنة والجماعة
على ان المقتول ميت لاجله
هذا والله اعلم. تطويل بلا
طائل لانا لنقول بتعميم
الآية بل مخصصة وبعد
التخصص الذبيحة

ولذلك اجمع اهل السنة
 والجماعة على ان المقتول
 ميت "لاجله" تک تطویل بلا طائل
 ہے۔ کیونکہ ہم آیت ما اهل به کو عام نہیں
 کہتے بلکہ مخصصہ کہتے ہیں اور تخصیص کے بعد

المذكورة داخلة في الآية لانها ليست ميتة ولا دماً ولا لحم الخنزير ولا ما اهل لغير الله به ولا منخقة ولا موقوذة ولا متردية ولا نطيحة ولا ما اكل السبع ولا ما ذبح على النصب ولا ما قصد به التقرب الى غير الله وهو ظن نعم بعد الافتاء بحرمتها تدخل فيما قصد به التقرب الى غير الله وما اهل لغير الله به وقد تقرر ان السكوت في معرض البيان يفيد الحصر فظهران المحرمات منحصرة في المذكورات في الكتاب والسنة واقوال المجتهدين والزيادة عليها اختراع ملة والذبيحة المذكورة ليست داخلة في شيء منها كما لا يخفى وكذا قوله ما وقع في البيضاوي وغيره من التفاسير انهم قالوا

وما اهل

مذكورة آيت میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ ميتہ ہے نہ خون ہے نہ سور کا گوشت وغيرہ الخ

کما هو ظاهر۔ ہاں اس فتویٰ کے بعد ذبیحہ مذکورہ ما اهل به لغير الله اور ما قصد به التقرب الى الغير میں داخل ہو جائے گی اور اپنی جگہ پر یہ اصول کہ بیان کے موقعہ پر خاموش ہو جانا بیان کے مترادف ہوتا ہے یعنی السكوت في معرض البيان بيان "حصر کا فائدہ دے گا۔ لہذا محرمات وہی ہوں گے جن کا قرآن کریم، سنت نبوی اور اقوال مجتہدین میں ذکر ہے۔ مذکورہ محرمات کے علاوہ کوئی اور قسم زیادہ کرنا یہ اختراع فی الدین ہے کیونکہ ذبیحہ مذکورہ ان اشیاء میں ہرگز داخل نہیں۔ اسی طرح قوله ما وقع في البيضاوي الخ تا سواء ذكروا اسم الله عليه عند مرار السكين ام لا بھی خارج از بحث ہے۔

به اى مارفع الصوت به عند
ذبح للصنم فمبنى على جرى
عادة المشركين فى ذلك
الزمان ولذالم يفرقوا فى
التفاسير القديمة بين ما ذكر
اسم غير الله عليه وبين ما
قصد بذبحه التقرب الى غير
الله لان مشركى ذلك
الزمان كانوا مخلصين فى
الكفر وكانوا اذا قصدوا التقرب
بذبح البهمية الى غير الله
ذكروا عليها عند الذبح اسم
ذلك الغير بخلاف مشركى
المسلمين فانهم يخلطون بين
الكفر والاسلام فيقصدون
التقرب بالذبح الى غير الله
ويذكرون اسم الله عليها
وقت الذبح فالاول كفر صريح
والثانى كفر صورته صورة
الاسلام و كانوا يعتقدون ان لا
طريق للذبح الا هذا سواء كان
الذبح لله او لغير الله وقد

تجرى هذه العادة فى زماننا
 ايضاً فانهم يشهرون ان فلانا
 يذبح بقرة لاجل السيد احمد
 كبير مثلاً سواء ذكروا اسم الله
 عند امرار السكين ام لا لان
 كتاب ربنا هو الذى نزل فى
 مقابلة المشركين والمسلمون
 لا يتقربون بذبح بهيمة الى
 غير الله لانهم ياكلون
 لحومها والقول بان معنى
 التقرب الى غير الله تشهير
 البهيمة باسم غير الله ايضاً
 من مخترعاته نعم اقام
 صاحب البيضاوى للصنم
 مقام غير الله تنبيها على ان
 المقصود بالخطاب هم
 المشركون لانهم كانوا
 يستحلون هذه الامور وليس
 المراد تخصيص الغير به
 على ما ذهب اليه عطاء و
 مكحول والحسن والشعبى و
 سعيد ابن المسيب حيث
 اباحوا ذبيحة النصرانى

کیونکہ قرآن کریم مُشرکین کے مقابلہ کے
 لئے نازل ہوا ہے اور مسلمان ہرگز غیر خدا
 کے تقرب کے لئے جانور ذبح نہیں کرتے
 کیونکہ وہ اسی جانور کا گوشت کھاتے ہیں۔
 باقی تقرب الی الغیر کا یہ معنی کہ اس جانور پر
 غیر خدا کا نام مشہور کیا جائے یہ بھی مولانا
 الحدّث کے اختراعات سے ہے۔ اور
 بیضاوی نے لغیر اللہ کا معنی للصنم
 اسی مقصد پر تنبیہ کے لئے کیا ہے کہ آیت میں
 خطاب مشرکین کے لئے ہے۔ کیونکہ مشرکین
 ہی ان اشیاء کو حلال سمجھتے تھے نہ اس لیے کہ
 لغیر اللہ عام ہے اور للصنم سے تخصیص مراد ہے
 جیسا کہ عطا اور مکحول۔

اذا اسمى عليها باسم المسيح
لانه خلاف مذهب الائمة
مالك و ابو حنيفة والشافعي
فانهم اتفقوا على حرمتها
عملا بظاهر النص فانظر
كيف قطعوا دابر النية في
حل الذبيحة وحرمتها والا

حسن، شعبي، سعيد ابن مسيب وغيره کا مذہب
ہے۔ ان حضرات نے نصرانی کی ذبیحہ کو جس
پر اُس نے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا ہے۔
حلال کہا ہے۔ امام مالک، شافعی اور امام
ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذہب کے خلاف



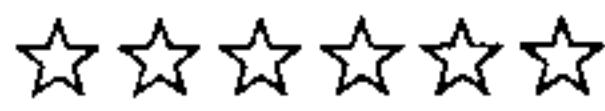
ل نعم لكن بناء على القاعده المذكوره
فيما قبل من الاشباه والنظائر ونظر الى
شرط الذكر المجرد لا على ان النية لا اثر
لها في الحرمة مطلقاً والا فكيف
يحكمون بحرمة الذبيحة لقدم القادم لا
يقال حرمتها لاجل ذكر اسم الغير عند
ذبحه مجرد اومع اسم الله تعالى لا نا
نقول يا اباہ قولہم لو ان مسلما ذبح
ذبيحة لله قولہم ذبح لقدم الاميرو
نحوہ کو احد من العظماء يحرم لانه اهل
به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى
عليه وعلى فرض عدم الابهاء قوله
تعالى وما ذبح على النصب على ما
فسره سليمان الجمل ونقلناه سابقا
صريح في ان موجب الحرمة هو قصد
الذبح لتعظيم غير الله لا ذكر اسم ذلك
الغير وهو موجودهنا. ۱۲

ہاں ٹھیک ہے لیکن اس کی مدار اُس قاعدہ پر ہے جو ہم
پہلے اشباہ والنظائر سے نقل کر چکے ہیں۔ اور ذبح کی شرط
ذکر مجرد پر ہے اس لیے نہیں کہ مطلقاً نیت کا کوئی دخل
نہیں۔ ورنہ فقہاء پھر قدم امیر کی ذبیحہ کو کیوں حرام کہتے
ہیں۔ باقی یہ جواب دینا کہ اس ذبیحہ پر غیر خدا کا نام فقط یا
اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لیا گیا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ
لو ان مسلما ذبح ذبيحة لله کا قول اور
ذبح لقدم الامير اللہ یہ عبارتیں اس معنی سے
انکار کر رہی ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ عبارتیں اس سے
انکاری نہ ہوں تب بھی ما ذبح على النصب کی
جو تفسیر علامہ سلیمان جمل سے ہم نقل کر چکے ہیں وہ تصریح
ہے کہ حرمت ذبیحہ کی علت تعظیم لغير الله کی قصد ہے نہ فقط
غير الله کا نام لینا اور ذبیحہ نصرانی میں تعظیم لغير الله موجود
ہے۔

فكيف اتفق الائمة الثلاثة
على حرمة الذبيحة باسم
المسيح لان النصراني يعنى
بالمسيح الله وقال ان الله هو
المسيح ابن مريم فافهم واما
قوله وما وقع في الهداية
ويكره ان يذكر مع اسم الله
تعالى شيئاً اخر وهو ان يقول

ہے۔ کیونکہ ائمہ کرام اس جانور کی حرمت پر
متفق ہیں ظاہر نص کی وجہ سے۔ اب خیال کرو
کہ ائمہ ثلاثہ کا اتفاق دلیل ہے اس بات پر
کہ نیت کو حلت و حرمت ذبیحہ میں کوئی دخل نہیں
کیونکہ نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان اللہ هو
المسيح ابن مريم قوله ما وقع
في الهداية ويكره ان يذكر مع
اسم اللہ تعالیٰ شيئاً آخر۔

-----تا



۱۔ قاعدہ مذکورہ کو اچھی طرح دیکھ لے تاکہ
تجھے اتفاق کی وجہ معلوم ہو جائے۔ مؤلف

۱۔ انظر في القاعدة المذكورة
حتى يتبين لك وجه الاتفاق۔
از مؤلف۔

عند الذبح اللهم من فلان
 وهذه ثلث مسائل احدها ان
 يذكر موصولاً لامعطوفاً
 فنكره ولا يحرم الذبيحة وهو
 المراد بما قال وتظيره ان
 يقال بسم الله محمد رسول
 الله لان الشركة لم توجد فلم
 يكن الذبح واقعاله الا انه يكره
 لوجود القرآن صورة
 فيتصور بصورة المحرم
 والثانيه ان يذكر موصولاً
 على وجه العطف والشركة
 بان يقول بسم الله واسم فلان
 او يقول بسم الله وفلان او
 بسم الله ومحمد رسول الله
 بكسرا الدال فتحرم الذبيحة
 لانه اهل به لغير الله. والثالثة
 ان يقول مفصلاً عنه صورة و
 معنر بان يقول قبل التسمية
 وقبل ان يضجع الذبيحة
 وبعد الذبح وهذا لا بأس به لما
 روى ان النبي صلى الله
 عليه وآله وسلم قال بعد

الذبح اللهم تقبل هذه عن امة
محمد ممن شهد لك
بالوحدانية ولى بالبلاغ
والشرط هو الذكر الخالص
المجرد على ما قال ابن
مسعود رضى الله عنه جرّدوا
التسمية انتهى ما فى الهداية
صريح فيما ذكرنا من ان
قصد التقرب الى غير الله
محرم للذبيحة سواء كان
بطريق الاستقلال او بطريق
الشركة نعم لو ذكر ذكراً
مجرّداً من غير قصد التقرب
الى غير الله ففيه تفصيل فان
ذكر موصولاً لا معطوفا يكره
مثلا ان يقول بسم الله محمد
رسول الله اللهم تقبل من
فلان ولا يحرم الذبيحة لعدم
قصد التقرب اليه وانما كره
لاجل مشابهته فى ذلك
بذكر اسم غير الله بقصد
التقرب ولو ذكره معطوفاً
تحرم ايضا وان لم يكن فيه

معنى التقرب لكنه صريح في
الشركة والصريح لا يحتاج
الى النية واذا ذكر مفصلاً لا
بطريق العطف ولا بطريق
الوصول لا تكراه
ولا تحريم لا انتفاء المشابهة
صورة ومعنى مثلاً ان يقول
بسم الله وتوقف ثم قال
محمد رسول الله من غير
قصد التقرب الى غير الله
واذا عرفت معنى هذا الكلام
عرفت ان صاحب الهداية
وضع المسئلة فيما اذا لم
يكن المذكور مقروناً بقصد
التقرب الى الغير بل ذكراً
مجرداً فهو بمعزل عن
مسئلتنا الموضوعه فيما
قصد التقرب الى غير الله
فانها حرام مطلقاً وعرفت
ايضاً ان ما وقع في التفسير
الاحمدى من تفريع قوله على
ما وقع في الهداية ونقله في
ذلك التفسير كما ذكرنا وهو
قوله ومن ههنا علم ان البقرة

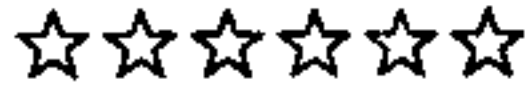
المنذورة للاولياء كما هو
الرسم في زماننا حلال طيب
لانه لم يذكر اسم غير الله
وقت الذبح وان كانوا
ينذرونها لهم انتهى مبنى
على الغفلة عن قول صاحب
الهداية وهو قوله والثالثة ان
يقول منفصلاً عنه صورة او
معنى الخ فان الانفصال
المعنوي كيف يتصور اذا
كان النذر للاولياء فانه عين
التقرب اليه فنيتهم دائمة الى
وقت الذبح فلا انفصال معنى
اصلاً لما تقر في قواعد الفقه
من استدامة النية الى آخر
العمل وايضا مبنى على عدم
الفرق بين الذكر المجرد الذي
وضع صاحب الهداية مسألة
فيه وبين ما قصد به التقرب
الى غير الذي وضعنا
المسئلة فيه واين هذا من
ذاك فمبنى على الغفلة عن
معنى التقرب الى غير الله

وتوهم دخول البقرة المنذورة
 فيما قصد بذبحه التقرب الى
 غير الله وليس كك لانهم يا
 كلون لحومها ويهبون ثوابها
 لهم وان بعض الظن اثم
 واستدامة النية انما تكون اذا
 لم يوجد المنافی وههنا قد
 وجد المنافی وهو ذكر الله
 صراحة وعن قول صاحب
 الهداية بان يقول قبل
 التسمية وقبل ان يضجع
 الذبيحة في تفسير قوله
 صورة ومعنى الآ ترى لو ان
 احدا اعتق او طلق او اقرا او
 باع واستثنى بالقلب يسئى
 اعتاقا وطلاقا وقرارا وبيعا
 مجردا لفظا ومعنى فهذا لا
 اثر له في الاحكام فكذا هذا
 والعاقل يكفيه الاشارة ولذا
 اقتصر على هذا القدر من
 بيان اغاليطه ولا يخفى على
 المتأمل اغاليطه المتروكة
 وادلة حلها الغير المذكورة

تافمبني على الغفلة عن معنى
 التقرب الى غير الله تك تمام
 عبارت کا مقصد اس ذبیحہ کی حرمت بیان کرنا
 ہے جو تقرب لغیر اللہ کے لیے ذبح کی جائے
 اور مولانا کو تو ہم ہوا ہے کہ بقرہ منڈورہ بھی ان
 محرمات میں داخل ہے کیونکہ اُس سے بھی
 تقرب الی غیر اللہ مقصود ہوتا ہے۔ حالانکہ در
 حقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ ان جانوروں کا
 گوشت کھاتے ہیں اور ثواب اولیاء اللہ کی
 روح کو بخشتے ہیں۔ بغیر دلیل اور قرینہ صریحہ
 مسلمان پر براگمان کرنا ناجائز ہے۔ قولہ
 وان بعض الظن اثم باقی نیت کا دوام
 اُس وقت ہوتا کہ اُس کا منافی اور مخالف موجود
 نہ ہوتا اور یہاں ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا
 موجود ہے۔ صاحب ہدایہ کا صورتہ اور معنا کی
 تفسیر میں کہنا کہ بسم اللہ پڑھنے سے پہلے غیر
 خدا کا نام پکارے یا زمین پر پچھاڑنے سے
 پہلے تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق، عتاق،
 اقرار، بیع وغیرہ میں دل میں استثناء کا ارادہ
 کرنے سے بھی لفظاً اور معنی طلاق، عتاق،
 اقرار وغیرہ باقی رہیں گے۔ اور ان الفاظ کا
 اطلاق صحیح رہے گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ نیت کا
 جس طرح احکام میں کوئی اثر نہیں اسی طرح
 یہاں بھی نہ ہوگا۔ ہم نے بہت سی غلطیوں کا

واللّٰهُ الموفق للصواب
ويهدى من يشاء الى صراط
مستقيم واليه المرجع
والمآب^ط

بیان اور حجت کے دلائل بھی ترک کر دیئے
ہیں۔ کیونکہ عاقل کو اشارہ کافی ہے۔ واللّٰهُ
الموفق للصواب ويهدى من
يشاء الى صراط مستقيم واليه
المرجع والمآب۔ ۱۲۔



جواب

اعتراضات مذکورہ از مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فردی سرہ العزیز
 قولہ: ”ذائح اور شخص ہے اور غیر خدا کا نام
 نخواستہ لے بود الا وکیل نادى و نائب او پس
 نیت لے مؤکل و نیت در حل و حرمت تاثیر
 خواهد لے کرد کمانی الاضحیہ لے۔ قولہ
 وما قصد به التقرب الی غیر
 اللہ تخصیص هذا الفرد لم
 قولہ: ”ذائح اور شخص ہے اور غیر خدا کا نام
 پکارنے والا اور“ اھ۔ اقول۔ ذیح کرنے
 والا بند کرنے والے کا وکیل یا نائب لے ہی ہوتا
 ہے۔ لہذا مؤکل اور نیت کی نیت لے حلت
 اور حرمت ذبیحہ میں ضرور اثر لے کرے گی جیسا
 کہ قربانی لے کے ذبائح میں ذائح نائب ہوتا

☆☆☆☆☆☆

۱۔ ایں حصر منقوض است باستعانت۔ ۱۲۔
 از مؤلف
 لے یہ خصر استعانت کے ساتھ ٹوٹ جائے گا یعنی
 تا ذر جب خود ذائح کی مدد کر رہا ہو تو پھر ذائح کس
 طرح نائب ہو سکے گا۔ ۱۲

۲۔ حنفیہ کے نزدیک نیت میں نیابت جاری
 نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

۳۔ مخالف است اذ اں چہ در کتب فقہ نوشته اند
 کہ مجوسی گاؤرا کہ بہ مسلمانے داد کہ بنام نار کہ
 معبود اوست ذیح کند مسلم بنام خدا ذیح کرد
 گوشت اوحلال است کما مر۔ ۱۲

۴۔ نظر بمدہب حنفی تمثیل صحیح نیست و نیز قیاس
 مع الفارق است برائے بودن نیت شرط در
 اضحیہ بخلاف مانحن فیہ۔ ۱۲۔ از مؤلف
 یہ حکم کتب فقہ کے مخالف ہے۔ اُن میں لکھا
 ہوا ہے کہ ایک مجوسی نے گائے مسلمان کے
 حوالے کر دی اور کہا کہ میرے معبود یعنی آگ کے
 لئے ذیح کر دو۔ پس مسلمان نے خدا کا نام لے
 کر ذیح کی تو اُس کا گوشت حلال ہوگا۔ کما مر۔ ۱۲
 مذہب حنفیہ کی رو سے یہ مثال صحیح نہیں اور
 قیاس مع الفارق بھی ہے کیونکہ اضحیہ میں نیت شرط
 ہے اور یہاں شرط نہیں۔ ۱۲۔ مؤلف

يثبت بالكتاب الا اذا حمل
 قوله 'تعالى وما اهل لغير الله
 به عليه فيكون ذكره تكررًا
 ولا بالسنة الا اذا حمل قوله
 ملعون من ذبح لغير الله
 على هذا لكن فيه انه لا يدل
 على حرمة المذبح بل على
 حرمة الذبح كما اذا ذبح شاة
 مفصولة وضمن قيمتها
 قوله والعام المخصص
 يتناول افراده الباقية ولو ظنا
 اقول لكن يجرى فيه
 التخصيصات الاخر
 بالدلائل الظنية مثل اخبار
 الاحاد وقياسات المجتهدين
 المؤدية الى تحريمها فلا يفيد
 تلاوة الآية والتمسك بها في
 معارضة قياساتهم قوله. اما
 عدم دخولها فيما سوى قصد
 به التقرب الى غير الله
 فظاهر اقول. هذا مخدوش
 لان ما اهل به لغير الله ان

ہے صاحبِ اضحیہ کا۔ قولہ ما قصد به
 التقرب الى غير الله مخصصات میں
 سے ہے۔ اقول اس فرد کی تخصیص قرآن
 سے تو ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر ما اهل
 به لغير الله کو اسی معنی پر حمل کیا جائے
 لیکن پھر اس کا ذکر یعنی ما قصد به
 التقرب الى الغير کا تکرار محض ہوگا اور
 نہ حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ ہاں اگر
 ملعون من ذبح لغير الله کو
 تقرب لغير الله پر حمل کیا جائے لیکن
 پھر بھی یہ اعتراض باقی رہے گا کہ یہ حدیث
 مذبح کی حرمت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ذبح
 کی حرمت پر جیسا کہ کوئی شخص چھینی ہوئی بکری
 ذبح کرے اور اس کی قیمت ادا کر دے۔
قوله. عام مخصوص البعض
 اپنے باقی افراد کو شامل ہو سکتا ہے خواہ ظنی ہی
 کیوں نہ ہوں۔ اقول۔ لیکن اس میں دلائل
 ظنیہ کے ساتھ ان تخصیصات کے علاوہ اور
 تخصیصیں بھی جاری ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اخبار
 احاد یا مجتہدین کے قیاسات جو ذبیحہ مذکورہ کی
 تحریم پر دلالت کرتے ہیں لہذا قیاسات کے
 معارضہ کے لئے آیت مذکورہ کی تلاوت کوئی

حمل علی ما قصد به التقرب
الی غیر اللہ فعدم دخولها
فیه لیس بظاہر۔ قولہ۔ فلانہ
عبارة عن الذبیحة التي لم
يقصد اه۔ اقول۔ هذا لیس
بمدلول لغوی لقوله ما قصد
به التقرب لغير الله فليبين
وجه دلالة هذا اللفظ على
هذا المعنى والا فهو مردود

فائدہ نہ دے گی۔ قولہ۔ ذبیحہ مندورہ ان
مخصصات میں سے کسی میں بھی داخل نہیں
کما هو ظاهر۔ اقول۔ یہ مخدوش ہے
کیونکہ اگر ما اهل به لغير الله کا معنی
ما قصد به التقرب الی الغير
کیا جائے تو پھر یہ کہنا کہ ذبیحہ مذکورہ اس میں
داخل نہیں یہ غیر ظاہر ہوگا۔ قولہ اسی طرح ما
قصد به التقرب الی الغير میں بھی داخل نہیں
کیونکہ تقرب الی الغير اس ذبیحہ پر



۱۔ لا بل عدم دخولہ فیہ
ظاہر علی ما قالہ حکیم الامت
شاہ ولی اللہ فی بیان معنی
النذر للاولیاء۔ ۱۲

۱۔ نہیں بلکہ ظاہر ہے جیسا کہ حکیم الامت
مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نذر اولیاء کے معنی
میں فرما چکے ہیں۔

۲۔ وجہ الدلالة ان حرمة
الذبح للتقرب الی غیر اللہ
ماخوذ من قوله تعالى وما
ذبح علی النصب والذابحون
علیہا من المشرکین ما كانوا
یتصدون اللحم من الذبح فح
هو مدلول شرعی“ وعلیہ
مدار قول الفقہاء والفارق الخ۔

۲۔ دلالت کی وجہ یہ ہے کہ تقرب الی الغير
کی ذبیحہ کی حرمت ما ذبح علی
النصب سے ماخوذ ہے۔ نصب پر ذبح
کرنے والے یقیناً مشرکین ہوتے تھے اور
ذبح سے ان کی قصد گوشت کھانے کی ہرگز
نہیں ہوتی تھی لہذا یہ معنی مدلول شرعی ہے اور
فقہاء کے قول کی مدار بھی اسی معنی پر ہے۔

على قائله كيف والاضحيه
يقصد بها التقرب الى الله
ويقصد اكل لحمها ايضا فاذا
اجتمع قصد المتقرب وقصد
الاكل في التقرب الى الله
ففي التقرب الى الغير اولي

قوله . بل قصد به الدفع الى
الغير . اقول . ما اذا اراد بالغير
فليبين حتى تتكلم عليه
قوله : بنية غير الله . اقول .
لكن لا بنية التقرب به الى
ذلك الغير بل بنية اكله
وانتفاعه باللحم فعلم ان
منشاء اشتباه هذا السائل انه



۱۔ قدم ما اراد القائل . ۱۲

صادق آتا ہے جس کے ذبح سے کھانا مقصود نہ
ہو۔ اقول۔ یہ معنی ما قصد به
التقرب الى الغير کا مدلول لغوی نہیں
لہذا اس لفظ کی اس معنی پر دلالت کرنے کی
وجہ بیان فرمائیے ورنہ اس کا ذمہ دار کہنے والا
ہوگا۔ کیونکہ اضحیہ یعنی قربانی کے جانور سے
کھانا بھی مقصود ہوتا ہے اور تقرب الى الله
بھی۔ لہذا جب تقرب الى الله اور کھانے کا
ارادہ جمع ہو سکتے ہیں تو تقرب الى الغير اور
کھانے کا ارادہ بطریق اولی جمع ہو سکتے ہیں۔
قوله : بلکہ صرف غیر کی طرف دفعہ کرنا مقصود
ہو لا ین اقول۔ اس غیر سے کون لہ مراد ہے۔
ذرا تشریح ہو تو اس پر گفتگو کی جائے۔

قوله : اور ان سب صورتوں میں ذبح کے وقت
آواز اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بلند کی جاتی
ہے اور ارادہ غیر کا ہوتا ہے۔ اقول۔ غیر کا
ارادہ تقرب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کھانے کے
لئے ہوتا ہے تو معلوم ہو گیا کہ سائل کے اشتباہ

۱۔ قائل کی مراد بھی ابھی واضح ہو چکی ہے۔ ۱۲

لا يفرق بين الذبح بمعنى اراقه الدم وبين المذبوح بمعنى اللحم والشحم فمتى كان اراقه الدم للتقرب الى غير الله حرمت الذبيحة ومتى كان اراقه الدم لله والتقرب الى الغير بالاكل والا تتفاح حلت الذبيحة لان الذبح عبارة عن اراقه لا عن المذبوح اى الذى يحصل بعد الذبح من اللحم والشحم وعلى هذا قلنا لو اشترى لحماً من السوق او ذبح بقرة او شاة لاجل ان يطبخ مرقاً وطعاماً ليطعم الفقراء ويجعل ثوابها لروح فلان حلت بلا شبهة وعلامة هذه الارادة ان لا يعين بقرة خاصة باسم ذلك الميت ولا يعلمها بشئ بل يكون عنده كل البقرة سواسية فى ان اللحم المشتري من السوق والحاصل بعد الذبح البقرة

کا منشاء یہ ہے کہ وہ ذبح بمعنی اراقہ الدم یعنی خون گرانے کے لئے اور مذبوح بمعنی اللحم والشم (جو محض گوشت سے انتفاع کے لئے ذبح کی جائے) کے درمیان فرق نہیں کر سکا جب ذبح سے مقصود تقرب الی الی غیر کے لئے خون گرانا ہو تو ذبیحہ حرام ہو جاتی ہے اور جب خون گرانا تو اللہ تعالیٰ کے لیے مقصود ہو لیکن غیر کے لئے صرف گوشت کھانے کا تقرب مراد ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ کیونکہ ذبح عبارت ہے خون گرانے سے نہ مذبوح سے جو ذبح کے بعد گوشت اور چربی کی صورت میں موجود ہے ہم نے اسی لیے تفصیل کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص بازار سے گوشت خرید کرتا ہے یا گائے بکری وغیرہ گوشت پکانے کیلئے ذبح کرتا ہے تاکہ وہ طعام فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب فلاں میت کی روح کو پہنچائے تو بلاشبہ حلال ہے لیکن ارزادہ کی نشانی یہ ہے کہ کوئی جانور اس میت کے نام پر نہ کرے اور اس کو کسی قسم کا نشان وغیرہ نہ لگائے بلکہ سب جانور اس کے نزدیک برابر ہوں یعنی اس کے خیال میں ایفائے نذر کے لئے بازار سے خریدا ہوا گوشت اور گائے ذبح کی ہوئی کا گوشت مساوی ہوں۔

سواء" فی وفاء النذر قوله
والفرق تحکم اقول قد علمت
وجه الفرق فان هناك اراقة
الدم باسم الله من غير نية
القرب الى الغير بتلك
الاراقة بل ايصال ثواب اليه
باطعامه الفقراء وايصال نفع
اليه بالاكل كما في الولايم
والاعراس وفي صورة النزاع
الاراقة نفسها مما يتقرب به
الى ذلك الغير. قوله
والسكتابي اذا ذبح باسم
المسيح لا تحل ولو ذبح باسم
الله و اراد به المسيح تحل هذا
اقول عين مذهب القائل
بالحرمة فانه يقول لو

قوله: والفرق تحکم یعنی ولیمہ وغیرہ
کے جانور کو حلال کہنا اور ذبیحہ مذکورہ کو حرام کہنا
یہ فرق دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اقول۔ ہم فرق
ابھی ابھی واضح کر چکے ہیں کہ ولیموں اور
غرسوں میں خون گرانا اللہ تعالیٰ کے نام کے
ساتھ ہوتا ہے اور تقرب الی الغیر کا ارادہ قطعاً
نہیں ہوتا۔ بلکہ فقراء کو کھلا کر ایصالِ ثواب
مقصود ہوتا ہے۔ اور صورت متنازع فیہ میں
خون گرانا ہی تقرب الی الغیر کے ارادہ سے
ہوتا ہے۔ قولہ۔ عیسائی جب کسی جانور کو عیسیٰ
علیہ السلام کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ جانور
حرام ہوگا اور اگر ذبح تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر
کرے مگر ارادہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہو حلال
ہے۔ لایم اقول۔ یہ بعینہ قائلِ حرمت کا
مذہب ہے کیونکہ ایک شخص لوگوں کے رُو برو
کہتا ہے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ گائے اللہ



۱۔ یہ سراجیہ کے قول کے موافق ہے کہ اگر کوئی
شخص سید احمد کے نام کے ساتھ ذبح کرے تو
حلال نہ ہوگا اور اگر ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے
ساتھ کرے اور ارادہ اس سے سید احمد کا ہو تو
حلال ہوگا۔ ۱۲

۱۔ المطابق لما فی السراجیة
ان یقول لو ذبح الرجل باسم
السید احمد لا یحل ولو ذبح
باسم الله و اراد به السید احمد
یحل۔ از مؤلف

قال رجل بحضرة الناس انى
 نذرت ان اذبح بقرة لله واراد
 بالله السيد احمد على اعتقاد
 الحلولية يعجل ذبيحته لانه لا
 خلل في نيته بل هو اخلص
 النية لله لكن اخطا في
 اعتقاده حلول الله في السيد
 احمد كبير كالتصراحي
 يعتقد حلول الله في المسيح
 حيث ان يقول ان الله هو
 المسيح ابن مريم فخطاه في
 المعنون دون العنوان فعنوانه
 حق و معنونه باطل بخلاف
 ما لو قال انى نذرت ان اذبح
 بقرة للسيد احمد كبير فانه
 اخطا في العنوان والمعنون
 معاً كما لو ذبح النصراني
 باسم المسيح.

تعالیٰ کے لئے ذبح کروں اور دل میں سید احمد
 کبیر کا خیال ہے یعنی اللہ سے مراد سید احمد کبیر
 ہے اس کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سید احمد میں
 حلول کر گئے ہیں تو اس کی ذبیحہ بالکل حلال ہو
 گی کیونکہ اُس کی نیت میں کوئی خلل نہیں۔ اُس
 کی نیت تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مگر حلولیت
 کے اعتقاد میں اُس نے غلطی کھانی جیسا کہ
 نصرانی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم
 میں حلول کر گئے ہیں جیسا کہ وہ کہتا ہے ان
 اللہ هو المسيح ابن مريم تو اس کی
 خطا صرف معنوں میں ہے یعنی اُس کا عنوان
 حق ہے اور معنون باطل بخلاف اُس شخص کے
 جو کہتا ہے کہ میں نے نذر مانی ہے کہ سید احمد
 کبیر کے لئے گائے ذبح کروں گا تو اُس نے
 عنوان اور معنون دونوں میں غلطی کی ہے جیسا
 کہ نصرانی مسیح کا نام لے کر ذبح کرے۔

قولہ: یا اس عبارت مندفع مے شود قول
 قاصراں۔ اقول۔ ازیں عبارت قول
 قاصران مندفع نہ مے شود زیرا کہ مراد
 ایثاں از نیت خبیثہ آنست کہ در عنوان
 متقرب الیہ خطا کند نہ آں کہ در معنوں خطا
 کند مثلاً ذبیحہ

معتزلی کہ اللہ تعالیٰ را خالق افعال نہ مے
 داند و رافضی کہ بداء بر خدا تجویز مے کند
 حلال است زیر کہ خطائے ایں ہادر معنون
 ست نہ در عنوان۔

قولہ: اس عبارت سے بے سمجھ لوگوں کا
 اعتراض مندفع ہو گیا۔ اقول۔ اُن کا اعتراض
 مندفع نہیں ہوا کیونکہ نیت خبیثہ سے اُن کی
 مراد یہ ہے کہ عنوان میں خطا کرے نہ یہ کہ
 معنون میں غلطی واقع ہو جائے مثلاً! معتزلی کی

ذبیحہ حلال ہوگی جو اللہ تعالیٰ کو افعالِ عباد کا
 خالق نہیں جانتا۔ اسی طرح رافضی کی ذبیحہ کہ
 اللہ تعالیٰ پر بداء جائز سمجھتا ہے۔ کیونکہ ان
 دونوں کی خطا معنون میں ہے نہ عنوان میں۔

قوله: الهداية والثالثة ان يقول
مفصلاً عنه صورة ومعنى -
اقول - هذا لا تعلق له بمحل
النزاع فانه في الذكر اللساني
المجرد عن نية التقرب الى
الغير اولم يذكر ونوى التقرب
الى ذلك الغير وقد اعترف
به حيث قال قوله لان المراد
بالذكر الخالص المجرد
الذكر باللسان فقط فيه خلل
ظاهر لان مراده بالذكر
الخالص المجرد وان كان
الذكر باللسان لكنه اراد
بالخلوص والتجرد عدم ذكر
الغير لا خلوه عن النية واما
قول العناية في شرح قول
الهداية فلا تعلق له بمحل
النزاع اذ لا يشك عاقل في
ان المأمور به عند الذبح هو

قوله - صاحب ہدایہ فرماتے ہیں تیسری قسم یہ
ہے کہ غیر خدا کا نام مفصلاً ذکر کرے۔
اقول - اس عبارت کا محل نزاع کے ساتھ کوئی
تعلق نہیں کیونکہ یہ حکم مجرد زبانی ذکر میں ہے
جس میں نیت تقرب کا خیال قطعاً نہ ہو۔ اس
صورت کی حلت میں بالکل کوئی جھگڑا نہیں
جب ذبح سے پہلے یا بعد محض سبقت لسانی کے
طور پر زبان پر غیر کا نام جاری ہو گیا ہے جیسا
کہ آئندہ بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ جھگڑا
اس صورت میں ہے کہ تقرب کے ارادہ سے
غیر کا نام لیا یا نام تو نہیں لیا لیکن نیت تقرب
الہی الغیر کی ہے۔ اس کا اعتراف خود مولانا
عبدالحکیم ان الفاظ سے کر رہے ہیں کہ ”ذکر
مجرد خالص سے مراد فقط زبانی ذکر ہے“۔ اور
یہ بھی غلط ہے کیونکہ ذکر مجرد سے ان کی مراد
اگرچہ زبانی ذکر کی ہے لیکن خلوص اور تجرد سے
مراد غیر کے ذکر سے خالی ہونا ہے نہ غیر کی
نیت سے خالی ہونا۔ باقی عنایہ کی تشریح بھی
بالکل محل نزاع کے ساتھ غیر متعلق ہے۔

ذکر اللسانی الخالص مجرد
عن ذلك الغير نعم محل
النزاع ما اذا ذكر اسم الله
باللسان واراد به التقرب الى
الغير.

قوله. واما بقول المفسرين
فقول العلم الخ اقول هذا القول
يعارضه اقوال الجم الغفير
من الفقهاء كما سيجيء فكيف
يحتج بقول هذا القائل وحده
مع مخالفته باقوال العلماء
الكبار ومع هذا فقوله حلال
طيب محل اشكال اذ لا شك
في وقوع الاختلاف في حل
هذه الذبيحة وتعارض الادلة
ومثي كان كذلك كان محلا
لشبهة ومن قاعدة الفقهاء انه
اذ اشتبه الحل والحرمه

کیونکہ اس بات میں تو کسی عاقل کو شک نہیں
کہ ذبح کے وقت صرف ذکر لسانی کا حکم ہے
جو غیر کے ذکر سے مجرد ہو۔ ہاں محل نزاع یہ
ہے کہ زبان کے ساتھ تو فقط اللہ تعالیٰ کا نام
ذکر کرے اور دل میں ارادہ تقرب الی الغیر کا
رکھتا ہو۔

قوله۔ مفسرین میں سے عالم مفسر محدث الخ
اقول۔ فقہاء کی بہت بڑی جماعت اس مفسر
کے قول کے مخالف ہے۔ لہذا تنہا ایک آدمی
کی رائے خصوصاً جب کہ وہ باقی علمائے کبار
کے خلاف ہو کس طرح حجت ہے ہو سکتی ہے۔
علاوہ ازیں ان کا حلال طیب کہنا بھی قابل
تامل ہے کیونکہ اس مسئلہ کے مختلف فیہ ہونے
میں تو کوئی شک نہیں یعنی ذبیحہ مذکور کی حلت
اور حرمت کے بارے میں دلائل متعارض ہیں
لہذا شبہ پیدا ہو جائے گا۔ اور فقہاء کا قاعدہ
ہے کہ حلت اور حرمت مشتبہ ہو جائے تو حرمت



۱۔ نہیں بلکہ موافق ہے۔ ۱۲۔ از مؤلف

۱۔ لابل يطابقه ۱۲۔ از مؤلف

۲۔ ان کی طرف سے کچھ بھی بیان نہیں آیا۔ ۱۲۔

۲۔ لا یجیء منه شیء ۱۲۔

غلباً جانب الحرمة احتياطاً
وقد قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم الحلال بين
والحرام بين وبينهما امور
مشتبهات لا يعلمها كثير
من الناس فمن اتقى
الشبهات فقد استبرأ لدينه
وعرضه ومن وقع في
الشبهات وقع في الحرام
كراع يرعى حول الحمى
يوشك ان يقع فيه.

کو احتیاطاً ترجیح لہوتی ہے۔ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حلال بھی ظاہر ہے
اور حرام بھی اور دونوں کے درمیان بعض امور
مشتبہ ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔
لہذا جو شخص ان شبہات سے بچ گیا تو اس نے
اپنا دین اور عزت بچالی اور جو شبہات میں
داخل ہو گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا جیسا کہ جو
جانور چراگاہ کے کنارے پر چرتا ہے وہ ایک
دن ضرور چراگاہ میں داخل ہو جائے گا۔

قولہ۔ اگر خدا کا نام لے کر یعنی بسم اللہ اللہ
اکبر کہہ کر ذبح کیا اگرچہ ان کی نیت فاسد ہو تو
ظاہراً ایسے جانور کا گوشت کھانا حلال ہے۔
اقول۔ اس عبارت میں ظاہراً کا لفظ صراحۃً
دلالت کر رہا ہے کہ اس ذبیحہ کی حلت میں شک
ہے اسی لیے انہوں نے متقی اور پرہیزگار کو
کھانے سے منع فرمایا ہے۔ کثیر التعداد فقہاء

قولہ۔ واگر بنا م خدا بسم اللہ اللہ اکبر اللہ
اقول۔ دریں عبارت لفظ ظاہراً دلالت
بوقوع شک در حل ازیں ذبیحہ سے کند لہذا
متقی را از خوردن او منع نموده اند و اقوال جم
غفیر فقہاء کہ فیما بعد منقول است بے شک

☆☆☆☆☆☆

یہاں حرمت کی جانب مرجوح ہے بلکہ
باطل ہے کیونکہ اس کے دلائل باطل ہیں۔ ۱۲
مؤلف

۱۔ ہنا جانب الحرمة
مرجوحہ بل باطلۃ لبطلان
دلائلہا۔ ۱۲ از مؤلف

دلالت بر حرمت مے کنند۔ فالأ خذبها
اولیٰ اذ لا قول للمشاک۔

کے اقوال جو بعد میں نقل کیے گئے ہیں ذبیحہ
مذکورہ کی حرمت پر دال ہیں۔ لہذا ان کے
ساتھ عمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ شک والے کا قول
غیر معتبر ہے۔

قولہ۔ شیعہ را کافر مطلق بالاجماع اللغ
اقول ایں نقل غلط است زیرا نکه شیعہ
را بالاجماع کسے کافر نے گوید بلکہ در ایشاں
اختلاف است علمائے ماوراء النہر از حنفیہ کافر
گفتہ اند و مصریین از حنفیہ و عراقیین از ایشاں
کافر نہ گفتہ اند بلکہ مبتدع و ضال قرار دادہ
اند و علماء شافعیہ نیز کفر ایشاں را ثابت نہ کردہ
اند بلکہ مبتدع و ضال گفتہ اند۔

قولہ۔ شیعہ کو کافر مطلق بالاجماع سمجھتا ہے۔
اقول۔ یہ غلط ہے کیونکہ شیعہ کو بالاجماع کسی
نے کافر نہیں کہا بلکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حنفی
علماء ماوراء النہر کافر کہتے ہیں اور مصری اور عراقی
علمائے احناف کافر نہیں کہتے بلکہ بدعتی اور گمراہ
قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح علمائے شوافع نے
بھی کفر ثابت نہیں کیا بلکہ مبتدع اور ضال کہا
ہے۔

قولہ۔ تزویج بنات وغیرہ مے نمائند۔
اقول۔ تزویج بنات وغیرہ آنست کہ ایں

قولہ۔ اپنی لڑکیاں شیعہ اشخاص کو نکاح کر
دیتے ہیں۔ اقول۔ تزویج اور نکاح کر دینا

☆☆☆☆☆☆

۱۔ بے شک دلالت نہ مے کنند بر حرمت
حیوان منذور للادلیاء چه ازاں ہا ثابت نہ
شدہ کہ تشہیر از موجبات حرمت است ونہ
آں کہ منذور للادلیاء داخل است در ماذنح
للتقرّب الی غیر اللہ بالمعنی المراد للفقہاء۔

۱۔ نہیں فقہاء کے اقوال حیوان منذورہ
للاولیاء کی حرمت پر بالکل دلالت نہیں کرتے
کیونکہ ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوا کہ تشہیر
حرمت کے اسباب میں سے ہے اور یہ بھی
ثابت نہیں ہو سکا کہ ذبیحہ مذکورہ فقہاء کے معنی
کے مطابق ماذنح للتقرّب الی الغیر میں داخل

۱۲ از مؤلف

ہے۔ ۱۲۔ مؤلف

اُس کو کہتے ہیں کہ وہ شخص ولی یا عورت کے امور کا مالک ہو اور کسی شخص کے ساتھ اُس عورت کا نکاح کر دے۔ اور اگر وہ شخص اُس عورت کا ولی نہیں بلکہ صرف قرابتدار ہے مثلاً بیٹی جس کا والد زندہ ہو۔ یا چچا کی لڑکی یا ماموں کی لڑکی جس کے ولی اور آدمی ہیں اور شخص مذکور کو اُس عورت پر اور اُن ولیوں پر کسی قسم کے جبر کا حق حاصل نہیں۔ پس ایسے شخص کی طرف نکاح کر دینے کی نسبت کر دینی بالکل غلط ہے۔ اسی لیے کسی عرب شاعر کا قول ہے ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کی اولاد دوسرے مردوں کی اولاد ہے۔

قولہ۔ ایک طرف ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے ہیں اور پھر وہاں سے ہجرت بھی نہیں کرتے۔ اقول۔ جس دار الحرب سے ہجرت فرض ہے اس سے وہ مراد ہے جس میں کفار مسلمانوں کو نماز روزہ، جمع اور جماعت، اذان وغیرہ شعائر اسلام سے ممانعت کریں اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہاں مسلمان بلا روک ٹوک دین کا اظہار کرتے ہیں۔ جمعہ اور جماعت کو قائم رکھتے ہیں تو ایسے دار الحرب سے ہجرت فرض نہیں اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ ہجرت

شخص ولی یا مالک امر زن باشد اور ابا کسے نکاح کردہ دہدو اگر ایس شخص ولی آں زن نیست و نہ مالک امر اوست بلکہ آں زن از اقارب اوست مثل بنت البنت کہ پدرش زندہ باشد یا بنت العم یا بنت الخال کہ اولیائے دیگر دار دو جبر و ولایت ایس شخص بر آں زن و اولیائے آں زن نے رسد۔ پس نسبت تزویج آں زن بایس شخص خطا ظاہر است ولہذا قال قائل العرب

شعر

بنونا بنوا بنائنا و بنائنا
بنوہن ابناء الرجال الابعاد

قولہ۔ مسکن خود را لہ اقول۔ مراد از دار الحرب کہ ازاں ہجرت فرض باشد آں دار الحرب باشد کہ حربیاں از اظہار دین خود و صوم و صلوة و جمعہ و جماعات و اذان و ختان سگان آنجا را ممانعت نمایند و اگر چنین نباشد بلکہ مسلمانان آں جا اظہار دین خود بے دغدغہ می کنند و جمعہ و جماعات را قائم می دارند و بیان احکام دین خود بے تکلف می کنند پس ازاں دار الحرب ہجرت فرض نیست و علی تقدیر الوجوب فی الفور واجب

نئے شود بلکہ عند وجدان الملجاء
والمقران النبی صلی اللہ
علیہ وسلم اقام ثلثة عشر
سنة بمكة مع ان كفار مكة
كانو یمنعون من اظهار
الدعوة ویضربون ویشتمون
من امن ویمنعون من الصلوة
فی المسجد الحرام۔ پس حق تعالیٰ
ہر گاہ انصار را بعد از سیزده سال ناصر و معین
آنجناب گردانید و محل و مسکن در بلدہ طیبہ بہم
رسید ہجرت فرمودند فلا طعن فی
ذلك اصلاً۔

قولہ۔ عرس بزرگان خود را (یعنی) اقول۔
ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون
علیہ زیرا انکہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راجح
کس فرض نے داند آ رہے زیارت و تبرک
بقبور صالحین و امداد ایثاں با ہداء ثواب و
تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و
شیرینی امر مستحسن و خوب است با جماع علماء
و تعین روز عرس بزائے آن است کہ آں روز
مذکر انتقال ایثاں مے باشد از دار العمل بہ
دار الثواب والا ہر روز کہ عمل واقع شود
موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم

فرض ہے تو فوراً واجب نہیں بلکہ اُس وقت
جب امان اور پناہ کی جگہ میسر ہو۔ اسی وجہ سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ ہی
میں قیام پذیر رہے۔ حالانکہ کفار مکہ تو اظہار
دین سے منع کرتے تھے۔ مومنین کو مار پیٹ
گالی گلوچ کے ساتھ پیش آتے۔ مسجد حرام میں
نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ لہذا جب انصار کو
اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناصر
اور معاون بنایا اور مدینہ طیبہ میں سکونت کا
موقعہ میسر ہوا تو آپ نے ہجرت فرمائی۔ لہذا
یہ کوئی طعن کی بات نہیں۔

قولہ۔ خود اپنے بزرگوں کا عرس فرض سمجھتا
ہے۔ اقول۔ یہ طعن میرے حال سے
ناواقفیت کی بناء پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی شخص
بھی فرائض شرعیہ مقررہ کے ماسوا دوسری چیز کو
فرض نہیں سمجھتا۔ ہاں قبور صالحین کی زیارت
اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنا۔ ان کے
لئے دعائے خیر کرنا اور تلاوت قرآن اور طعام
و شیرینی تقسیم کر کے اُس کا ثواب ان کے
ارواح کو ہدیہ کر کے ان کی امداد کرنا با تفاق
علمائے کرام اچھی بات ہے۔ باقی ایک دن کو
عرس کے لیے معین کرنے کی وجہ یہ ہے

کہ وہ دن اُن کے انتقال کا یاد دلانے والا ہوتا ہے جس میں اُس صاحب نے اس ذرا عمل سے دارالثواب کی طرف زحمت سفر باندھا ہے۔ ورنہ جس دن بھی صدقہ، خیرات، نیکی کا عمل کرو نجات اور ثواب کا موجب ہو سکتا ہے۔ پسماندگان پر واجب ہے کہ اپنے اسلاف کے ساتھ اس قسم کا احسان جاری رکھیں۔ حدیث شریف میں اس کام کو عمل دائمی شمار کیا گیا ہے کہ نیک اولاد ماں باپ کے لئے دُعا مانگے۔ ہاں قرآن کی تلاوت اور ایصالِ ثواب کو بزرگوں کی عبادت قرار دینا بھی بے وقوفی اور جہالت کی بین دلیل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص قبروں کا طواف یا سجدہ کرے یا اس قسم کی دُعا مانگے کہ اے صاحب مزار میرا فلاں کام سرانجام دو تو بچوں کے ہنجر یوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے گی جو ناجائز ہے ورنہ اس کے سوا محل طعن نہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے دُرّ منثور میں نقل کیا ہے کہ ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علی وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لے جاتے تھے

است کہ سلف خود را بریں نوزع برو احسان نماید۔ چنانچہ در احادیث ثابت است کہ **ولد صالح يدعوا له تلاوت قرآن واهدائے ثواب راعبادت قرار دادن** منی بر کمال بلاوت و افراط جہل است۔ آرے اگر کے سجدہ و طواف و دُعاء بخویا **فلاں افعل کذا بعمل آرد البتہ** مشابہت بعبدة الاوثان کردہ باشد و بچوں چنین نیست پس در محل طعن نہ باشد و در دُرّ منثور سیوطی مرقوم است **واخرج ابن المنذر و ابن مردویہ عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی احداً کل عام فاذا بفقرۃ الشعب سلم علی قبرور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** و اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی قبرور الشهداء علی رأس کل حول فیتقول سلام

☆☆☆☆☆☆

۱۔ بفقرۃ۔ وہاں کہ وہ وادی (الضراح)

عليكم بما صبرتم فنعم
عقبى الدار و ابو بكر و عمرو
عثمان انتهی و فى التفسير
الكبير عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم انه كان يأتى
قبور الشهداء راس كل حول
فيقول السلام عليكم بما
صبرتم فنعم عقبى الدار
والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون
انتهى۔

اور وادی کے سرے پر پہنچ کر شہدائے اُحد کی
قبروں پر سلام فرماتے اور کہتے ”سلام“
عليكم بما صبرتم فنعم عقبى
الدار“ تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلام
ہوں یہ اچھی دایرِ آخرت اور بہتر ٹھکانہ ہے۔
ابن جریر نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی
ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کی
ابتداء میں شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے
جاتے اور فرماتے ”سلام“ عليكم بما
صبرتم فنعم عقبى الدار“۔
حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ بھی
اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اھک۔ تفسیر کبیر
میں بعینہ انہیں الفاظ سے حدیث نقل کی گئی
ہے۔ اھک۔

قولہ۔ لان الذبیحة اہ۔ اقول۔
هذا بعینہ مذهب القائل
بالحرمة قد رجع المعترض
الى الحق واعترف به او
جرى على لسانه وهو لا
يشعر۔

قولہ۔ یعنی وہ جانور جو غیر خدا کی تعظیم اور
اکرام کے لیے ذبح کیا جائے حرام ہے اور
ذبح مرتد ہے۔ لہٰذا۔ اقول۔ یہی بعینہ میرا
مذہب ہے۔ بالآخر معترض صاحب حق کی
طرف لوٹ آئے ہیں۔ یا غیر شعوری طور پر
آپ کی زبان سے حق کا کلمہ بے ساختہ نکل گیا
ہے۔

قولہ۔ وهو ما اهل به لغير الله
للا۔ اقول۔ هذا ايضا رجوع الى

قولہ۔ یہ ما اهل به لغير الله ہے۔
اقول۔ یہ مفتی حرمت کے قول کی طرف

رجوع ہے۔ بقرہ منذورہ ما اهل به میں داخل ہے۔ ”خوب یاد رکھو“

قولہ۔ فقہاء کا اجماع ہے۔ اقول۔ دعوائے اجماع کے لیے فقہاء کے اقوال نقل کرنا لازمی امر ہے ورنہ یہ دعوے قابل سماعت نہ ہوگا۔

قولہ۔ وہ جانور اگر کھانے کے لئے آگے کیا گیا ہے۔ اقول۔ اگر کھانے سے مراد ذابح کا کھانا ہے تو اس صورت میں پھر قصاب کی ذبیحہ یا ولیمہ اور عرس کے ذبائح اس سے خارج ہو جائیں گے۔ کیونکہ ذابح کا کھانا ان جانوروں سے ہرگز مقصود نہیں ہوتا۔ اور نہ اس طرح لوگوں کا معمول ہے۔ مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور منفعت مہمان کے لئے بالکل سہو ہے۔ کیونکہ مہمان کا کھانا ذابح کا کھانا نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس دلیل کی رو سے قصاب اور ولیمہ وغیرہ کے ذبائح سب حرام ہو جائیں گے۔

مذہب القائل بالحرمة وان البقرة المنذورة داخلة فيما اهل لغير الله به فاحفظه۔

قولہ۔ قد اجمع الفقهاء اہ۔ اقول۔ لا بد فی دعوی الاجماع من نقل اقوال الفقهاء والافلا تسمع۔

قولہ۔ ان قد مهالیا کل ان کان المراد من الاکل اکل الذابح فذبیحة القصاب۔ اقول۔ بل اکثر الولاثم والاعراس یخرج عنها اذا کل الذابح منها غیر مقصود ولا معمول فقوله فکان الذبح لله والمنفعة للضعیف وغیره سہو ظاهر اذا اکل الضعیف لیس اکل الذابح فیجب علی هذا ان یکون ذبیحة القصاب والولاثم والاعراس والضعیفات کلها محرمة۔



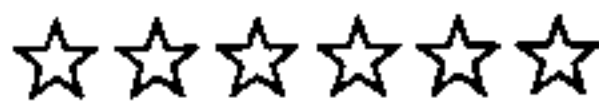
۱۔ ہم یہی بات تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ کئی

۱۔ غیر مسلم کما مرارا ۱۲۔ از مؤلف

دفعہ بیان ہو چکا ہے۔ ۱۲

قولہ۔ اگر کھانے کے لئے مقدم نہ کیا گیا ہو۔
 اقول۔ اس پر بھی وہی اعتراض لازم آئے گا یعنی
 اگر ذابح کا کھانا مُردار ہے تو پھر قصاب اور
 ولیموں و عرسوں کے ذابح حرام ہو جائیں
 گے اور دوسری قسم میں داخل ہوں گے اور اگر
 ذابح کے سوا کسی دوسرے کا کھانا مُراد ہے تو
 لازم آئے گا کہ ممنوعات احرام کے جُرمَانِے
 کے ذابح اللہ تعالیٰ کی نذروں اور جنایات کے
 کفاروں کے جانور بالکل مُردار اور حرام ہوں
 گے۔ ایضاً اگر غیر کی طرف دفع کرنا حلال ہے
 تو پھر ذبیحہ کس طرح حرام ہو گئی اور اگر حرام
 ہے تو حکم شرعی کی مدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حرام
 اعتبار کے درجہ سے ساقط ہوتا ہے۔ یعنی حرام
 کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

قولہ۔ وان لم یقدمها لیا کل اہ۔
 اقول۔ المراد بالاکل اما اکل
 الذابح او غیرہ فان کان الاول
 کان ذبیحة القصاب والولائم
 والاعراس محرمة داخلۃ فی
 هذا القسم لا فی القسم الاول
 وان کان المراد اکل الغیر
 فیلزم ان تكون المذبوحات
 فی اجذیة محظورات الاحرام
 والنذور المعقودة لله وكذا
 فی كفارة الجنایات کلها
 میتات محرّمات وایضاً
 فالدفع الی الغیر ان کان
 حلالاً فكیف صارت هذه
 الذبیحة محرمة وان کان
 حراماً کیف یصخّ جعله مداراً
 للحکم الشرعی اذا الحرام
 ساقط عن درجۃ الاعتبار۔



۱۔ تعجب ہے کہ حضرت خاتم المحدثین خود
 اپنے فتویٰ میں دُرِّ مختار کی عبارت سے
 استدلال کر چکے ہیں تو گویا یہ عبارت ان کے
 اپنے استدلال کی تردید ہوگی۔ گوئی نفسہ یہ
 تردید بالکل پوچ ہے۔ کما سابقاً ۱۲

۱۔ والعجب انه قدس سرہ
 استدل فی فتواه بعبارة
 الدر المختار فهذا لرد علی
 سندہ مع انه سخیف جدا کما
 عرفت سابقاً ۱۲

قوله - ولذا حرمت الذبائح للعظام. اقول - هذا مما يقضى منه العجب لوجهين احدهما ان السيد احمد كبير هل هو داخل في العظام ام لا فان قال بدخوله فيهم فلم صارت البقرة المذبوحة له من جملة المحرمات وقد نقل سابقا من التفسير الاحمدى حلها واجاب هو ايضا في صدر الفتوى بحلها وان لم يقل بدخوله فيهم فما بال العظام حرمت الذبائح المنذورة لهم وما بال الصغار حلت الذبائح المنذورة لهم وبالجملة في هذا الكلام خبط ظاهر فلينبه له وثانيهما ان البقرة المذبوحة لتعظيم السيد احمد كبير مثلا يدفعون

قوله - اسی وجہ سے امراء اور سلاطین کی آمد پر جانور ذبح کرنے فقہاء نے حرام قرار دیئے ہیں۔ اقول۔ اس عبارت پر دو وجہ سے تعجب ہے۔ اول یہ سید احمد کبیر مولانا کے خیال میں بڑی شخصیتوں میں داخل ہے یا نہ؟ اگر داخل ہے تو اس کی نذر کی ہوئی حرام ہوئی حالانکہ آپ تفسیر احمدی کے حوالہ سے بھی اور خود بھی فتاویٰ کی ابتداء میں حلال کا حکم نقل فرما چکے ہیں۔ اور اگر سید احمد کو بڑی شخصیتوں سے باہر سمجھتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ بڑی شخصیتوں کی منذورہ حرام ہو۔ اور چھوٹوں کی منذورہ حلال۔ خلاصۃ المرآم مولانا کی کلام بالکل بے ربط ہے سوچ بچار سے کام لینا چاہیے۔ دوم یہ کہ جو گائے سید احمد کبیر کی نذر کی گئی ہے اس کا گوشت ڈھول بجانے والوں اور ناچ کرنے والوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ کاشوربا



۱ فقہاء کے قول "والفارق انه ان قدمها" لائح پر غور کر۔ تاکہ تو اضطراب میں مبتلا نہ ہو۔ ۱۲ از مؤلف

۱ انظر الى قولهم والفارق انه ان قدمها لياكل الخ لثلا تقع ايها الناظر في الاضطراب. ۱۲ از مؤلف

پکا کر ذابح اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں۔ پس وہ کس طرح حرام ہو گئی حالانکہ ذابح خود بھی کھانے میں شریک ہے۔

لحمها الى الذافين
والرَقاصين ويطبخون
بعضها مرقا ولحماً وياً كل
منه الذابح وغيره فكيف
صارت محرمة مع ان الذابح
شريك في اكل لحمها۔

قولہ۔ مفتی حرمت مصلین میں داخل ہوا۔
اقول۔ اس اعتبار سے تو پھر جب حضرت امام
اعظم ابو حنیفہؒ سو سمار کو حرام فرماتے ہیں۔ لہذا
امام شافعیؒ صاحب کے نزدیک تحریم حلال کی
وجہ سے مصلین کا مصداق بنیں گے۔ اور امام
شافعیؒ صاحب طاؤس کو حرام کہتے ہیں۔ لہذا
حنفیوں کے نزدیک مصلین میں داخل ہو
گئے۔ لہذا اس کا جواب جو تمہارے لیے ہے
وہی ہمارے لیے ہے۔

قولہ۔ پس وقتے کہ فتویٰ داد کہ ذبیحہ آہ۔
اقول۔ ایں کلام منقوض است باں کہ
حضرت امام اعظمؒ چوں فتوے داد بحرمت
سو سمار نزد شافعیؒ بسبب تحریم حلال مصداق
ضالین گردیدہ باشد و حضرت امام شافعیؒ
چوں فتوے داد بحرمت طاؤس نزد حنفی
مصداق ضالین شدہ باشد فما هو
جوابکم فهو جوابنا۔

قولہ۔ نیت کو اشیاء کی حلت اور حرمت میں کوئی
دخل نہیں۔ اقول۔ ان حضرات پر سخت تعجب
آتا ہے جو باوجود یکہ علم و دانش کا دعوے رکھتے
ہیں تاہم اصول کے مختصر مسائل کو بھی مد نظر نہیں
رکھتے۔ مثلاً یتیم کو ادب سکھلانے کے لئے
مارنے میں اور ایذا دہی کے لئے مارنے میں
کیوں فرق ہے۔ نبیذ یعنی کھجور کے نچوڑ کو
طاقت کے لیے پینے اور لہو و لعب کے ارادہ
سے استعمال کرنے میں احکام کا تفاوت کس
لیے ہے؟ محض ارادہ اور نیت کی وجہ سے۔

قولہ۔ ونیت رالی قولہ در حل و حرمت اشیاء
دخل نیست۔ اقول۔ عجب است ازیں
شخص کہ باوجود اعائے دانش و علم مختصرات
اصول را در نظر نیاوردہ و مثال ضرب الیتیم
تا دیبا و ایذا و رانشیدہ و در کتب حنفیہ فرق را
در شرب نبیذ تقویاً و تلہیاً ندیدہ۔

تذہبیل

ذبح فوق العقدہ کی تحقیق انیق میں

بداں کہ ذبح عبارت است از قطع نمودن حلقوم و مری و ود جان۔ حلقوم مجری نفس است و مری ککریم مجری طعام و شراب و ود جان یعنی ہر دو ودج بفتحتین ودج شاہ رگ کہ مے باشد مابین آں ہا حلقوم و مری و شاہ رگ از ہر جائے کہ قطع نمودہ شود حیوان مے میرد۔ و در ہر موضع برائے او نامیست مخصوص پس ایں جانام او ودج و ورید است و در پشت نیاط و ابہر در بطن و تین و در ران نسا و در پائے انجبل و در دست اکل و در ساق صافن۔ قطع ود جان برائے اخراج دم مسفوح است و قطع حلقوم و مری برائے سرعت اخراج نفس و قلت عذاب برائے ذبیحہ و بقطع سہ ازاں چہار لا علی التعمین عند الامام ابی حنیفہ نیز حلال مے باشد۔ و فقہارا رضی اللہ عنہم در ذبح فوق العقدہ اختلاف

ذبح تین چیزوں یعنی حلقوم مری و ود جان کے قطع کرنے کو کہتے ہیں۔ حلقوم وہ ہے جس میں سے سانس آتا جاتا ہے۔ اور مری (کریم کے وزن پر) وہ ہے جس میں سے کھانا پینا اندر جاتا ہے۔ و ود جان وہ ہے جنہیں شاہ رگیں کہا جاتا ہے۔ حلقوم اور مری ان دو رگوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ شاہ رگ بدن کے جس حصہ میں بھی کٹ جائے جانور مر جاتا ہے۔ تمام جسم میں ہر جگہ اس کا نام علیحدہ ہے۔ گردن میں ودج یا ورید کہتے ہیں۔ پشت میں نیاط اور ابہر، پیٹ میں و تین، ران میں نسا، پاؤں میں انجبل، ہاتھوں میں اکل، پنڈلی میں صافن۔ و ود جان کے کاٹنے سے دم مسفوح بدن سے جلدی خارج ہو جاتا ہے۔ حلقوم اور مری کے قطع ہو جانے سے روح جلدی خارج ہوتا ہے۔ تاکہ ذبیحہ کو ذبح کی تکلیف اور عذاب

عقدہ ہمارے عرف میں گرہ یعنی گھنڈی مشہور ہے۔ جس کے اوپر سر کی جانب ذبح ہو تو اس میں علماء کا

اختلاف ہے۔ حضرت مؤلف نے حرام ہونے کی ترجیح دی ہے۔ (مترجم)

است فمحرّمٌ ومستحلٌّ امامٌ رُستغْفَنِي بضم الراء و
سكون السين المهملتين وضم التاء ثالث
الحروف وسكون الغين المعجمة وبالثون بعد الفاء
لؤ الحسن علي بن سعد منسوب بؤئ رُستغْفَن
کہ وہ است از دیہات سمرقند و شیخ صاحب
نہایہ و صاحب عنایہ و اتقانی و صاحب مخ تاقلا
عن البر ازیہ و صاحب دُرر و صاحب ملتقى
و غیر ہم ذبح فوق العقدہ را حلال مے گویند بہ
دلیل آن کہ عقدہ را در کلام خدا جل جلالہ و
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکرے نیست و آن
چہ ضروری است یعنی قطع اکثرے از عروق
چہارگانہ عند الامام دریں صورت موجود۔ و
حدیث الذکاة ما بین اللبۃ
واللحیین و ہم چنین عبارت مبسوط
الذبح ما بین اللبۃ والحیین بلکہ عبارت جامع
صغیر لا بأس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ و اعلاہ
و اسفلہ نیز بر تقدیر ارادہ عنق از حلق کمافی
القہستانی مشعر است بر حلیت آن۔ اتقانی در
غایۃ البیان بر قائلین حرمت تشنیع بلغ نمودہ
حیث قال الاتری الی قول
محمد فی الجامع او اعلاہ فاذا
ذبح فی الاعلی
'لا بدان تبقی العقدۃ تحت ولم

تھوڑا ہو۔ ان چار رگوں میں سے جوئی تین
رگیں قطع ہو جائیں امام اعظم لؤ حنیفہ کے
نزدیک جانور حلال ہو جاتا ہے۔ عقدہ سے
اوپر ذبح ہونے کی صورت میں فقہاء کا
اختلاف ہے۔ بعض حلال کہتے ہیں اور بعض
حرام۔ امام لؤ الحسن علی بن سعد جو امام رُستغْفَن
کے نام سے مشہور ہیں۔ رُستغْفَن سمرقند کے
مضافات میں ایک بستی ہے) صاحب نہایہ
کے شیخ اور صاحب عنایہ و اتقانی اور صاحب مخ
(جنہوں نے اس مسئلہ کو بزازی سے نقل کیا
ہے) صاحب دُرر، صاحب ملتقى و غیر ہم
حضرات ذبح فوق العقدہ کو حلال کہتے ہیں۔
ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم اور حدیث
نبوی میں عقدہ کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اگر حلت
اور حرمت کا تعلق اُس کے ساتھ ہوتا تو کس
طرح خاموشی پائی جاتی۔ دوم امام اعظم کے
نزدیک چار رگوں میں سے اکثر کا کٹ جانا
شرط ہے وہ بھی اس صورت میں موجود ہے
یعنی تین رگیں کٹ جاتی ہیں۔ سوم حدیث
شریف میں وارد ہے یعنی ذبح ہنسی اور
کلائیوں کے درمیان ہے۔ اس میں بھی عقدہ
کا ذکر کہیں نہیں۔ اسی طرح مبسوط کی عبارت
الذبح ما بین اللبۃ

يلتفت الى العقدة في كلام
الله تعالى ولا كلام رسوله
صلى الله عليه وسلم بل
الذكاة بين اللبنة واللحيين
بالحديث وقد حصلت لا
سيما على قول الامام من
الاكتفاء بثلاث من الاربع اياً
كانت ويجوز ترك الحلقوم
اصلاً فبالاولى اذا قطع من
اعلاه وبقية العقدة اسفل اه
هكذا في الحافظية وكيف
يصح القول بعدم الحل على
قول الامام وقد قال يكتفى
بقطع الثلث من الاربع اى
ثلث كان فيجوز على هذا
ترك الحلقوم اصلاً
فبالاولى اذا قطع من اعلاه
وكذا العلامة الشلبى اطال
فى رد القول بالحرمة على
وجه التشنيع بالعزوالى
الاتقانى الى ان قال وهو اى
ما ذكره الاتقانى صريح فى
مخالفة ما ذهب اليه الزيلعى

وكذا

واللحيين اور جامع صغير کی عبارت لاء
بأس بالذبح الخ صراحة ذبح فوق العقده
کی حلت پر دلالت کر رہی ہے (قہستانی نے
حلق کا معنی گردن کیا ہے) اتقانی نے غایۃ
البیان میں حرام کہنے والوں کو سخت بُرا بھلا کہا
ہے۔ فرماتے ہیں جامع صغير میں امام محمد کے
لفظ او اعلاه کی تو ملاحظہ کرو۔ جب ذبح حلق
سے اوپر واقع ہو تو لامحالہ عقده نیچے رہ جائے
گا۔ دوسرا کلام خداوندی اور آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی کلام میں بھی عقده کی طرف توجہ
نہیں مکی گئی۔ بلکہ حدیث شریف میں تو
الذكاة بين اللبنة واللحيين فرمایا
گیا ہے۔ خصوصاً امام ہمام رضی اللہ عنہ کے
قول کے مطابق جب تین کا کہیں سے کٹ
جانا کافی ہے تو حلقوم کا بالکل ترک ہو جانا بھی
جائز ہوگا۔ اور جب حلقوم ترک ہو جائے تو
جانور حلال ہو جاتا ہے تو عقده سے اوپر کٹ
جانے سے بطریق اولیٰ حلال ہوگا۔ اه۔
حافظیہ میں ہے ”امام صاحب کے فرمان کو
پیش نظر رکھتے ہوئے ذبح فوق العقده کو حرام
کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ آپ فرما
چکے ہیں کہ کوئی سی تین رگوں کا کہیں سے کٹ
جانا کافی ہے لہذا جب حلقوم کا ترک جائز ہے

تو حلقوم

العلامة الحموي يذكر
 مانصه ' وفي النهاية سئل
 رستغفني عن ترك عقدة
 الحلقوم ما يلي الصد فقال
 هذا قول العوام وليس بمعتبر
 الي ان قال وكان شيخه اي
 شيخ صاحب النهاية يفتي به
 وكذا العلامة العيني لم يقل
 بقول الزيلعي مع حرصه على
 متابعة بل اقتصر على ما ذكره
 في الغاية حيث قال وهذا يعني
 ما ذكره الرستغفني من الجواز
 صحيح لانه لا اعتبار لكون
 العقدة من فوق ومن تحت الي
 ان قال ولم يلتفت الي العقدة لا
 في كلام الله ولا في كلام
 رسوله ﷺ وكذا الشيخ اكل
 الدين في العناية ذكر ان
 الحديث دليل ظاهر للامام
 الرستغفني ورواية المبسوط
 ايضاً تساعده (علامة ابوالسعود حاشية
 ملاسكين) مے گوید محرز سطور عفی عنہ ربہ
 الغفور کہ ابوالسعود علامہ عینی را در عبارت مذکورہ
 بالا از مستحلبین شمرده ہم

سے اوپر قطع ہو جانے سے بطریق اولیٰ جانور
 حلال ہوگا" اسی طرح علامہ شلمی نے بھی حرام
 کہنے والوں کی خوب تردید کی ہے اور اتقانی کی
 طرف اس مسئلہ کو نسبت کیا ہے اور کہا ہے کہ
 علامہ اتقانی نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ علامہ
 زیلعی کے صراحتاً مخالف ہے اسی طرح علامہ
 حموی نے بھی اتقانی کی تخصیص کا ذکر کیا ہے۔
 نہایہ میں ہے کہ امام رستغفنی سے پوچھا گیا کہ
 جو شخص عقدہ ترک کر دے تو جانور کا کیا حکم
 ہے۔ فرمایا یہ عوام کا قول ہے یعنی حرام کہنا غیر
 معتبر ہے اور ان کے شیخ یعنی صاحب نہایہ کے
 شیخ حلت کا فتویٰ دیتے تھے۔ اسی طرح علامہ
 عینی نے بھی زیلعی کے اس قول کی (قول
 بالحرمة) کی تائید نہیں کی۔ حالانکہ آپ زیلعی
 کی متابعت پر سخت حریص ہیں۔ آپ فرماتے
 ہیں۔ رستغفنی کا جائز کہنا صحیح ہے کیونکہ عقدہ
 اوپر نیچے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں حتیٰ کہ انہوں
 نے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ قرآن اور
 حدیث میں عقدہ کا ذکر نہیں آیا۔ اسی طرح شیخ
 اکل الدین نے عنایہ میں ذکر کیا ہے کہ
 حدیث شریف ظاہر طور پر امام رستغفنی کی تائید
 کر رہی ہے اور مبسوط کی روایت بھی رستغفنی
 کے موافق ہے (علامة ابوالسعود حاشیہ ملا
 مسکین)

چنیس علامہ شامی نیز حیث قال وبہ
جزم صاحب الدرر والملقی
والعینی و غیر ہم

محرر سطور کا خیال ہے کہ علامہ ابوالسعود تو علامہ
عینی کو مستحلین میں سے شمار کر رہے ہیں اور اسی
طرح علامہ شامی نے بھی عینی کو مستحلین میں
سے شمار کیا ہے۔

لیکن میرے ذہن میں علامہ عینی کا رجحان
زیلعی کی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ علامہ عینی
نے صدر کلام میں تحریم کو دار قطنی کی حدیث اور
دلیل عقلی کے ساتھ مدلل کیا ہے اور آگے چل
کر اختلاف کو ظاہر کرنے کے لئے مذکورہ بالا
عبارت بھی نقل فرمائی ہے اور صاحب عنایۃ
کے قول کو کمزور سمجھتے ہوئے ترک کر دیا ہے۔
فرماتے ہیں ذبح مستحق یہ ہے کہ حلق اور لبہ
کے درمیان ہو۔ لبہ سینہ کے اوپر کو کہتے ہیں۔
جامع صغیر میں ہے کہ حلق میں جہاں بھی ہو
جائے کوئی ڈر نہیں درمیان میں ہو یا اوپر نیچے
اس بارے میں اصل وہ روایت ہے کہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو
بھیجا کہ منیٰ کی گلیوں میں منادی کر دے الا
ان الذکوۃ فی الحلق۔ خبر دار ذبح
حلق میں ہے۔ رواہ دار قطنی۔

و در ذہن ناقص ایں بے هیچ علامہ عینی را
میلان بسوئے قول بالتحریم معلوم می شود چه
عینی در صدر کلام تحریم را مدلل بحدیث دار
قطنی و دلیل عقلی نمودہ بعد ازاں عبارت
مذکورہ اظہاراً للخیلاف نقل کردہ و تزییف ما
قاله صاحب العنایۃ را اعتماداً علی
ظہور و ہنہ ترک نمودہ حیث قال
والذبح المستحق ان یکون
بین الحلق واللبنۃ بفتح اللام
واللبۃ المشددة وهو راس
الصدر فی الجامع ولا یاس
بالذبح فی الحلق کلہ و سطہ
واعلاہ واسفلہ والاصل فیہ
ما روی انه علیہ الصلوۃ
والسلام بعث منادیا ینادی
فی فجاج منی الا ان الذکوۃ
فی الحلق (الحدیث) رواہ
الدار قطنی

ولانه مجمع مجرى النفس و
مجرى الطعام و مجمع
العروق فيحصل بقطعه
المقصود على ابلغ الوجوه
وهو انهار الدم والتقييد
بالحلق واللبة يفيد انه لو ذبح
اعلى من الحلقوم او اسفل
منه يحرم لانه ذبح في غير
المذبح ذكره في الواقعات
وفي فتاوى سمرقند قصاب
ذبح شاة في ليلة مظلمة
فقطع اعلى من الحلقوم او
اسفل منه يحرم اكلها و در
عيني هدايه در باره حديث الذكاة
ما بين اللبة واللحين كه سند
است برائے مستحلين گفته ولم يثبت
هذا الحديث بهذه العبارة
برناظر فطن از عبارت مذکورہ پيدا است كه
علامه عيني از حلق در عبارت جامع عنق را
مراد نداشته كما ينادى عليه
قوله والتقييد بالحلق واللبة
الذبح بلکہ حلقوم گرفته كما في القاموس
قال العلامة

دوم عقدہ چونکہ تمام رگوں کا مجمع ہے لہذا اس
کے منقطع ہو جانے سے مکمل طور پر خون جاری
کرنے کا مقصد حاصل ہو سکے گا۔ باقی ذبح کا
حلق اور لبہ کے ساتھ مقید ہونا صراحتہ دلالت
کر رہا ہے کہ حلقوم سے اوپر اور لبہ سے نیچے
ذبح نہیں کیا گیا (اس کو صاحب واقعات نے
ذکر کیا ہے) فتاویٰ سمرقندی میں ہے کہ اگر کسی
قصاب نے اندھیری رات میں بکری ذبح کی
اور حلقوم سے اور لبہ سے نیچے ذبح کر ڈالی تو
اس کا کھانا حرام ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں
الذکاة بین اللبة واللحين کی
حدیث جو مستحلیں کی سب سے بڑی دلیل ہے
کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے
ساتھ ثابت نہیں ہوئی۔ اب علامہ عینی کی
مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ
جامع صغیر کی عبارت میں اس نے حلق سے
گردن ہرگز مراد نہیں لی جیسا کہ
”والتقييد بالحلق واللبة“ کے
الفاظ سے واضح ہو رہا ہے بلکہ حلق بمعنی حلقوم
مراد لیا ہے (كما في القاموس) علامہ
شامی فرماتے ہیں۔ قوله بين الحلق
واللبته حلق در اصل حلقوم کو کہتے ہیں
(قاموس) یعنی عقدہ سے لے کر سینے کے اوپر

الشامی قوله بین اللبۃ فی
 الاصل الحلقوم کما فی
 القاموس ای من العقدة الی
 مبدء الصدرو ہم چنین در سائر متون
 فقہ حلقوم را مذبح قرار داده اند یعنی از سر عقده
 تا اس صدر محل ذبح است و سطحش باشد یا
 اسفل از وسط یا اعلیٰ از وسط پس مراد از واعلاء
 در عبارت جامع اعلاء از حلق یعنی فوق العقده
 نیست یدل علیہ ایضاً قوله والتقیید (یعنی چنانچہ
 اتقانی و ابتاعش از وفہمیدہ و بناء علیہ قال ما
 قال بلکہ مراد وسط و اعلاء و اسفل در حلق است
 چه صاحب جامع لا بأس بالذبح فی
 الحلق کلہ وسطہ و اعلاء
 و اسفلہ گفتہ پس در صورت بودن مراد
 از اعلاء فوق العقده منافی خواهد بود بقول او فی
 الحلق (طحاوی) فی نویسد و اما کلام
 محمد فی الجامع لا بأس
 بالذبح فی الحلق کلہ اسفل
 الحلق او وسطہ او اعلاء الخ
 فتبعین فہمہ علی ما قالہ
 الشمنی وملا علی لانه عبر
 اولاً بقوله لا بأس بالذبح

تک مذبح ہے اسی طرح فقہ کے تمام متون نے
 حلقوم کو مذبح قرار دیا ہے یعنی عقده سے لے
 کر مبدء صدر تک مذبح ہے۔ اس کے عین
 وسط میں یا وسط سے اوپر یا وسط سے نیچے۔ لہذا
 جامع صغیر کی عبارات میں او اعلاء سے
 مراد فوق العقده ہرگز نہیں ہو سکتا جیسا کہ علامہ
 اتقانی وغیر ہم نے سمجھا ہے۔ کیوں پھر
والتقیید بالحلق کہنے کی کیا ضرورت
 تھی۔ بلکہ وسط، اعلیٰ اور اسفل حلق کے اندر ہی
 مراد ہے۔ اور اعلیٰ سے فوق العقده مراد لینے کو
 فی الحلق کا لفظ صاف طور پر منافی ہے۔ علامہ
 طحاوی لکھتے ہیں کہ امام محمد کا جامع صغیر میں لا
بأس بالذبح فی الحلق کلہ
 کہنے کا مفہوم لازمی طور پر وہی ہو سکتا ہے جو
 شمنی اور ملا علی قاری وغیرہ نے لیا ہے کیونکہ
 جب امام محمد صاحب فی الحلق کلہ
 فرما رہے ہیں۔ تو حلق میں ذبح اسی صورت
 میں ممکن ہے کہ عقده سر کی جانب متصل ہو۔
 ورنہ پھر ذبح حلق سے خارج ہوگی حلق کے
 اندر نہ ہوگی۔ اھک۔

علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ ذبح کی جانے والی
 رگوں میں سے حلقوم ہے خواہ اس کے عین
 وسط میں یا وسط سے اعلیٰ یا وسط سے اسفل میں

فی الحلق كله ولا يكون فيه
 إلا اذا كانت العقدة ممايلي
 الراس والا كان خارجة. انتهى
 موضع الحاجة. وقال الشمني
 وعروق الذبح الحلقوم في
 وسطه او في اعلاه او في
 اسفله بعد ان يكون فيه حتى
 لو ذبح اعلى الحلقوم او اسفل
 منه يحرم لانه ذبح في غير
 المذبح انتهى موضع الحاجة.
 پس اتقانی و صاحب حافظیہ و علامہ شملہی در فہم
 مراد جامع و علامہ ابوالسعود در انتساب قول
 بالاستحلال بسوئے علامہ نینی و ہم چنین در
 تسلیم و تصحیح ما قال الاتقانی و صاحب الحافظیہ
 و العلامة شملہی از جادہ مستقیم دور افتادند۔
 و آن چه گفته اند کہ ولم یلتفت الی
 العقدة لا فی کلام اللہ ولا فی
 کلام رسول ﷺ منی است بر عدم
 التفات بسوئے قولہ تعالیٰ الا ما ذکیتم
 و حدیث مذکور۔ طحاوی گفتہ و اما قوله
 ولم یلتفت الی العقدة فی
 کلام اللہ تعالیٰ ولا فی کلام
 رسوله فممنوع لان اللہ

قطع واقع ہو لیکن اس کے اندر ضرور ہو۔ اگر
 حلقوم سے اوپر یعنی عقدہ سے اوپر ذبح واقع
 ہوئی تو جانور حرام ہو جائے گا کیونکہ ذبح اپنے
 محل میں واقع نہیں ہوئی۔ اھک۔ لہذا علامہ
 اتقانی اور صاحب حافظیہ و علامہ شملہی نے
 جامع کی عبارت کا مفہوم سمجھنے میں اور علامہ ابو
 السعود نے استحلال کا قول علامہ نینی کی طرف
 منسوب کرنے میں یا اتقانی اور صاحب حافظیہ
 اور شملہی وغیرہم کے قول کی تصحیح علامہ نینی کے
 ذمہ لگانے میں سخت غلطی کھائی ہے۔ باقی ان
 کا یہ اعتراض کہ قرآن اور حدیث میں عقدہ کا
 کہیں ذکر موجود نہیں یہ بھی آیت **الْاَ مَا
 ذَكَّيْتُمْ** اور حدیث ان الذکاة فی
الحلق کی طرف عدم توجہی پر مبنی ہے۔
 علامہ طحاوی اسی اعتراض کا جواب دیتے
 ہوئے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے
الْاَ مَا ذَكَيْتُمْ ”یعنی وہ جانور حلال ہے
 جس کو تم ذبح کرو“ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے منیٰ کی گلیوں میں منادی کے ذریعہ محل
 ذبح متعین فرما دیا ہے کہ ذبح حلقوم میں ہو۔
 اور امام محمد صاحب نے فی الحلق کے
 لفظ سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا کہ ذبح صرف حلق
 کے وسط ہی میں جائز ہے۔ لا بأس
 بالذبح

فی الحلق کله وسطه او اعلاه
 او اسفله کی تشریح فرما کر اس وہم کو دور کر
 دیا ہے کہ محل ذبح حلق ہے خواہ عین وسط میں
 ذبح کرو یا وسط سے اوپر یا وسط سے نیچے۔ اھ
 ک

تعالیٰ قال الا ما ذکیتم و بین
 رسوله صلی اللہ علیہ وسلم
 محل الذکاة فبعث منادیا
 ینادی فی فجاج منی الا ان
 الذکاة فی الحلق الحدیث
 رواه الدار قطنی و محمد
 رحمة اللہ تعالیٰ انما قال ما
 ذکر دفعا لما یتوهم ان الذبح
 لا یکون الا فی وسط الحلق۔
 انتھی موضع الحاجة۔

حتون فقہ کی عبارات مندرجہ بالا کا یہی مفہوم
 ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں جو لوگ مندرجہ بالا
 تشریح متون فقہ کو صحیح سمجھتے ہیں اور ذبح مافوق
 العقدہ کو حرام کہتے ہیں وہ حضرات ذیل ہیں۔
 صاحب نقایہ اور مواہب، اصلاح، زیلعی
 صاحب البحر الرائق، طحاوی صاحب ذخیرہ،
 صاحب واقعات و فتاویٰ سمرقندی ملا علی قاری
 شمشی شرنبلالی وغیرہم صاحب شرح وقایہ نے
 تشریح کی ہے۔ لم یجز فوق العقدہ۔
 فقیر کے نزدیک اسباب میں اصل وہ حدیث
 ہے جو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ذکر
 کی ہے جو حضرت ابن عباس حضرت علی اور

ایں است مفاد عبارات متون کہ الذبح
 بین الحلق واللبۃ نوشتہ اندو
 عبارت جامع صغیر کہ لا باس بالذبح
 فی الحلق کله الخ گفتہ و صاحب
 نقایہ و مواہب و اصلاح و زیلعی و صاحب
 البحر الرائق و طحاوی صاحب ذخیرہ و صاحب
 واقعات و فتاویٰ سمرقندی و ملا علی و شمشی و
 شرنبلالی و صاحب شرح وقایہ وغیرہم قائل اند
 بحرمت ذبح فوق العقدہ و ہمیں است مفاد
 عبارات متون کما یدل علیہ
 تصریح شارح الوقایہ بقولہ
 فلم یجز فوق العقدہ و نزہ فقیر اصل
 دریں مسئلہ آل حدیث است کہ اخراج نمودہ

اورا عبد الرزاق در مصنف خود موقوفاً علی ابن
عباس و علی و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم الذکاة
فی الحلق واللہ (یعنی ہدایہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین پر موقوف
ہے۔ الذکاة فی الحلق واللہ
(یعنی ہدایہ)

چہ در صورت ذبح فوق العقدہ ذکاة فی الحلق
 نے ماند اما حدیث کہ ذکر نمودہ است اورا
 صاحب ہدایہ الذکاة بین اللبۃ
 والطحین وتمسک گرفتہ اند بدوام
 رستغفی وتابعان او پس ثابت نہ شدہ بدان
 عبارت قال العینی ولم یثبت
 هذا الحدیث بھذہ العبارت۔
 دارقطنی اورابہ لفظ الا ان الذکاة فی
 الحلق واللبۃ۔ اخراج نمودہ کہ نیز سند
 است برائے قائلین بحرمت گودر اسناد این
 حدیث سعید بن سلام است واورا متروک
 الحدیث گفتہ اند فقال فی التنقیح
 هذا اسناد ضعیف بمرۃ و
 سعید بن سلام اجمع الامۃ
 علی ترک الاحتجاج بہ وکذ
 بہ ابن نمیر وقال البخاری
 یذکر موضوع الحدیث وقال
 الدار قطنی یحدث بالبواطیل
 متروک“ لکن از جہت متروک بودن
 او جرح در متن

ظاہر ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں
 ذکاة فی الحلق ہرگز حاصل نہیں ہوتی باقی جس
 حدیث کو صاحب ہدایہ نے الذکاة بین
 اللبۃ والطحین کے الفاظ سے نقل کیا
 ہے اور امام رستغفی وغیرہم نے اس کے ساتھ
 استدلال کیا ہے بقول علامہ عینی ان الفاظ
 کیساتھ ثابت نہیں بلکہ دارقطنی نے اس
 حدیث کو الا ان الذکاة فی الحلق
 واللبۃ کے الفاظ سے تخریج کیا ہے جو حرام
 کہنے والوں کا مستدل ہے گو اس حدیث کے
 اسناد میں سعید ابن سلام راوی موجود ہے جو
 متروک الحدیث ہے۔ صاحب تنقیح فرماتے
 ہیں اس حدیث کا اسناد ضعیف ہے اور سعید
 ابن سلام وہ راوی ہے جس کی حدیث تمام
 امت نے بالا جماع ترک کر دی ہے۔ ابن
 نمیر نے اُسے جھوٹا کہا ہے اور امام بخاری کہتے
 ہیں کہ وہ موضوع حدیثیں ذکر کرتا ہے۔ دار
 قطنی کہتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں روایت کرتا
 ہے اور متروک ہے لیکن سعید کے متروک
 ہونے سے حدیث کے متن میں کوئی غلطی نہیں
 واقع ہو سکتی

حدیث و احتجاج صاحب مذہب بدو لازم
 نے آید چہ سعید بن سلام راوی سافل و متأخر
 است از صاحب مذہب از برائے آل کہ او
 روایت کردہ از عبداللہ بن عدیل خزاعی از
 زہری از سعید بن مسیب از ابی ہریرہ کمانی
 سنن دارقطنی پس احتجاج صاحب مذہب و
 اسناد او از سعید بن سلام ہیچ تعلق نے۔ از لفظ
فی الحلق کہ در حدیث موقوف یا
 مرفوع وارد شدہ ثابت گشت قول فقہاء کہ
العروق التي تقطع في الذكاة
اربعة الحلقوم والمرئی
والودجان۔ آرے بناء علی ان
للاكثر حکم الكل حضرت امام اعظم
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ استفا بقطع ثلاث اسی ثلاث کان
 فرمودہ ہمیں بود قول ابو یوسف اولاً۔ و در قول
لی اشتراط تعیین قطع حلقوم
ومرئی وأحد الودجین نمودہ
 امام محمد قطع ہر واحد از چہارے گوید گو قطع اکثر
 باشد از ہر واحد و امام مالک ہر چہار را بغیر از
 استفاً اکثر گفتہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
 اکتفاء بقطع حلقوم و مرئی نمودہ۔ ازیں جا
 ظاہر گشت کہ استحلال ذبح فوق العقدہ

اور نہ صاحب مذہب کے اس حدیث کو قابل
 حجت سمجھنے میں کوئی نقص لاحق ہو سکتا ہے کیونکہ
 ابن سلام صاحب مذہب سے متأخر اور نچلا
 راوی ہے۔ سعید نے عبداللہ بن عدیل خزاعی
 سے روایت کی ہے اُس نے زہری سے اُس
 نے سعید ابن مسیب سے اُس نے ابی ہریرہ
 سے (کمانی سنن دارقطنی) لہذا صاحب
 مذہب کے احتجاج اور اسناد کو سعید ابن سلام
 سے کسی قسم کا تعلق نہیں اور **فی الحلق** کے
 لفظ سے جو حدیث مرفوع یا موقوف میں موجود
 ہے فقہاء کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ ذبح
 میں چار رگوں یعنی حلقوم، مری اور ودجان کا
 کاٹنا ضروری ہے۔ چونکہ اکثر کے لئے کل کا
 حکم ہوتا ہے لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے
 تین کے انقطاع پر اکتفا کیا ہے یعنی جوئی تین
 کٹ جائیں ذبح صحیح ہو جائے گی۔ امام
 یوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے۔ دوسرے قول
 میں انہوں نے حلقوم، مری اور ودجین میں
 سے ایک کا کاٹنا شرط قرار دیا ہے۔ امام مالک
 چاروں کا قطع کرنا لازم سمجھتے ہیں اور امام شافعی
 صاحب حلقوم اور مری کے قطع ہو جانے پر اکتفا
 کرتے ہیں۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ
 ذبح فوق العقدہ کی

مخالف است از حدیث مذکور و از مذاہب
 ائمہ اربعہ چہ ذبح فوق العقدہ والفظ فی الحلق
 وہم چنین مذہبی از مذاہب اربعہ شامل نیست
 از برائے آن کہ دریں صورت قطع ودجان
 متحقق است فقط آری لفظ بین اللبۃ
 واللحیین شامل مے شود اولکن تصریح
 نمود علامہ یعنی بعدم ثبوت او بعبارت مذکورہ
 کما مر۔ لہذا صاحب بحر الرائق بعد نقل قول
 امام رستغنی گفتہ و هذا مشکل فانہ
 لم یوجد فیہ قطع الحلقوم ولا
 المرئی واصحابنا رضی اللہ
 عنہم وان شرطوا قطع الاکثر
 فلا بد من قطع احدہما عند
 الكل واذا بقی شیء من عقدۃ
 الحلقوم مما یلی الرأس لم
 یحصل قطع واحد منہما فلا
 یوکل بالاجماع انتہی۔ مے گوید
 محرر سطور عفی عنہ قولہ بالاجماع قید
 للفتی لا للفتی۔ فتدبر۔ طحاوی
 گفتہ والذی ظہری ان الحق
 قول الزیلعی ومن معہ
 صاحب ذخیرہ نوشتہ قال فلم

صورت میں فی الحلق پر عمل نہیں ہو سکتا
 ہاں شاہ رگیں ضرور کٹ جاتی ہیں۔ ہاں
 الذکاة بین اللبۃ واللحیین کی
 حدیث ذبح فوق العقدہ کو شامل ہو سکتی
 ہے۔ لیکن وہ ثابت نہیں کما مر۔ اسی لیے
 بحر الرائق نے رستغنی کا قول نقل کرنے کے
 بعد لکھ دیا ہے کہ یہ مشکل ہے کیونکہ اس صورت
 میں مری اور حلقوم قطع نہیں ہوتے اور اصحاب
 حنفیہ کے نزدیک اکثر کا قطع کرنا بشرط ہے۔
 لہذا مری اور حلقوم میں سے ایک کا کاٹنا تو
 سب ائمہ کے نزدیک ضروری ہوا۔ اب اگر
 عقدہ چھوڑ دیا جائے تو ان میں سے ایک بھی
 قطع نہیں ہوگی۔ لہذا بالاتفاق اس کا کھانا
 ناجائز ہوگا۔ اھک۔ محرر سطور عفی عنہ ربہ الغفور
 کے نزدیک بالاجماع کا لفظ نفی کی قید ہے نہ منفی
 کی یعنی بالاجماع کا تعلق لایوکل کے
 ساتھ ہے۔ نہ لم یحصل قطع واحد
 منہما کے ساتھ تدبر۔ علامہ طحاوی لکھتے
 ہیں۔ مجھے جو چیز معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ
 زیلعی اور اس کے تبعین کا مذہب حق ہے۔
 صاحب ذخیرہ لکھتے ہیں کہ ذبح فوق العقدہ
 ناجائز ہے۔ عقدہ گردن میں بلند مقام کو کہتے

ہیں۔ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ کی صورت میں حلقوم اور مری قطع نہیں ہوتیں۔ اھک

يجزفوق العقدة. وهي
الموضع المرتفع في اعلى
العنق وانما لم يجزلانه لم
يوجد فيه قطع الحلقوم
والمرئى انتهى.

زیلعی کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ائمہ حنفیہ نے چونکہ تین رگوں کا کاٹنا شرط قرار دیا ہے لہذا مری اور حلقوم میں سے ایک کا کاٹنا ضروری ہو گا۔ اور جب عقدہ تمام کا تمام جسم کے ساتھ متصل رہ جائے تو پھر ان میں سے ایک بھی قطع نہیں ہوگی لہذا اس کا کھانا بالا جماع ناجائز ہو گا۔ اسی طرح علامہ شمش فرماتے ہیں کہ ذبح کی جانے والی رگوں میں سے حلقوم بھی ہے خواہ اس کے وسط میں قطع واقع ہو خواہ وسط سے اوپر یا وسط سے نیچے بہر کیف ذبح حلق کے اندر ہی ہونی چاہیے۔ لہذا اگر کوئی شخص حلقوم سے اوپر ذبح کرے یا نیچے تو مذبح حرام ہو جائے گی کیونکہ اس نے محل ذبح میں سے ذبح نہیں کیا۔ اھک۔

زیلعی آورده واصحابنا رحمهم
الله وان اشترطوا قطع الاكثر
فلا بد من قطع احدهما اى
الحلقوم والمرئى عند الكل
واذ لم يبق شىء من عقدة
الحلقوم مما يلى الراس لم
يحصل قطع واحد منهما فلا
يوكل بالاجماع وكذلك
الشمى قال وعروق الذبح
الحلقوم فى وسطه او فى
اعلاه او فى اسفله بعد ان
يكون فيه حتى لو ذبح اعلى
الحلقوم او اسفل منه يحرم
لانه ذبح فى غير المذبح. اھ

ملا علی قاری اور شرنبلالی وغیرہ نے بھی زیلعی سے اس طرح نقل کیا ہے اور طحاوی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اسی بناء پر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ تین رگوں کا قطع ہونا حلقوم کے قطع

وذكر نحوه ملا علی وذكره
الشرنبلالی عن الزيلعی و
اقره. طحاوی. وبناء عليه
صاحب ہدایہ گفته الا انه لا يمكن

قطع هذه الثلاثة الا بقطع
الحلقوم۔ ہدایہ صفحہ ۲۲۱ سطر ۷ مقدسی
ورلی از جانب امام رستغفنی جواب دادہ اند۔
قال المقدسی قوله لم يحصل
قطع واحد منهما ممنوع بل
خلاف الواقع لان المراد
بقطعهما فصلهما عن الراس
او عن اللبۃ آہ وقال الرملى
لا یأزم منه عدم قطع المری
اذ یمکن ان یقطع الحرقہ
کذبرج وهو اصل اللسان
وینزل علی المرئی فیقطعه
فیحصل قطع الثلثة انتھی۔

مے گوید محرر سطور عنی عنہ ربہ الغفور کہ وَدَج
حسب تصریح علماء متصل است براس قال
العینی وقال اللیث الودج عرق
متصل من الراس الی النحر
انتھی۔ و مرئی متصل است بحلقوم قال
العینی مری الجزور والشاة
المتصل بالحلقوم۔ وکے از اہل
لسان تصریحے نف مودہ کہ مرئی متصل است
براس بلکہ حس شہادت مے دہد برآں چہ عینی
ناقل عن العباب گنتہ فما قال الرملى

بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہدایہ ص ۲۲۱ سطر ۷۔
مقدسی اور رملی نے امام رستغفنی کی طرف سے
جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ مقدسی کہتے
ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ذبح فوق العقدہ کی
صورت میں حلقوم اور مری میں سے ایک بھی
قطع نہ ہوگی بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔
کیونکہ قطع سے مراد ان رگوں کا سر سے یا سینہ
سے جدا ہو جانا ہے اور یہ حاصل ہو جاتا ہے
رملی کہتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مری
قطع نہ ہو کیونکہ ممکن ہے بیخ زبان کو قطع کرتے
ہوئے چھری پھسل کر مری پر جا پڑے اور
مری منقطع ہو جائے تو تین کا کٹ جانا حاصل
ہو جائے گا۔ اھک۔

فقیر محرر سطور رحمہ ربہ الغفور (فرماتے ہیں)
وَ دَج یعنی شہ رگ کا تعلق جسب تصریح علماء سر
اور دماغ کے ساتھ ہے۔ علامہ عینی نے لیث
سے نقل کیا ہے کہ وَ دَج اُس رگ کو کہتے ہیں
جو سر سے لے کر سینے تک موجود ہے اور مری کا
تعلق صرف حلقوم کے ساتھ ہے۔ علامہ عینی
لکھتے ہیں کہ اونٹوں اور بکریوں کی مری حلقوم
کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ یعنی عقدہ تک ختم
ہو جاتی ہے۔ کسی اہل زبان سے یہ تصریح
ثابت نہیں ہوئی کہ مری سر کے ساتھ متصل

امکان "محض" لا یفید ہونا۔

واما ما قال المقدسی ان
المراد بقطعہما فصلہما عن
الراس او عن الاتصال باللبة
فیأبی عنہ قولہم فی الحلق
کما ورد فی الحدیث و متون
الفقہ اذا اخذ الفصل علی
الاطلاق وبدونہ یلزم القرار
علی ما عنہ الفرار ویظہر من
تحویل العلامة الشامی علی
المشاهدة او السؤال عن اهل
التجربة عدم رضائہ
واطمینانہ بما قال المقدسی
والرملی واللہ اعلم۔

باید دانست کہ بر تقدیر تسلیم ثبوت عبارت
حدیث الذکاة ما بین اللبة
واللحیین اطلاق او محمول است بر تقييد
الا ان الذکاة فی الحلق علی
ما صرح به الشمنی وملا
علی وغیر ہما من شراح
الهدایة۔ کما قالو فی عبارة

ہے بلکہ حسن نے عینی کی رائے کو وقیع سمجھا ہے
اب آپ غور فرمائیں کہ رملی صاحب کا امکان
یہاں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

مقدسی صاحب کا یہ کہنا کہ قطع سے مراد
انفصال ہے۔ سر کی طرف سے ہو جائے یا
سینہ کی طرف سے محل تامل ہے۔ کیوں کہ
انفصال اگر مطلق ہے تو پھر حدیث فی الحلق
اور جملہ متون فقہ کے خلاف ہے اور اگر
انفصال مقید ہے جیسا کہ فی الحلق سے صراحتہ
معلوم ہو رہا ہے تو پھر مقدسی صاحب کے لئے
قرار ما عنہ الفرار لازم آئے گا۔ علامہ
شامی جب اس تحقیق کو معائنہ اور اہل تجربہ
سے سوال کرنے کے سپرد کر رہے ہیں تو
صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی مقدسی اور رملی کی
تحقیق پر ہرگز مطمئن نہیں ہے۔

فائدہ: گذشتہ اوراق میں ہم لکھ چکے ہیں کہ
حدیث الذکاة بین اللبة
واللحیین ثابت نہیں لیکن اگر تسلیم کر لیا
جائے کہ ثابت ہے تو اس کا اطلاق الا ان
الذکاة فی الحلق کی تقييد پر محمول ہو
گا یعنی پہلی حدیث مطلق ہے دوسری نے اسے
مقید کر دیا ہے۔ ہدایہ کے شراح اور علامہ شمنی

المبسوط والجامع قال في
النهاية بينهما اختلاف من
حيث الظاهر لان رواية
المبسوط تقتضي الحل فيما
اذا وقع الذبح قبل العقدة لانه
بين اللبنة واللحمين ورواية
الجامع تقتضي عدمه لانه اذا
وقع قبلها لم يكن الحلق
محل الذبح فكانت رواية
الجامع مقيدة لا طلاق رواية
المبسوط وقد صرح في
الذخيرة بان الذبح اذا وقع
اعلى من الحلقوم لا يحل لان
المذبح هو الحلقوم انتهى
موضع الحاجة. شامی و هكذا
قال السكاکی ذکره العینی
فی شرح الهدایة۔

اور ملاً علی قاری وغیر ہم نے مبسوط اور جامع
کی عبارتوں کی تحقیق میں اس کی تصریح کی
ہے۔ نہایت میں ہے کہ گو ظاہری طور پر ان
دونوں عبارتوں میں اختلاف ہے یعنی مبسوط
کی روایت حلت کی مقتضی ہے کیونکہ ما فوق
العقدہ لبہ اور لحمین کے درمیان ہے اور جامع
صغیر کی روایت تحریم کی مقتضی ہے۔ کیوں کہ
ذبح فوق العقدہ کی صورت میں ذبح حلق میں
نہ ہوگی لیکن درحقیقت جامع صغیر کی روایت
نے مبسوط کی روایت کو مقید کر دیا ہے۔ اسی
لیے صاحب ذخیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ
ذبح فوق العقدہ سے جانور حلال نہ ہوگا کیونکہ
محل ذبح حلقوم ہے۔ انتھی۔ شامی اور علامہ
سکاکی نے بھی یونہی کہا ہے جیسا کہ علامہ عینی
نے شرح ہدایہ میں ذکر کیا ہے۔

ایں جا تبرکاً و تائیداً سطرے چند از مکتوبات
 قدوسیہ رضی اللہ تعالیٰ عن صاحبہا نقل نمودہ
 مے شود۔ معدن اسرار ربانی و بحر دُرّ معانی
 حضرت مولانا شیخ المشائخ عبدالقدوس
 گنگوہی قدس سرہ در مکتوب صدوسی و پنجم
 مے نویسند و اگر حلقوم بریدہ نہ شود و در طرف
 سینہ گرہ او عند ذبح فرو افتد و بیچ ازاں بریدہ
 نشود بدیں ذبح

یہاں چند سطرے مکتوبات قدوسیہ کی رضی اللہ
 عن صاحبہا تبرک اور تائید کی غرض سے نقل کر
 دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ معدن اسرار
 ربانی و بحر دُرّ معانی حضرت مولانا شیخ المشائخ
 عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ اپنے مکتوب
 نمبر ۱۳۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر حلقوم قطع

بالاعقده واقع شود و ذبیحہ حلال نہ باشد دریں
 احتیاط نیکو باید کرد کہ اگر چہ بعضے روایات
 مرئوسہ در حل اوست حلال نہ پندارند و آن
 روایات را معتبر و مفتی بہ ندانند کہ کار دین
 است و کار حل و حرمت است این امور
 معظمہ را نیکو نگاہ دارند و مہمل نگذارند تا رونق
 اسلام و پاکی مسلمانان بر کمال باشد و گوشت
 اسب ہر چند در حل اذ اختلاف است۔ چوں
 امام اعظم رضی اللہ عنہ مکروہ مے دارند
 بکراہیت تحریمی چنان کہ در ذخیرہ و ہدایہ
 مسطور است و این روایت از وصحت پیوستہ
 است و صاحب کنز و وقایہ در سلک لا یجکل
 کشیدہ است و حرام داشتہ است خوردن آن
 نشاید و ترک اکل آن لازم آید زیرا کہ چوں
 حل و حرمت جمع شود حرمت را ترجیح دہندہ
 گرد آن نگردند کہ در و اخذ است و روایات
 مختار در باب ذبح این است **فنی**
الذخیرة وفي فتاوی سمرقندی
قصاب "ذبح شاة فی لیلة
مظلمة فقطع اعلى من الحلقوم
او اسفل منه یحرم اکلها لانه
ذبح فی غیر المذبح لان المذبح
هو الحلقوم فان قطع البعض

نہ ہو اور گرہ بدن کی طرف رہ جائے اور گرہ کا
 کچھ حصہ بھی نہ کٹے تو ذبیحہ حلال نہ ہوگی۔ اس
 میں اچھی طرح احتیاط کر لینا چاہیے۔ اگر چہ
 بعض روایتوں سے حلت معلوم ہوتی ہے مگر
 پھر بھی اُسے حلال نہ سمجھیں اور ان روایتوں کو
 معتبر اور مفتی بہ گمان نہ کریں۔ کیونکہ یہ دین کا
 کام ہے۔ حلت اور حرمت کا معاملہ ہے اسے
 معمولی نہ سمجھنا چاہیے تاکہ اسلام کی رونق اور
 مسلمانوں کی پاکی مکمل رہے۔ گھوڑے کا
 گوشت اگر چہ اس کی حلت میں اختلاف ہے
 لیکن امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ
 تحریمی کہتے ہیں جیسا کہ ذخیرہ اور ہدایہ وغیرہ
 میں موجود ہے۔ کنز اور وقایہ نے بھی اسے
 حرام کہا ہے لہذا اس کے کھانے سے احتراز
 لازم ہے۔ کیونکہ جب حلت اور حرمت میں
 اختلاف ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے
 کیونکہ اس میں سزا کا خطرہ ہے۔ ذبح کے
 مسئلہ میں چند معتبر روایات یہ ہیں۔ ذخیرہ اور
 فتاویٰ سمرقندی میں ہے کہ اگر قصاب نے
 اندھیری رات میں بکری ذبح کی اور گرہ سے
 اوپر ذبح ہوگئی تو اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔
 کیوں کہ محل ذبح حلقوم ہے اور کی ذبح غیر محل
 میں واقع ہوئی ہے۔ اگر پہلی دفعہ گرہ سے اوپر

ثم علم فقطع مرة اخرى
الحلقوم قبل ان يموت بالاول
فهذا على وجهين اما ان قطع
اول بتمامه او قطع شيئاً منه
ففي الوجه الاول لا يحل وفي
الوجه الثاني يحل وفي حل
الوقاية (م) و زكواة الضرورة
جرح اين كان من البدن
والاختيار ذبح بين الحلق
واللثة وعروقه الحلقوم
والمرئى والودجان (ش)
الحلقوم مجرى النفس
والمرئى مجرى الطعام
والشراب (م) فلم يجز فوق
العقدة وفي تحفة الفقهاء في
الغياثى وان قطع الحلقوم
والمرئى واكثر من احد
الودجين يحل والا فلا هو
الصحيح من الروايات
والمختار كذلك لو قطع احد
الودجين معهما وفي الكنز

چھری چل گئی اور کچھ حصہ کٹ گیا بعد میں فوراً
معلوم ہونے پر گرہ سے نیچے دوبارہ ذبح کیا
بشرطیکہ بکری پہلے وار سے مرنہ چکی ہو تو اس کی
دو صورتیں ہیں۔ اگر پہلی دفعہ گرہ سے اوپر
بالکل گردن جدا ہو چکی ہے پھر تو حرام ہو چکی
ہے لہذا دوبارہ صحیح ذبح کرنے سے حلال نہ ہو
گی۔ اور اگر پہلی دفعہ کچھ حصہ قطع ہوا ہے اور
پتہ چل گیا پھر صحیح مقام سے ذبح کر لی تو حلال
ہوگی۔ حل وقایہ میں ہے ذبح اضطراری میں
جسم کے جس حصہ میں بھی زخم پہنچ جائے جانور
حلال ہو جائے گا اور ذبح اختیاری میں حلق اور
سینے کے درمیان ہی ذبح واقعہ ہونی چاہیے۔
چار رگیں ذبح میں قطع کی جاتی ہے حلقوم، مری
اور ودجان۔ حلقوم سانس لینے کی رگ کو کہتے
ہیں اور مری جس سے کھانا وغیرہ اندر جاتا ہے
لہذا گرہ سے اوپر ذبح کرنا ناجائز ہوگا۔ تحفة
الفقہاء میں ہے کہ اگر حلقوم اور مری اور شہ
رگوں میں سے ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے تو
حلال ہے ورنہ نہیں۔ یہ روایت صحیح اور مختار
ہے۔ اسی طرح اگر ایک سالم ان میں سے
کٹ جائے تو بطریق اولیٰ حلال ہے کنز میں
ہے۔ ”ذبح حلق اور سینے کے درمیان میں ہے

والذبح بين الحلق واللبة
 والمذبح الحلقوم والمرثي
 والودجان وقطع الثلاث
 كاف وفي حاشيته وعنه
 يشترط قطع الحلقوم والمرثي
 واحد الودجين وعندهما لا بد
 من قطع اكثر كل واحد من
 هذه الاربعة وهو رواية عن ابي
 حنيفة وعند مالك يشترط
 قطع الكل ولا يكفي قطع
 الثلث عنده ايضا في
 حاشيته وقال الشافعي ان
 قطع الحلقوم والمرثي يحل
 وان لم يقطع الودجان وفي
 شرح النافع والعروق التي
 تقطع في الزكاة اربعة لقوله
 عليه السلام افر الوداج بما
 شئت فيتناول المرثي
 والودجين لانه اسم جمع
 واقله ثلثة وقطع هذه الثلاثة
 لا يمكن الا بقطع الحلقوم
 فثبت قطع الحلقوم
 باقتضائه وايضا فيه.

اور مذبح حلقوم، مری اور ودجان ہیں اور تین کا
 کٹ جانا کافی ہے۔ کنز کے حاشیہ پر لکھا ہے
 کہ امام اعظم صاحب کے نزدیک حلقوم، مری
 اور ایک شہ رگ کا قطع کرنا شرط ہے اور
 صاحبین کے نزدیک چاروں کا اکثر حصہ منقطع
 ہونا ضروری ہے یہ روایت امام صاحب سے
 بھی ثابت ہے۔ امام مالک کے نزدیک تین پر
 اکتفا درست نہیں بلکہ چاروں کا قطع ہونا
 ضروری ہے۔ کنز کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے
 کہ امام شافعی صاحب کے نزدیک حلقوم اور
 مری کے قطع ہو جانے سے ذبیحہ حلال ہو جاتی
 ہے اگرچہ ودجان منقطع نہ ہوں۔ شرح نافع
 میں ہے ذبح میں جن رگوں کا قطع کرنا ضروری
 ہے وہ چار ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کا فرمان ہے۔ جس چیز سے چاہے جانور
 کی رگیں کاٹ دیں لہذا اوداج، مری اور
 ودجان کو بھی شامل ہوگا۔ کیونکہ اوداج اسم جمع
 ہے کم از کم تین پر مشتمل ہونا لازم ہے۔ اور ان
 تینوں کا منقطع ہونا بغیر حلقوم کے ناممکن ہے۔
 لہذا حلقوم کا منقطع ہونا اقتضاء ثابت ہوگا۔

----- قوله فلا بد من قطع
الحلقوم والمرئی وهذا من
تمام الدلیل ای لما ناب احد
الودجین عن الآخر یکتفی
باحدهما ولما كان المرئی
مخالفاً بالحلقوم ولا ینوب
احدهما مناب الآخر فی شرط
قطعهما وفي المعدن ای و
محل ذبح البقر والغنم بین
الحلق واللبة حتی لو وقع
الذبح فوق الحلق قبل العقدة
ولم یکن الحلق محل الذبح
فتحرم الذبیحة لانه جعل
الحلق محل الذبح وانه
یتهی بالعقدة.

ولم یکن الحلق محلاً للذبح
فتحرم الذبیحة وما روی فی
المبسوط الزکوة بین اللبة
واللحیین محمول علی ما اذا
وقع الزکوة فی الحلق بعد ان
یکون ما بین اللبة واللحیین
وقد صرح فی ذبائح الذخیرة
ان الذبح اذا وقع اعلی من

اسی کتاب میں یہ بھی موجود ہے کہ حلقوم اور
مری کا قطع کرنا ضروری ہے گویا یہ پہلی دلیل کا
تممہ ذکر کیا گیا ہے یعنی وُد جان چونکہ ایک
دوسرے کے قائم مقام ہو سکتی ہیں لہذا ایک پر
اکتفا جائز ہے لیکن مری اور حلقوم علیحدہ علیحدہ
ہیں لہذا ایک دوسرے کے قائم مقام نہ ہو سکنے
کی وجہ سے دونوں کا قطع کرنا شرط ہوگا۔ معدن
میں ہے کہ گائے اور بکری کے ذبح کرنے کی
جگہ حلق اور لبہ کے درمیان میں ہے لہذا اگر
ذبح حلق سے یعنی گرہ سے اوپر واقع ہو تو ذبیحہ
حرام ہوگی۔ کیونکہ حلق محل ذبح ہے اور وہ عقدہ
پر ختم ہو جاتا ہے۔

لہذا محل ذبح میں ذبح واقع نہ ہونے کی وجہ
سے ذبیحہ حرام ہو جائے گی اور مبسوط میں جو
روایت ہے کہ ذبح لبہ اور لحیین کے درمیان
ہے تو وہ محمول ہے اس پر کہ ذبح حلق میں واقع
ہو اس طریقے سے کہ سینہ اور کلائیوں کے
درمیان

الحلقوم لا يحل والله اعلم
واما اللبة فمحل ذبح الابل
والحلق (نائی گلو) واللبة
بفتح اللام النحر من الصدر
وذكر في المبسوط الزكوة ما
بين اللبة واللحيين وهذا يدل
على ان اعلى الحلق واوسطه
واسفله في ذلك سواء و
يقتضى الحل فيما اذا وقع
الذبح فوق الحلق قبل العقدة
وهو بين اللبة واللحيين
فيحل وذكر في جامع
الصغير لا بأس بالذبح في
الحلق كله ووسطه واعلاه
واسفله وهذا يدل على ان
المذبح الحلق وانتهى
بالعقدة فلما وقع الذبح قبل
العقدة لم يكن الحلق محل
الذبح المقيد وهو ان يقع
الزكوة في الحلق بعد ان
يكون ما بين اللبة واللحيين
فلا يجوزو كان بين روايتي
المبسوط والجامع الصغير

سے قطع ہو۔ ذبايح ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے
کہ اگر ذبح حلقوم سے اوپر واقع ہو تو ذبیحہ
حلال نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ لبتہ اونٹ کے ذبح
کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور حلق گلے کو کہتے
ہیں۔ مبسوط کی روایت الذکاة بین
اللبة واللحيين سے مطلقاً جواز معلوم
ہوتا ہے۔ حلق سے اوپر ذبح ہو یا وسط یا نیچے
اس صورت میں ذبح فوق العقدہ حلال ہوگی۔
کیونکہ فوق العقدہ بھی لبتہ اور لحيين کے درمیان
میں ہے اور جامع صغیر کی روایت لا بأس
بالذبح في الحلق كله ووسطه او
اعلاه واسفله دلالت کرتی ہے محل ذبح
حلق ہے اور وہ عقدہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا
ذبح فوق العقدہ حرام ہوگی۔ فقہ کی ان دونوں
روایتوں میں ظاہراً اختلاف نظر آتا ہے۔ مگر
اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ اس طرح کہ مبسوط کی

روایت کا اطلاق جامع کی روایت سے مقید ہے یعنی ذبح سینے اور کلائیوں کے درمیان میں ہی ہے۔ لیکن جس وقت کہ حلق کے اندر ہو۔
اھک

اختلاف من حیث الظاهر
الا ان تأول بان يقال كان
المراد من اطلاق الرواية بان
الزكوة ما بين اللبّة واللّحيين
المقيد وهو ان يقع الزكوة في
الحلق بعد ان يكون ما بين
اللّبّة واللّحيين وقد صرح في
ذبائح الذخيرة بان الذبح اذا
وقع اعلى من الحلقوم لا يحل
فقال في فتاوى سمرقندی
قصاب ذبح الشاة في ليلة
مظلمة اعلى من الحلقوم
او اسفل منه يحرم اكلها لانه
ذبح في غير المذبح لان
المذبح هو الحلقوم۔



باب سوم

در بیان معنی نذر و ما یتعلق بہ

بداں کہ لفظ نذر رادو معنی است (۱) شرعی و (۲) عرفی۔ نذر شرعی کہ واجب الادا است واجب گردانیدن مومن است طاعت مقصود را بالذات غیر واجبہ را بر خود کہ از جنس او عبادات در شرع شریف مشروع باشند۔ پس نظر بقیود مذکورہ نذر (۱) معصیت و (۲) نذر بہ نماز ظہر مثلاً و نذر (۳) بوضو و نذر (۴) بعبادات مرضی واجب الادا نخواہند بود و نذر بہ ہمیں معنی شرعی عبادت است و مخصوص است بحق سبحانہ و تعالیٰ۔ و عرفی رسانیدن شخص ادنیٰ است چیزے را بخدمت اعلیٰ کہ در فارسی تعبیر کردہ شود بہ لفظ نیاز و ہمیں است مراد عوام از لفظ نذر کہ مے گویند۔ بشرط برآمد کار ایں قدر نذر حضرت غوث اعظم قدس سرہ خواہم داد۔ چہ معنی شرعی اصلاً در ذہن اوشاں حاصل نہ شدہ فکیف یریدون ما لیس بحاصل فی

جاننا چاہیے کہ لفظ نذر کے دو معنی ہے (۱) شرعی و (۲) عرفی۔ نذر شرعی جو واجب الادا ہے۔ اس کا معنی شرع شریف میں یہ ہے مومن کا طاعت مقصود بالذات کو اپنے آپ پر واجب کرنا وہ طاعت خود پہلے قبل از نذر واجب نہ ہو مگر اس عبادت کے جنس سے دوسرے عبادات مشروع ہوں۔ ان قیود سے حسب ذیل اشیاء نذر کی تعریف سے خارج ہو گئیں۔ (۱) نذر معصیت۔ یہ خارج ہوئی قید طاعت سے (۲) نذر نماز ظہر۔ یہ خارج ہوئی قید خود واجب نہ ہونے سے (۳) نذر وضو یہ خارج ہوئی قید مقصودہ بالذات سے اس واسطے کہ وضو مقصود بالذات نہیں بلکہ وضو سے مقصود نماز ہے۔ (۴) نذر عبادت مریض کیونکہ عبادت سنت ہے واجب نہیں۔ اور نذر اسی معنی شرعی کی رو سے عبادت ہے اور خاص ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے (اور غیر کی نذر اسی معنی کی رو سے شرک ہے اور حرام)

اذہانہم حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ
مرحوم سے فرماید (یعنی! میں نذر آں است
کہ اہداء ثواب طعام و انفاق و بذل مال
بِروح میت کہ امریت مسنون و ازروئے
احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماورد فی
الصَّحیحین من حال ام سعد
وغیرہ! میں نذر مستلزم سے شود پس حاصل
میں نذر آں است کہ مثلاً اہداء ثواب ہذا
القدر الی روح فلان و ذکر ولی برائے تعین
عمل منذ و راست نہ برائے مصرف و مصرف
میں نذر نزد ایشان متوسلان آں ولی سے
باشند از اقارب و خدمہ و ہم طریقان و امثال
ذکر و ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ
وحکمہ انہ صحیح يجب الوفاء
بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی
الشرع آرے اگر آں ولی راحل ل
مشکلات بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد
سے کنند! میں عقیدہ او منجر بشرک و فساد سے
گردد۔ لیکن! میں عقیدہ چیزے دیگر است و
نذر چیزے دیگر۔ انتہی۔ فتاویٰ عزیز ی۔

(۲) نذر عرفی۔ اس کو فارسی میں نیاز کہتے ہیں
اور یہ عبارت ہے اس سے کہ کوئی ادنیٰ شخص
کسی اعلیٰ شخص کی خدمت میں کوئی شے
پہنچائے اور عوام مسلمین جب یہ کہا کرتے ہیں
کہ اگر میرا کام ہو گیا تو اس قدر نذر حضرت
غوثِ اعظم قدس سرہ کی دوں گا۔ تو ان کی
مراد معنی عرفی ہوا کرتے ہیں اور معنی شرعی ان
کی مراد نہیں ہوا کرتے اس واسطے کہ معنی شرعی
ہرگز ان کے ذہن میں حاصل نہیں ہوتے اور
جو چیز ان کے ذہن میں نہیں کس طرح اس کو
مراد لے سکتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت شاہ
ولی اللہ مرحوم فرماتے ہیں۔ اس نذر عرفی کے
یہی معنی ہیں اور یہی اس کی حقیقت ہے کہ
میت کی روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے یا
مال کے خرچ کرنے کا ثواب اس میت کے
روح کو پہنچایا جائے اور یہ امر مسنون اور
احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری
اور مسلم میں جو ام سعد کا حال مروی ہے وہ اس
نذر کو مستلزم ہے پس حاصل اس نذر کا یہ ہے کہ
فلاں بزرگ کی روح کو اس قدر ثواب ہدیہ کرتا
ہوں۔ اور ولی بزرگ کا نام اس واسطے لیا جاتا
ہے کہ عمل منذ و رکی تعین ہو جائے نہ اس واسطے
کہ وہ ولی مصرف

ہے طعام یا مال کا بلکہ مصرف اس طعام یا مال کا اس ولی کے اقرباء اور خادم و ہم طریقت ہوتے ہیں اور اس کے امثال اور یہی مقصود نذر کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ بلاشبہ اور حکم اس کا یہ ہے کہ یہ نذر صحیح اور اس کی وفا واجب ہے۔ اس لیے کہ یہ قربت شرع میں معتبر ہے۔ ہاں اگر ولی کو حل کرنے والا مشکلات کا مستقل طور پر یا شفیع غالب اعتقاد کرے تو یہ عقیدہ اس کو شرک و فساد کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ الگ چیز ہے اور نذر الگ چیز (فتاویٰ عزیزی) یہاں سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو اشیاء اہل اللہ کے مزارات پر لوگ لے جایا کرتے ہیں ان کی حرمت فقہانے اس صورت کے ساتھ مقید کی ہے کہ وہ اہل اللہ خود بنفوسِ نفیسہ ان اشیاء کا مصرف قرار دیئے جائیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں ان اشیاء کا وہاں لے جانا بوجہ اسراف ہونے کے حرام ہوگا۔ مگر جب مصرف وہ اہل اللہ خود بنفوسِ نفیسہ نہ ہوں بلکہ ان کے اقارب اور خادم اور ہم طریقہ اور متوسلین اہل قبور ہوں تو بوجہ اسراف نہ ہونے کے حرمت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ حرمت کی علت اسراف تھا۔ جب علت نہ رہی معلول بھی نہ رہا۔ بحر الرائق

ازیں جا دانستی کہ حرمت اشیاء منقولہ بسوئے قبور اہل اللہ بحسب تصریحات فقہاء مقید است۔ بآں کہ اہل قبور را بنفوسِ نفیسہ اوشاں مصرف قرار دہد چہ دریں صورت بوجہ اسراف بودن او حرام خواهد بود بخلاف آن صورت کہ متوسلان اہل قبور را مصرف گرداند۔ فما قال صاحب البحر الرائق فما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت وغیرہما وینقل الی ضرائح الاولیاء تقرباً الیہم فحرام باجماع المسلمین۔ محمول علی ما

ذکرنا در فوائد بر ہانیہ سے نویسد۔ حاجی
محمد رفیع الدین خان مراد آبادی قدس سرہ
بر بعض مقام بر ترجمہ بدور سا فرہ مصنفہ
جلال الدین سیوطی برد اللہ مضجعہ نوشتہ اند
نذر بزرگان کہ برائے قضاء حوائج معمول و
مرسوم است حقیقت آں نذر آں است کہ
اہدائے ثواب طعام و بذل مال بروح میت
کہ امریست مسنون از روئے احادیث صحیح
ثابت مثل آں چہ در بخاری و مسلم از حال ام
سعد و غیر آں انتہی موضع الحاجة۔

میں جو کہا گیا ہے کہ اولیاء کی قبور پر جو دراہم اور
موم بتی اور تیل دیا جاتا ہے کہ ان کا تقرب
حاصل کریں یہ حرام ہیں باجماع المسلمین تو
اس کا مطلب بھی یہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔
فوائد بر ہانیہ میں حاجی محمد رفیع الدین خان مراد
آبادی قدس سرہ بدور سا فرہ مصنفہ جلال
الدین سیوطی برد اللہ مضجعہ کے ترجمہ میں ایک
جگہ فرماتے ہیں نذر بزرگان جو حاجات کے
لئے معمول ہے اور اس کا دستور ہے۔ اس نذر
کا معنی اور حقیقت اسی قدر ہے کہ میت کے
روح کو طعام کا ثواب ہدیہ کیا جائے اور مال
کے خرچ کرنے کا ثواب پہنچایا جائے یہ امر
مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے
جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ام سعد وغیرہ کا
حال مروی ہے۔

وہم در فوائد بر ہانیہ آمدہ مسئلہ۔ اگر مال
منذور بنام اہیاء مستحقین مقرر کند مراد
آنست کہ نذر برائے خدائے تعالیٰ است و
ثواب بنا ذرو ذکر فقراء منذور لہم بیان
مصرف اوست قال النبی علیہ
السلام الصدقة تقع فی کف
الرحمن و آں چہ در بعضے کتب است کہ
نذر الاولیاء حرام۔ مراد آنست کہ

فوائد بر ہانیہ میں آیا ہے۔ مسئلہ۔ اگر نذر کا
مال زندہ مستحقین کے نام مقرر کرے تو مراد یہ
ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی ہے اور ثواب نادر کے
نام ہے اور جن زندہ فقراء کے نام مال مقرر کیا
ہے وہ مصرف ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خیرات پہلے اللہ تعالیٰ
کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ اور بعض کتابوں میں
جو لکھا ہے کہ اولیاء کی نذر حرام ہے۔ مراد اس

نذرے کہ عبادت است بالخصوص حقیقت
انتساب اوسمت اولیاء نباید کرد نہ آں کہ
ایصالِ ثواب ہم باہنہا و بدیگر اموات ممنوع
باشد۔ مسئلہ۔ مال مندور بفقراء ذمیان
دادن ہم رواست خلافاً للزکوٰۃ۔

سے وہ نذر ہے جو عبادت ہے اور مخصوص
بجناب باری تعالیٰ ہے۔ درحقیقت اس کا
انتساب اولیاء اللہ کی طرف نہ کرنا چاہیے اور یہ
مُراد نہیں کہ مال مندور کا ثواب اولیاء اللہ اور
دوسرے مردوں کو ممنوع ہے۔ مسئلہ۔ مال
مندور کا ذمی یعنی مسلمان ملک کی کافر رعیت کو
جو مسکین ہوں دینا بھی جائز ہے۔ ہاں زکوٰۃ کا
مال ذمی فقیر کو دینا جائز نہیں۔

سوال: اگر گفتہ شود کہ یکے از عامیان نذر
بنام بزرگے مقدر کند بایں خیال کہ طعام
مندور تقسیم بمسلماناں خواہم کرد و تصور او
تعالیٰ ہرگز در دلش نئے گذرد کہ ثوابِ ایں
عمل را کہ از جناب الہی ست بہ ایں بزرگ
خواہد رسید حکم او بینہ و بین اللہ چیست، و حکم
آں طعام چہ خواہد شد۔

سوال: اگر کہا جائے کہ ایک عامی مسلمان نذر
کسی بزرگ کے نام مقرر کرتا ہے اس خیال
سے کہ طعام نذر شدہ مسلمانوں میں تقسیم کروں
گا اور اللہ تعالیٰ کا تصور اس نذر ماننے کے وقت
اُس کے دل میں نہیں گزرتا کہ اس عمل کا ثواب
جو اللہ تعالیٰ کی جناب سے ملا کرتا ہے اُس
بزرگ کو پہنچے گا تو یہ نذر اللہ تعالیٰ کے نزدیک
جائز ہے اور اللہ تعالیٰ ثواب اس نذر کا دیں
گے یا نہیں اور اس طعام کا کیا حکم ہے؟

جواب: گویم دریں صورت نذر مذکور ناروا
نہ کفر کما تر۔ مگر تناول آں چیز جائز کما سبجی
بیانہ مفصلاً غالب کہ بناء علیہ مولوی محمد مبین
لکھنوی طاب ثراہ خوردن گو سفند شیخ سد کہ
بنامش عوام الناس نذر مقررے کنند

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں نذر
ناجائز ہے۔ اور اس نذر کا کوئی ثواب نہ ہوگا مگر
اس نذر کو اس حالت میں بھی کفر نہ کہا جائے
گا۔ ہاں اس چیز کا کھانا ممنوع نہیں ہوگا جیسا
کہ اس کا بیان مفصل آئے گا۔ غالباً اسی بناء پر

بشرطیکہ ذبح بنام خدائے تعالیٰ شدہ جائز
نوشتہ اندونذررانا جائز آتی۔

مولوی محمد مبین لکھنوی طاب ثراہ نے شیخ سدو
کے بکرے کا کھانا جو عوام الناس شیخ سدو کے
نام نذر کرتے ہیں جائز لکھا ہے بشرطیکہ ذبح
کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور نذر کو
ناجائز لکھا ہے۔ آتی۔

نیز فوائد برہانیہ میں لکھا ہے۔ **مسئلہ**۔ جو
چیز نذر کی جائے اس چیز کو نذر کرنے والا اور
اس کے اہل و عیال نہیں کھا سکتے۔ اور اگر ناذر
اور اس کے اہل و عیال نے کھا لیا تو جس قدر
کھایا ہے اس سے بری الذمہ نہ ہوں گے بلکہ
اس قدر نذر پھر ادا کرنی پڑے گی۔ کذافی
السراج المنیر۔ نقلاً عن الکتب الاخری اس
صورت میں مناسب یہ ہے کہ طعام اور حلوہ
نذر کی مقدار سے زائد مہیا کریں اور نذر سے
جس قدر زائد طعام اور حلوا ہو اُس کو ناذر اور
اُس کے اہل و عیال کھالیں۔

مسئلہ۔ نذر کا دولت مند اور غنی کو دینا ناجائز
ہے۔ اس لئے کہ نذر کا مال فقراء کا حق ہے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جامع
البرکات میں تحریر فرماتے ہیں۔ نیت پر مدار
ہے۔ پس جو کچھ میت کے اہل و عیال کے لئے
پکایا جائے وہ ان کے لئے خاص رکھا جائے ان
کے اغیار کے لئے جائز نہیں۔ اور جو چیز اس

درہماں فوائد برہانیہ مسطور است۔
مسئلہ۔ چیز نذررانا ذر و عیال او نخورند۔
ہر قدر کہ خواہند خورد از عہدہ آں بری الذمہ
ازاں نذر نتواند شد۔ کذافی السراج
المنیر۔ نقلاً عن الکتب الاخری صورت
مناسب آن است کہ طعام و حلوہ زائد از
مقدار نذر بہم رساند تا ہر قدرے کہ ناذر و
عیالش خواہند خورد فاضل از نذر خواہد شد۔

مسئلہ۔ نذر باغنیاء نہ ہد کہ حق فقیر است
فی جامع البرکات ^{للشیخ} عبدالحق الدہلوی
قدس سرہ مدار برنیت است پس آنچہ
برائے اہل و عیال میت پزند مخصوص بایشاں
دارند۔ غیر ایشاں را مباح نہ باشد۔ آں چہ
برنیت تصدق بر فقراء نہ باشد ہدیہ مراغنیاء را
آں چہ برنیت ضیافت مسلمین پزند نذر

خوردن او غنی و فقیر را رواست چنانچہ در
اعراسِ مشائخ ہند **مسئلہ**۔ اگر کسے بہ
نیت خود نذر مقرر نہ کردہ است اما تبرعاً
برائے فاتحہ میت ماکولات بہم رسانیدہ پس
ہر قدر کہ خود مع عیال خورد و ثوابش بمیت نخواہد
رسید مگر مواخذہ آں بدمہ آں کس نیست و
داون آں باغنیاء ہم جائز۔

نیت سے پکائی جائے کہ میت کی طرف سے
خیرات ہوگی مساکین کے لئے وہ مساکین کو
دی جائے۔ اور جو چیز خیرات اور تصدق فقراء
کی نیت سے نہ ہو وہ اغنیاء کو بطور ہدیہ مل سکتی
ہے۔ اور جو چیز ضیافت کی نیت سے پکائی
جائے اُس کا کھانا فقیر اور غنی ہر ایک کو جائز
ہے۔ جیسے بزرگان ہند کے عرسوں میں ہوتا
ہے۔ **مسئلہ**۔ اور اگر کسی شخص نے ایصال
ثواب کی نذر تو نہیں مانی مگر بلا نذر تبرع اور
عنایت اور احسان کے طریق پر میت کی فاتحہ
دلوانے کے لئے کھانے کی اشیاء مہیا کی گئی
ہوں اُن کھانے کی اشیاء سے جس قدر خود
کھائے گا یا اپنے اہل و عیال کو کھلائے گا اُس کا
ثواب میت کو نہ پہنچے گا۔ ہاں اس کا مواخذہ بھی
نہ ہوگا اور ایسی صورت میں اغنیاء کو بھی اس کا
دینا جائز ہے۔

مسئلہ۔ نذر شرعی چند قسم است۔ نذر
مطلق چوں نذر صوم بلا تعین یوم و نذر مقید
چوں صوم جمعہ و بلا شرط چوں نذر صومہائے
مذکورہ و صلوة نفل دوگانہ و بشرط برآمدن
حاجت۔ چنانچہ کسے بر خود نذر خدا بشرط
شفاء بیمار ملتزم کند یا نذر حق سبحانہ و تعالیٰ و
ثواب او بروح بعضے بزرگان اموات بلا

مسئلہ۔ نذر شرعی چند قسم ہے:-

- ۱۔ نذر مطلق مثل نذر روزہ کے تعین دن کے
سوا۔
- ۲۔ نذر مقید مثلاً نذر روزہ یوم جمعہ۔
- ۳۔ بلا شرط مثل نذر روزہ ایام مذکورہ و نماز
دوگانہ۔
- ۴۔ مع شرط حاجت پوری ہونے کے جیسے

شرط خواہ بشرطے متعین کند چنانچہ بگوید این قدر طعام برائے نذر خدا و ثواب او بروح غوث الاعظم قدس سرہ مقرر کردم و بچنین بگوید بشرط برآمد حاجت نذر خدا و ثواب بروح فلانے متعین کردم۔ این ہمہ نذر مشروع اند واجب الادا۔

باز درہاں فوائد مے نویسند مثال دیگر از روئے کتب حدیث چوں مشکوٰۃ شریف وغیرہ بقلم مے آید کہ قومے از کفار نو مسلم کہ ہنوز احکام اسلام را خوب ماہر نبودند گوشت ذبیحہ بطور ہدیہ بخدمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرستادند جناب ممدوحہ مکرمہ بہ قرآن عقیلہ کہ طریقہ ذبح شرعی خوب نئے دانستند در تناول آن گوشت تا متل فرمودند۔ آخر از جناب آنحضرت علیہ السلام استفسار فرمودند۔ ارشاد شد بگو بسم اللہ و بخور آن گوشت را علماء شراح حدیث در آن مقام نوشتہ اند۔ خلاصہ اش آن کہ عمل فعل مسلم بر امرنا مشروع یقیناً معلوم نہ شود نباید کرد۔ بالجملہ مادام از حال نیت یقیناً بزبانی ذابحان بقرہ منذورہ معلوم نہ شود بھوگ جان جانور بتقریب آن بزرگ اثبات نہ رسد از راہ قرآن حکم محرمیت او قطعاً نباید ساخت اما

نذر خدا تعالیٰ بشرط شفاء بیمار یا نذر اللہ تعالیٰ اور ثواب بروح غوث اعظم مقرر کرے اور کہے کہ اگر میری حاجت پوری ہوگی تو یہ چیز مثلاً گائے نذر خدا اور ثواب فلاں بزرگ کو ہدیہ کروں گا۔ یہ سب اقسام شروع ہیں۔ اور واجب الادا ہیں۔

فوائد برہانیہ میں پھر فرماتے ہیں ایک دوسری مثال کتب حدیث مثل مشکوٰۃ شریف وغیرہ سے لکھی جاتی ہے۔ ایک قوم کفار نے اسلام قبول کیا ابھی تک انہوں نے احکام اسلام میں مہارت پیدا نہ کی تھی۔ انہوں نے گوشت ذبیحہ بطور ہدیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ارسال کیا۔ جنابہ ممدوحہ مکرمہ رضی اللہ عنہا نے اس گوشت کے تناول میں تا متل فرمایا۔ اس لیے کہ قرینہ عقلی (ان کی عدم مہارت احکام شرعیہ میں) اس کا مؤید بنا کر آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس گوشت کو کھا لو۔ علماء شارحان حدیث اس مقام میں لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے عمل کو ناجائز کام پر محمول نہ کیا جائے جب تک کہ یقیناً معلوم نہ ہو کہ اس مسلمان سے نامشروع کام صادر ہوا ہے۔

تقوے چیزے دیگر است لا کلام فیہ وآں
 چہ در حدیث شریف دَعُ مَا یُرِیْبُکَ الرَّحْمَہُ
 وارد است امر در اں مقام برائے استجاب
 است نہ برائے و جوب واللہ اعلم اتہی موضع
 الحاجۃ۔ از تامل در آنچه نوشتہ شد بر ناظر کفھی
 نماندہ باشد کہ در حیوان منذورہ برائے اولیاء
 تشہیر و انتساب او بنام او شاں موجب
 حرمت شدہ نئے تو اندونیز ذبح اور از قبیل
 ذبح للتقرب الی غیر اللہ شمرده حرام گفتہ نئے
 تو اندو ہم چنین اطلاق لفظ نذر اور احرام نئے
 گرداند لما عرفت فی الابواب
الثلثہ آرے مسلم را از اطلاق لفظ نذر گو
 معنی عرفی مراد داشته باشد اجتناب باید۔
واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

خلاصہ کلام جب تک کہ نذر کرنے والوں کی
 نیت کا حال اُن کی زبان سے معلوم نہ ہو لے۔
 اور جانور کی جان کا بطور بھوگ ہونا اس بزرگ
 کے تقرب کے لئے ہونا قطعاً ثابت نہ ہو
 جائے محض قرآن سے حکم حرمت ذبیحہ منذورہ کا
 نہیں دیا جاسکتا ہاں احتیاط دوسری چیز ہے۔
 اور حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ شک کو
 چھوڑ کر ایسا طریقہ اختیار کرو جس میں شک و
 تردد نہ ہو۔ استجاب کے لئے ہے نہ وجوب
 کے لئے۔ اگر کوئی تامل اور تکرر سے کام لے
 گا۔ تو اس تحریر سے جو اوپر لکھی گئی ہے دیکھنے
 والے کو واضح ہو جائے گا کہ جو جانور اولیاء اللہ
 کی نذر کیا جاتا ہے اُس کا انتساب اور تشہیر اس
 بزرگ کے نام پر اس کے حرام ہونے کا
 موجب نہیں اور نہ اس کی ذبح کو ایسی ذبح قرار
 دیا جاسکتا ہے جو غیر اللہ کے تقرب اور تعبد کے
 لئے ہوتی ہے۔ اور حرام ہوتی ہے۔ اور اسی
 طرح اطلاق نذر موجب حرمت نہیں ہو سکتا
 جیسا کہ پہلے تین ابواب سے معلوم ہو چکا
 ہے۔ ہاں مسلمان کے لئے لفظ نذر کے اطلاق
 سے پھر بھی پرہیز کرنا چاہیے اگرچہ معنی عرفی
 ہی مراد ہوں۔ واللہ اعلم۔

استفتاء جواب طلب

از علماء کوٹ نجیب اللہ خان علاقہ ہزارہ

ما قولکم دام فضلکم صور مسطورہ میں کہ ایک شخص نذر معین

کرے اس طور پر کہ اگر میرا مریض اچھا ہو جائے یا مسافر میرا گھر میں خیریت سے آ جاوے تو میں اللہ کے نام کا بکرا دوں گا اور ثواب اس ولی اللہ کو پہنچاؤں گا۔ دوسری صورت۔ اے ولی اللہ! اگر میرا مریض اچھا ہو جاوے تو میں تیرے نام کا بکرا دوں گا۔ تیسری صورت۔ اے ولی اللہ! اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا یا میرا مطلب تم نے پورا کیا تو میں تمہارے نام کا بکرا دوں گا۔ پھر بعد حصول حاجت کے بکرا لے کر ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذبح کرے کہ میرا سر اس ولی اللہ نے نگاہ رکھا ہے یا اپنے گھر میں ذبح کرے کیا ان صورتوں میں وفاء نذر واجب ہے یا نہ؟ اور ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ اور حرمت کی وجہ ارتداد ہے یا غیر۔ اور وجہ ارتداد کی ولی اللہ کو متصرف حقیقی جاننا ہے یا وسیلہ کی صورت میں بھی و بوجہ اول اگر وہ مرتد نہ ذبح کرے تو پھر بھی ذبیحہ حلال ہے یا نہ۔ بینوا و توجروا۔

جواب

پہلی صورت میں ایفاء نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال۔ ایسا ہی دوسری صورت میں بھی اگر مقصود ذبح اور جانکشی للہ ہے اور ایصالِ ثواب ولی کے لیے۔ اور اگر نفسِ ذبح ولی کے لئے ہے تو ذبیحہ حرام اور ایفاء بالنذر واجب نہیں۔ تیسری صورت میں اگر ولی کو وسیلہ سمجھ کر ایصالِ ثواب مقصود ہو تو جائز اور ایفاء واجب ہے ورنہ ذبیحہ حرام اور ایفاء غیر واجب۔ خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے والد ماجد سے رضی اللہ عنہما فتاویٰ عزیزی میں نقل فرماتے ہیں:-

استعانت بارواح دریں اُمت بسیار بہ وقوع ارواح سے مدد مانگنا اس اُمت میں بہت واقع آمدہ آں چہ جہال و عوام ایں ہائے کنند۔ ہوا ہے اور وہ جو جہال اور عوام یہ کرتے ہیں کہ ایساں را در ہر عمل مستقل دانستہ اند بلاشبہ ان ارواح کو ہر کام میں مستقل اعتقاد

شُرک جلی است و نذرِ اولیاء کہ برائے
 قضائے حوائج معمول و مرسوم است اکثر
 فقہاء بحقیقت آں ہاپے نبرده اند و آں را بر
 نذرِ خُدا قیاس کردہ حکم بر دت بر آوردہ اند کہ
 اگر نذر بالاستقلال برائے آں ولی سب
 باطل و اگر برائے خداست و ذکرِ ولی برائے
 بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت
 ایں نذر آں است کہ اهداء ثواب طعام و
 انفاق و بذل مال بروح میت کہ امرے
 ست مسنون و از رُوئے احادیث صحیحہ
 ثابت است مثل ماورد فی
الصحيحين من حال ام سعد
 وغیرہ ایں نذر مستلزم ے شود پس حاصل ایں
 نذر آں است کہ مثلاً اهداء ثواب ہذا القدر
 الی رُوح فلاں و ذکرِ ولی برائے تعیین عمل
 منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں
 نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی ے باشند از
 اقارب و خدمہ و ہمطریقان و امثال ذالک و
 ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلا شہ
وحکمہ انہ صحیح" يجب
الوفاء به لانه قربة معتبرة فی
الشرع آرے اگر آں ولی راحل ال
 مشکلات بالاستقلال یا شفیج غالب اعتقاد

رکھتے ہیں بلا شہ شرک ہے اور نذرِ اولیاء اللہ کی
 حاجات کے پورا ہونے کے لئے معمول ہے
 اور اس کی عادت ہے اکثر فقہاء کو اس نذر کی
 حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ انہوں نے نذر
 اولیاء کو نذرِ خُدا پر قیاس کر کے ارتداد کا حکم لگا
 دیا کہ اگر نذر بالاستقلال اس ولی کے لئے
 ہے تو باطل ہے اور اگر خدا تعالیٰ کے لئے ہے
 اور ولی کا ذکر محض مصرف کا بیان ہے تو صحیح ہے
 لیکن اس نذرِ اولیاء اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ
 طعام اور مال خرچ کرنے کا ثواب کسی اولیاء
 اللہ کی رُوح کو ہدیہ کیا جائے اور یہ امر مسنون
 ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُم
 سعد وغیرہ کے واقعہ میں اور یہ نذر لازم ہو جاتی
 ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہوا کہ میں اس
 قدر چیز کا ثواب فلاں ولی کی رُوح کو ہدیہ کرتا
 ہوں اور ولی کا ذکر اس عمل منذور کی تعیین کے
 لئے ہے نہ بیان مصرف کے لئے اور مصرف
 اس نذر کا نذر کنندگان کے نزدیک اس ولی
 کے رشتہ دار اور خُدا ام اور پیر بھائی اور ان جیسے
 لوگ ہوتے ہیں اور نذر کنندگان کا بلا شک
 یہی مقصد ہوتا ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ
 نذر صحیح ہے اور اس کا وفاء واجب ہے۔ اس
 لیے کہ یہ عبادت شرع میں معتبر ہے۔ ہاں اگر

مے گند ایں عقیدہ اور منجر بشرک و فسادے
گرد لیکن ایں عقیدہ چیزے دیگر است و
نذر چیزے دیگر انتہی۔ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۲۸۔

اس ولی کو مستقلاً (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرح ذاتی
طور پر) مشکلات کا حل کرنے والا اعتقاد
رکھیں یا اس کو شفیع غالب سمجھیں تو یہ عقیدہ
بشرک و فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر یہ
عقیدہ اور چیز ہے اور نذر دوسری چیز۔ (لغ۔
فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۲۸۔

اسی سے دوسری اور تیسری صورت کا حکم معلوم ہو گیا یعنی ایفاء نذر واجب و زبیحہ حلال۔ کیونکہ (میں
تیرے نام کا بکرا ڈوں گا) عمل مندور کے معین کرنے کے لئے ہے۔ پس نذر اللہ کے لئے اور ثواب طعام رُوح
ولی اللہ کے لئے ہوگا۔ اور یہ قول بیان، مصرف گوشت ذبیحہ کے لئے نہیں تاکہ یہ بہ اور تملیک لغو اور بے جا سمجھ کر
اسراف میں داخل ہونے کی وجہ سے حرام کہا جائے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:-

وما یؤخذ من الدراهم والشع
والزیت و غیرها وینقل
الی ضرائح الاولیاء تقرباً
الیہم فحرام باجماع
المسلمین۔ انتہی۔

اور وہ دراہم اور موم بتی اور تیل اور دوسری
اشیاء جو اولیاء اللہ کے مزاروں پر لوگ لے
جاتے ہیں اور ان سے غرض ان اولیاء اللہ کا
تقرب ہوتا ہے وہ حرام ہے اجماع المسلمین
کے رُوس۔

اس عبارت میں لفظ (تقرباً الیہم) قابل غور ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے یہ حرمت
اسی صورت میں ہے جس میں ناذر کو اہداء ثواب سے کچھ غرض نہیں۔ بے شک اس صورت میں اسراف
ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت ہوگئی۔ اگر تقرب الیہم منظور نہیں بلکہ نقل ان اشیاء کا صاحب مزار کے
اقارب و خدام کے لئے ہے اور رُوح ولی کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو حرمت نہ ہوگی۔ کیونکہ مفہوم مخالف
روایات میں بالاتفاق معتبر ہے۔ فوائد بانیہ میں ہے:-

در بحر الرائق و بعضی دیگر کتب معتبرہ مرقوم
است خلاصہ آں کہ اگر کسی طعام و نحوہ
برقبر بزرگے آرد تقرباً الیہ پس درست نیست و
بحر الرائق اور بعض دوسری معتبر کتابوں میں لکھا
ہوا ہے خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا
وغیرہ کسی بزرگ کی قبر پر اُس کے تقرب کی

حرام اما اگر نیت بود کہ آں را بمسلمانان زندہ
دہد تا ثواب ایں کار بڑو ح صاحب قبر رسد نہ
طعام پس جائز است۔ انتہی۔

خاطر لائے تو یہ درست نہیں اور حرام ہے۔ اور
اگر نیت یہ ہو کہ اس کھانے وغیرہ کو زندہ
مسلمانوں کو دے گا اور طعام دینے کا ثواب
صاحب قبر کے رُوح کو پہنچائے گا تو یہ جائز
ہے۔ آہ

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:-

غالب یہ ہے کہ اس قسم کے امور کی ممانعت کا
سبب یہ امر ہے کہ اس طعام و مال سے
موہوب لہ یعنی صاحب قبر کو کوئی نفع حاصل
نہیں ہوتا۔ پس یہ سراف اور تبذیر ہوا۔ اور اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والے
شیطان کے بھائی ہیں۔ اور ہبہ مردہ کو کرنا
ناجائز ہے۔ اور اس کے ساتھ اگر یہ فعل مردہ
کے تقرب کے لیے ہو تو مشابہت فعل کفار کے
ساتھ لازم آئے گی۔ اس لیے کہ وہ جنوں کے
سامنے ان کے تقرب کی خاطر حلوہ موہن
بھوگ وغیرہ رکھتے ہیں اور دیتے ہیں اور
جانتے ہیں کہ وہ نہیں کھاتے اور جو کسی قوم کے
مشابہ ہو وہ انہی سے ہو گا۔ واللہ اعلم
بالصواب۔

غالباً سبب منع ایں چتیں امور ایں است کہ
ازیں طعام و مال موہوب لہ منتفع نہ شود
اسراف است و تبذیر۔ قال اللہ تعالیٰ ان
المبذرین كانوا اخوان
الشیاطین۔ الآیہ۔ وہبہ بمرده ناروا
ومع ہذا اگر بتقرب او باشد مشابہت وارد با
فعل کفار کہ پیش اصنام تقر بالہا حلوہ موہن
بھوگ وغیرہ سے گزارند و سے دہند و سے
دانند کہ آنہانے خوردند۔ واللہ اعلم۔ ومن
تشبہ بقوم فهو منهم۔ انتہی۔

رہا یہ قول ناذر کا (اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا) سوا اگر مقصود اس کا اس نسبت سے

شفیعانہ طور پر ہے تو مضائقہ نہیں نسبت وسائل کی طرف قرآن کریم سے ثابت ہے۔

لَا هَبْ لَكَ غَلَا مَا ذَكِيَّاتُ ۝ ہاں اگر ہر دو فقرہ مذکورہ بالا میں یعنی (میں تیرے نام کا بکرا
 دوں گا) اور اگر میرا مریض تم نے اچھا کیا (استقلالیٰ طور پر نسبت ہے یا شفیع غالب سمجھ کر، تو بے
 شک ناذر مرتد ہے اور ذبیحہ اس کی ذبیحہ مرتد ہے۔ اور اگر ناذر مرتد خود نہ ذبح کرے بلکہ دوسرے
 مسلمان سے خدا کے نام پر ذبح واقع ہو تو ذبیحہ حلال ہے۔ عالمگیری میں ہے:

مسلمہ "ذبح شاة المجوسی لبیت نارہم او الکافر لآلہتہم
 تؤکل لانہ سمی اللہ تعالیٰ
 ویکرہ للمسلم کذا فی
 التاتارخانیہ نا قلا عن جامع
 الفتاویٰ۔ انتہی۔

آگ کے گھر کے یا کافر کی بکری اس کے
 بچوں کے لئے ذبح کرتا ہے تو اس کا کھانا جائز
 ہے اس لیے کہ ذبح کے وقت نام اللہ تعالیٰ کا لیا
 گیا ہے ہاں مسلمان کے لئے مکروہ
 ہے۔ مسلمان کسی آتش پرست کی بکری ذبح
 کرتا ہے برائے



۱۔ میں تجھے پاکیزہ لڑکا عطا کروں گا۔

۲۔ استقلالیٰ طور پر نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بوجہ جہالت یہ عقیدہ ہو کہ یہ بزرگ (اللہ کی
 طرح) اپنی قدرت کاملہ سے یہ کام کرتا ہے۔ اور شفیع غالب کا مطلب یہ ہے کہ اصل کارساز
 اگرچہ خدا تعالیٰ ہے مگر اس بزرگ کی بات کو خدا ہرگز ٹال نہیں سکتا اور ضرور اس کے کہنے پر کام کر
 دے گا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں مقتضائے توحید کے خلاف ہیں۔ کیونکہ نہ تو خدا کے سوا کسی کو
 مستقل قدرت ہے اور نہ اس کے اذن کے بغیر کوئی جبری طور پر سفارش کرنے کی طاقت رکھتا
 ہے۔ ارشادِ الہی ہے۔ **من الذی یشفع عنده الا باذنه** (آیۃ الکرسی) کون
 ایسا ہے جو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ہاں سفارش کرے۔ البتہ اس کے اذن اور عطا سے
 جس طرح وہ چاہے مخلوق کچھ کر سکتی ہے۔ ۱۲ مترجم

۳۔ کراہت کی وجہ تشہیر و انتساب بنام غیر نہیں بلکہ عدم تعمیل ارشادِ مالک کی وجہ سے غصب ہوگا
 اور حرمت تعلق حق الغیر ہوگی۔ **کما صرح بہ بعض الفضلاء۔ ۱۲۔** از مؤلف
 رحمۃ اللہ تعالیٰ

فوائد برہانی میں ہے:-

اگر کوئی آتش پرست ایک گائے کسی مسلمان کو اس غرض سے دے کہ وہ ہمارے معبود آگ کے نام سے ذبح کرے مگر مسلمان نے اللہ کے نام سے ذبح کیا تو اس کا گوشت حلال ہے۔

مجوسی گاوے بمسلمانے داد کہ بنام نار کہ معبود اوست ذبح کند۔ مسلم بنام خدا ذبح کرد۔ گوشت او حلال است۔ کذافی کتب الفقہ۔ انتہی۔

اور قبر پر ذبح کرنا موجب حرمت نہیں تا وقتیکہ تقرب الی صاحب القبر قصد نہ کیا جائے۔ جناب خاتم المحدثین لکھتے ہیں:-

اور اسی طرح حلال نہیں جب ذبح کرے بکری کسی نشان پر نشانوں سے یا قبر پر قبور سے اور مقصد اس صاحب قبر یا صاحب نشان کا تقرب اور عبادت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام بھی اس پر ذکر کرے تو حلال نہیں ہوگی۔ اور مدار اس کا نیت عبادت اور تقرب ہے یا ذبح کے مشہور طریق کا بدل دینا۔

و کذا اذا ذبح شاة علی نصب من الانصاب او علی قبر من القبور و قصد به التقرب الی صاحب القبر او صاحب النصب و ذکر اسم اللہ علیہا لا تحل لهذا النص الصریح و مدار کل ذلك علی قصد التقرب الی غیر اللہ او تغییر الطریق المشہور فی الذبح۔ انتہی۔

خلاصہ آنکہ صورت مسطورہ فی السؤال میں ایفاء نذر واجب اور ذبیحہ حلال بشرطیکہ اُس ولی کو مستقل اور شفیع غالب نہ مانا جائے۔ اور ذبح و جانکشی اللہ جل شانہ کے لئے ہونے اُس ولی کے لئے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ اور حاجی الحرمین مفسر اصولی فقیہہ مصنف تفسیر احمدی اور مولانا محمد ہان الدین وغیر ہم محققین نے عوام کی مراد کو صاف واضح کر دیا ہے۔

رہے قرآن آیات کی رو سے بھی عوام کی مراد وہی ثابت ہوتی جو محققین نے اوپر بیان

کی ہے یا نہ۔ سو اس کو ناظرین اسی رسالہ سے مختلف موقعوں پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

علماء کرام! پر واجب ہے کہ جہاں کو مجالس و عظ میں ایسے الفاظ کی ہدایت فرمایا کریں کہ جن میں کسی قسم کا کھٹکانہ ہو۔ صاحب بوارق محمدیہ صفحہ ۱۳۱ میں لکھتے ہیں:-

ونذیر اولیاء برسہ وجہ مباح است یکے آں کہ
 بگوید الہی! اگر آں مراد من حاصل شود نذیر تو
 بخدّ ام مزار آں صالح رسانم۔ دوتم ایں کہ
 بگوید۔ یا حضرت در جناب الہی برائے ایں
 مشکل دُعا بکنید کہ ایں مراد حاصل شود از
 طرف شہاد جناب الہی ایں قدر طعام یا نقد
 رسانم تا ثواب عاید بشما شود۔ سوّم آں کہ آں
 بزرگ را در جناب الہی وسیلہ و شفیع سازد گویا
 مے گوید الہی بہ برکت رُوح فلاں بزرگ و
 بحق عنایات و مہربانی خود ہر دو اگر مشکل من
 آسان کنی ایں قدر مال برائے تو بدہم و
 ثواب آں تنخواہ رُوح آں بزرگ سازم تا از
 برو احسان باں بزرگ خوشنود شوی۔ ایں
 کہ گفتم ملقط است از رسالہ نذیر مولوی
 رفیع الدین کہ در ہمیں ایام بما رسیدہ و
 ہماں ست مراد صاحب احمدی کہ نذر
 الاولیاء

نذیر اولیاء تین وجوہ سے مباح اور جائز ہے۔
 پہلا یہ کہ نذر گزار اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض
 کرے کہ اگر میری مراد حاصل ہو گئی تو اے
 اللہ تیری نذر فلاں بزرگ کے مزار کے خدّ ام
 کو دوں گا۔ دوتم یہ کہ کہے بزرگ کو مخاطب بنا
 کر یا حضرت! آپ جناب الہی میں میری
 اس مشکل کے لئے دُعا کریں کہ میری یہ مراد
 حاصل ہو جائے تو آپ کی طرف سے اس
 قدر طعام یا نقد جناب الہی میں بطور تصدّق
 پیش کروں گا تا کہ آپ کو ثواب ملے۔ سوّم یہ
 کہ اس بزرگ کو جناب باری تعالیٰ میں وسیلہ
 اور شفیع بنا کر عرض کرے الہی فلاں بزرگ کے
 رُوح کی برکت سے اور بحق اپنی مہربانی اور
 عنایت ہر دو امر کے اگر میری مشکل حل
 فرمائے گا تو اس قدر مال آپ کے لئے
 خیرات کروں گا اور ثواب اس کا اس بزرگ
 کے رُوح کو بخشوں

☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۔ حضرت مؤلف کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عوام جہلاء جو نذر شرعی اور اس کے عبادت
 ہونے کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ علماء اہل سنت کا فرض ہے کہ انہیں ان مسائل سے اور توسل کی

جائز صورت سے آگاہ کریں تاکہ وہ خلاف شرع سے بچیں اور ہدف ملامت بھی نہ ہوں۔ ۱۲ مترجم

گا۔ تاکہ اس بزرگ پر احسان کرنے سے آپ راضی ہو جائیں۔ اور یہ تمام مضمون مولوی رفیع الدین صاحب کے رسالہ نذور سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ جو آج کل ہی ملا ہے۔ اور یہی مراد ہے صاحب تفسیر احمدی کی جو فرمایا (اولیاء کی نذر کی تاویل کی جاتی ہے) صاف اور سچی بات وہ ہے جو مولانا محمد مبین فرنگی محلی نے فقہاء محققین کی موافقت کرتے ہوئے رسالہ نذور میں لکھی ہے کہ شیخ سید و اور دیگر بزرگوں کی نذر حرام ہے۔ بکری اور گائے وغیرہ جو شیخ سید و کے نام پر ذبح کرتے ہیں اگر بوقت ذبح شیخ سید و کا نام لے کر ذبح کریں تو ذبیحہ حرام اور کھانا اس کا ناجائز۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو گو دل میں نیت فاسد ہی ہو ذبیحہ حلال ہے اور کھانا جائز ہے۔ ہاں متقی کو کھانا مناسب نہیں تاکہ لوگ اس ذبیحہ کو ہر حالت میں جائز ہی نہ سمجھ لیں۔ آہ۔

ماول والحق المبین ما قال
مولانا محمد مبین موافقا
للفقہاء المحققین فی رسالته
فی النذور ونذر شیخ سید و ذبح ے کنند
اگر وقت ذبح نامش گرفتہ باشند گوشت
مردار شود و خوردنش روا نباشد۔ قال اللہ
ولا تاکلوا مما لیم یذکر اسم
اللہ علیہ وانه لفسق۔ واگر بنام
خدا بہ بسم اللہ اللہ اکبر ذبح کردہ باشند۔
اگرچہ در دل نیت فاسد وارد ظاہراً خوردنش
حلال باشد لیکن متقی و پرہیزگار را باید کہ
نخورد و الا جاہلان گمان برند کہ ایں نذر حلال
است پس گمراہ شوند۔ انتہی۔



و تخصیص منڈ و مفہوم سے شواہد تفصیل ذیل

وہم در اں کتاب نوشتہ۔ استفتاء از مولوی رفیع الدین۔ اور اسی کتاب (فوائد بدہانیہ) میں بھی لکھا ہے۔ استفتاء از مولوی رفیع الدین۔

سوال: تخصیص ما کولات در فاتحہ بزرگان مثل کھجڑہ در فاتحہ امام حسین رضی اللہ عنہ و توشہ در فاتحہ شیخ عبدالحق و غیرہ ڈلک و ہم چناں تخصیص خوردگان چہ حکم دارد۔

سوال: بزرگوں کے فاتحہ دلوانے میں طعام کی تخصیص مثلاً امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلواتے وقت کھجڑہ (ہرلسیہ) کو خاص کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق کی فاتحہ دلوانے میں توشہ خاص اور اسی طرح کھانے والوں کی بھی تخصیص کی جاتی ہے۔ ان ہر دو تخصیصات کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ و اطعام کو بے شبہ از مستحبات است و تخصیص کہ فعل تخصص است باختیار اوست باعث منع نئے تو اند شد این تخصیصات از قسم عرف و عادات اند کہ بمصالح خاصہ و مناشی خفیہ ابتدا بظہور آمدہ رفتہ رفتہ شیوع یافتہ در حق کھجڑہ کہ صاحب دَرِ مختار و صاحب قنیہ و دیگر فقہاء تصریح نمود اند و تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذبح جانور و تقسیم گوشت آن را بصداق خدیجہ رضی اللہ عنہا بطریق صحیح ثابت است۔ واللہ اعلم

جواب: فاتحہ دلوانا اور طعام کھلانا ایلا شبہ امر مستحسن ہے اور مستحب تخصیص اُس شخص کا فعل ہے جو طعام اور اس کے کھانے والوں کا نخصص ہے اور اُس کے اختیار میں ہے پس یہ تخصیص امر مستحب کے ممنوع ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اور یہ تخصیصات رسم و رواج اور عادات کی اقسام ہیں۔ ابتداء ان کی کسی خاص مصلحت اور مخفی منشاء کی وجہ سے ہوئی اور رفتہ رفتہ شائع اور رائج ہو گئیں۔ کھجڑہ کے بارے میں صاحب دَرِ مختار و صاحب قنیہ و دوسرے فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ اور صحیح طریق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ایک جانور ذبح فرماتے تھے اور بالتخصیص حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مخلصین میں اس کا گوشت تقسیم فرمایا کرتے تھے واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا عبداللہ گجراتی جو کہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور صالح تھے اور شیخ عبدالحق دہلوی رضی اللہ عنہم کے ہم عصر تھے اپنے وصیت نامہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔ بزرگانِ طریقت کی نیاز دلوانے میں جو طعام پکایا جاتا ہے اس کی وضع اور ترکیب میں جو قیود اور تخصیصات ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور فاتحہ دلوانے کے ساتھ جو خاص خاص سُوْر اور آیات پڑھی جاتی ہیں یہ تخصیص اور تعین نیک رسوم اور عاداتِ حسنہ کے قبیلہ سے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تخصیصات اور تعینات مشائخِ عظام اور اولیاءِ کرام کے معمول ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے رہے ہیں اور وہ لوگ ان تخصیصات اور تعینات پر پابندی فرماتے اور حکم کرتے رہے ہیں کہ جن کا ظاہری اور باطنی کمال تمام اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ بلکہ بعض اس قسم کی ترکیبیں جو مشہور ہیں (مثلاً فلاں بزرگ کا فاتحہ اور نیاز اس طرح اور اس چیز پر دیا جائے) رسائل اور وظائف اور اوراد کی کتابوں میں جو

مولانا عبداللہ گجراتی کہ از اعظم علماء و صلحائے وقتِ خود و معاصر شیخ عبدالحق دہلوی ست در وصیت نامہ خود نوشتہ است تقییدات و تخصیصات در اوضاع و تراکیب ماکولات و تعینات در مقررات بفاتحہ ہائے نیاز ہائے بزرگان از ارتقاات و رسوم صالحہ است چرا کہ معمول مشائخِ کرام و اولیاءِ عظام است کسانے کہ کمالِ ظاہری و باطنی ایشان متفق علیہ کافہ اہل اسلام است براں مقید بودہ اند و حکم کردہ اند بلکہ بعضے از تراکیب کذائیہ مشہورہ کہ فاتحہ و نیاز فلاں بزرگ بایں طور و بریں چیز باید در رسائل و اوراد اکابر ہم بنظر آمدہ مثل ترکیب توشہ اصحابِ کہف و غیرہ گواصل لہم معلوم نیست فاما عمل بدان مناسب کہ داخل تجربات است۔ و در رقی کہ ازیں قسم تخصیصات بطریق صحیح مروی ست و فرقے نیست میان آل و ایں و ظہور برکات و آثار دریں تخصیصات از یقینات است مثل سائر

تجربیات۔ اتمی کلامہ

ان اکابر نے مدون کیے ہیں نظر آئی ہیں۔
 جیسے اصحاب کہف کے توشہ کی ترکیب اگرچہ
 اس کی اصلی علت معلوم نہیں مگر اس پر عمل کرنا
 مناسب ہے۔ اس لیے کہ تجربات میں داخل
 ہے اور جائز منتروں میں بھی اسی قسم کی تخصیص
 بطریق صحیح مروی ہیں۔ ان دونوں میں کوئی
 فرق نہیں۔ برکات کا ظہور اور اثر ان
 تخصیصات میں دیگر مجربات کی طرح یقینی
 ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو صورتیں سوال میں مذکور
 ہیں ان صورتوں میں ذبیحہ کا گوشت کھانا حلال
 ہے۔ اس واسطے کہ شرائط ذبح موجود ہیں اور
 جو صورتیں آیت میں مستثنیٰ ہیں ان سے ذبیحہ
 مذکورہ خارج ہے۔ ہاں جب ناذر کا قصد ذبح
 جانور سے صاحب قبر کا تقرب ہو تو اکثر کے
 نزدیک حرام ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ
 واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

وبالجملہ در صورت مسطورہ خوردن گوشت
 ذبیحہ حلال است لوجود شرائط
 الذبح و خروجها من الصور
 المستثناة فی الآیة نعم اذا
 قصد بذبحها التقرب الی
 صاحب القبر فحرام عند
 الاکثر و مکروه عند البعض
 واللہ اعلم وعلمہ اتم۔



تتمہ باب سوم

واز برائے یو دن خطاب بسوئے صاحب قبر و استمداد در استفتاء مذکور اگر برخ از مسئلہ استمداد و مالہ و ما علیہ ایں جاؤ کر نمودہ شود اجنبی از مقام نحو اہد یود۔

اس استفتاء میں چونکہ صاحب قبر کو خطاب کیا گیا ہے اور اس سے مدد طلب کی گئی ہے۔ اگر استمداد کے مسئلہ اور اس کے مالہ و ما علیہ کو کسی قدر ذکر کیا جائے تو اجنبی نہ ہوگا۔



سوال تے چند

در بارہ استعانت و استمداد از ارواح کاملہ

سوال: چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خالق است و سمیع و بصیر مطلق بے توسل و احتیاج باعانت و امداد احدے پس استمداد و استعانت از غیر او سبحانہ و تعالیٰ نبی باشد یا ولی یا ملک یا جن و غیرہ و دعوت و ندا با سامی اوشاں در حوائج و مشکلات خویش چہ معنی دارد بلکہ بحسب نصوص قطعیہ مفصلہ ذیل شریکت صریح و ظلمیست قبیح۔

سوال: چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ خالق ہیں اور ہر ایک آواز سننے اور دیکھنے اور پیدا کرنے میں کسی کے توسل کی کوئی احتیاج اور ضرورت نہیں۔ پس بزرگوں سے مدد مانگنا اور اعانت طلب کرنا چاہے وہ بزرگ نبی ہوں یا ولی یا فرشتہ یا جن بے معنی بات ہے اور مشکلات و حاجات میں بزرگوں کو ان کے نام لے کر پکارنا جیسے اے میرے پیر مدد کر، یا شیخ میری اعانت کر یہ بھی بے معنی ہے بلکہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صریح شرک ہے اور قبیح ظلم ہے۔ آیات ذیل تفصیل وار مذکور ہیں:-

۱۔ قال اللہ تعالیٰ تعلیماً
للعباد (ایاک نعبد وایاک
نستعین) بکسر عبادت واستعانت در
ذاتِ خودش جل وعلی شانہ۔

۲۔ وقال اللی تعالیٰ ان
المساجد لله فلا تدعوا مع
الله احداً وانه لما قام عبد
الله يدعوه كادوا يكفون
عليه لبدا قل انما ادعوربي
ولا اشرك به احداً۔

۳۔ وقال اللہ تعالیٰ ان يدعون
من دونہ الا اناناً وان يدعون
الا شیطاناً مریداً۔

۴۔ وقال تعالیٰ ومن اضل
ممن يدعوا من دون اللہ من لا
يستجيب له الى يوم القيمة و
هم عن دعائهم غافلون

۵۔ وقال ايضاً ولا تدع من
دون اللہ مالا ينفعك ولا
يضرک فان فعلت فانک
اذا من الظالمين۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنی مخلوق کی تعلیم کے
لیے ایاک نعبد وایاک
نستعین۔ خاص تیری ہی عبادت کرتے
ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

۲۔ مساجد اللہ کی ہیں پس خدا کے ساتھ کسی کو
مت پکارو۔ اور جب خدا کا بندہ (محمد رسول
اللہ) نماز میں خدا کی عبادت کرتا ہے تو اُس کو
(جنات سامعین) جھر مٹ میں لے جاتے
ہیں۔ یا رسول اللہ حکم سنا دو کہ میں تو اپنے رب
کی عبادت کرتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو
شریک نہیں گردانتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ (کفار)
مومنات (لات و منات) کی عبادت کرتے
ہیں۔ وہ لوگ درحقیقت شیطان مردود کی
عبادت کرتے ہیں۔

۴۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا ان باطل
معبودوں کو پکار کر عبادت کرتا ہے جو قیامت
(ابد الابد) تک اس کی پکار کا جواب نہیں
دے سکتے ہیں۔ او وہ بت ان کی نداؤں سے
غافل ہیں۔

۵۔ نیز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ان باطل
معبودوں کی عبادت نہ کرو جو کہ کسی قسم کے نفع و
ضرر کے مالک نہیں ہیں اے مخاطب اگر تو ایسا
کرے تو ظالمین سے شمار ہوگا۔

۱۔ عن ابن مسعود قال قال
رجل يا رسول الله اى الذنب
اكبر عند الله قال ان تدعو
الله نداؤ هو خلقك۔ بخاری و
مسلم۔

۱۔ حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے
عرض کی یا رسول اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون
ساگناہ سب سے زیادہ بُرا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے
کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور تو غیر کی
عبادت کرے۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ عن جبیر بن مطعم قال
أتى رسول الله صلى الله
عليه وسلم اعرابي فقال
جهدت الانفس ونهكت
العيال وهلكت الانعام
فاستسق الله لتافانا
نستشفع بالله عليك و
نستشفع بك على الله فقال
النبى صلى الله عليه وسلم
سبحان الله سبحان الله فما
زال يسبح حتى عرف فى
وجوه اصحابه ثم قال ويحك
انه لا يستشفع بالله على احد
فشان الله اعظم من ذلك
ويحك اتدرى ما الله ان
عرشه على سمواته هكذا قال
باصابعه مثل القبة عليه وانه

۲۔ جبیر بن مطعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی
رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض
کرنے لگا۔ یا رسول اللہ (قحط پڑ گیا ہے) اہل
و عیال مشقت اور تکلیف میں پڑ گئے ہیں۔
جانور بھوک پیاس سے ہلاک ہو رہے ہیں۔
آپ اللہ تعالیٰ سے بارش رحمت طلب فرما
دیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس برائے
طلب دعا شفیع اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ
میں برائے اجابت دعا شفیع کرتے ہیں۔ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم یہ جاہلانہ کلمات سن کر خشیت
الہی سے سبحان اللہ سبحان اللہ کافی دیر تک
زبان مبارک سے ادا فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ
اصحاب کرام موجودہ و حاضرین کے چہروں
سے خوف و خشیت کے آثار ظاہر ہو گئے۔ فرمایا
اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت اس سے بہت ہی
اعلیٰ اور رفیع ہے کہ اُس کو مخلوق کے پاس
سفارشی بنایا جا

لِيَأْتَاكَ أَطِيظُ الرَّحْلِ
بِالرَّاكِبِ (ابوداؤد)

سکے۔ فرمایا افسوس کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرش عظیم اُس کے آسمانوں پر ہے۔ اُنکلیوں مبارکہ سے گنبد کی طرح اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ عرش مجید عظمت الہیہ سے چر چر کرتا ہے جیسا پالان سوار کے بیٹھنے سے چر چر کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

۳۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ کے پیچھے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اے جو ان حدود اللہ کی محافظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت پڑے تو اللہ سے سوال کر۔ اگر مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد مانگ۔ مشکوٰۃ باب التوکل بحوالہ ترمذی شریف۔

۳۔ عن ابن عباس قال كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً فقال يا غلام احفظ الله بحفظك تجده تجاهك وإذا سئلت فاسئل الله وإذا استعنت فاستعن بالله. مشکوٰۃ باب التوكل. ترمذی۔

ويحك انه لا يستشفع بالله على احد كـ ارشاد نبوی سے جو کہ حدیث ابو داؤد میں واقع ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ کی حرمت بھی ثابت ہے۔

ازويحك انه لا يستشفع بالله على احد كـ در حدیث ابو داؤد واقع شدہ حرمت یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ نیز ثابت است۔



جواب

۱۔ مفاد ایاک نستعین آل کہ استعانت نہجیکہ مستعان منہ را خالق عون داند منحصر است در حق سبحانہ و تعالیٰ خواہ در امور دنیویہ یا اخرویہ اما استعانت بآں معنی کہ مستعان منہ را از مظاہر عون داند چنانچہ نظر بر کارخانہ اسباب و حکمت مسبب الاسباب ہمیں را تقاضائے گند از مخلوق ممنوع نیست و نہ منافی مفاد مذکور را۔ قال اللہ تعالیٰ و تعاونوا علی البر و التقویٰ پس مطلق استعانت و امداد طلبی را منحصر گفتن در او سبحانہ و تعالیٰ ناشی است از فرط جہالت۔

۱۔ ایاک نستعین کا معنی اور مدلول صرف یہ ہے کہ طلب مدد کرنا اس طرح کہ مستعان منہ کو خالق اعون و مدد یقین کرنا یہ جناب باری تعالیٰ شانہ کی ذات میں منحصر ہے خواہ امور دینی میں ہو خواہ امور دنیاوی میں ہو۔ اور اگر استعانت کے یہ معنی نہ لیے جائیں بلکہ استعانت بمعنی اس امر کے کہ مستعان منہ کو مظہر عون جانے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے کارخانہ حکمت و اسباب میں یہی امر جاری ہے کہ ہر چیز کے اسباب بنائے ہیں اور ہمیں ان اسباب کے استعمال کا حکم دیا ہے۔ پس کارخانہ اسباب و حکمت پر نظر کرنا اسی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ مدد مانگنا مخلوق سے ممنوع نہیں اور نہ یہ ایاک نستعین کے معنی کے خلاف ہے جیسا کہ ارشاد الہی و تعاونوا علی البر و التقویٰ سے ظاہر ہے یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ پس یہ کہنا کہ مطلق مدد کا طلب کرنا جناب باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں منحصر ہے اور کسی طور پر بھی مخلوق سے مدد طلب نہیں کی جاسکتی۔ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔

خاتم المحدثین مولانا عبدالعزیز سے فرمائید قدس
 سرہ: تقدیم ایسا کہ بر نستعین مفید حصر
 است یعنی از غیر تو استعانت ندا ریم و این
 استعانت یا خاص است برائے عبادت یا عام
 است در جمیع امور دنیا و دین اگر خاص است پس سر
 آنت کہ عبادت ہر چند کسب بندہ است مگر عمل
 بندہ بہ پیدا کردن خدا است و اگر عام است پس
 وجہ اختصاص آنت کہ ہر کہ غیر خود را اعانت سے
 گند۔ منتہی کار او آنت کہ در دل او داعیہ اعانت
 آں غیر سے اندازد و این فعل فعل او تعالیٰ
 است۔ پس گویا بندہ سے گوید غیر ترا اعانت بہم
 رسانند باز در دل او داعیہ اعانت من اندازی۔ پس
 من از وسائط قطع نظر سے کم و غیر از اعانت ترانے
 پنم۔ انتہی ملخصاً

خاتم المحدثین مولانا عبدالعزیز فرماتے ہیں قدس
 سرہ: ایسا کہ انستعین پر مقدم کرنا حصر کا
 فائدہ بخشا ہے یعنی آپ کے غیر سے ہم مدد نہیں مانگتے
 اور یہ استعانت یا خاص عبادت میں ہے یا جمیع امور
 دنیا و دین میں اگر خاص ہے۔ پس راز اس میں یہ ہے
 کہ اگرچہ عبادت انسان کا اپنا کسب ہے اور اپنا
 اختیاری فعل ہے مگر بندہ کے تمام افعال اللہ تعالیٰ
 کے مخلوق ہیں۔ پس عبادت میں استعانت ثابت ہو
 گئی۔ اور اگر عام ہے تو اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ جو
 شخص اپنے غیر کی امداد و اعانت کرتا ہے اسکی غایت
 کار یہ ہے کہ اسکے میں دل میں غیر کی امداد کے
 اسباب اور دواعی ڈالے جائیں اور اسباب اعانت کا
 کسی کے دل میں ڈالنا باری تعالیٰ کا کام ہے۔ پس
 گویا بندہ کہتا ہے کہ آپ کے بغیر کوئی میری مدد نہیں کر
 سکتا اور اس سے



۱۔ مترجم کہتا ہے کہ حاصل کلام حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا یہ نکلا کہ مخلوق سے استعانت کی منع اس آیت
 سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ مخلوق کی مدد بھی جناب باری تعالیٰ شانہ کی اعانت ہے اور اسی جناب نے ان کو معین
 بنایا ہے ورنہ وہ غیر ہرگز امداد نہ کرتے۔ پس وہ غیر مظہر عون الہی ٹھہرے۔ پس اگر ان کو مظہر عون الہی یقین
 کر کے استعانت کی جائے تو کوئی ممانعت نہیں۔ پس شاہ صاحب قدس سرہ کا کلام حضرت قبلہ عالم رضی اللہ
 عنہ کے کلام کو مؤید ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ مدد کا خالق اور مستقبل متصرف سمجھ کر کسی سے مدد طلب کرنا شرک اور
 حرام ہے لیکن مدد کا خالق خدا کو سمجھ کر محض کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ایسی چیز سے مدد طلب کرنا
 جس سے شرعاً جائز ہو ہرگز شرک اور حرام نہیں۔ مترجم۔

اعانت کا امکان بھی نہیں۔ ہاں مگر آپ اس کی مدد فرمائیں اور میری امداد و اعانت کے اسباب جمع کرے اور پھر آپ اس کے دل میں میری امداد و اعانت کی خواہش ڈالیں تو جب یہ ممکن ہے پس میں ان تمام وسائل سے قطع نظر کرتا ہوں اور آپ کی اعانت پر ہی نظر رکھتا ہوں۔

۲۔ آیت دوم میں مُراد لا تدعوا ویدعوه وادعوا سے معنی پکارنے اور بلانے اور ندا کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ عبادت مُراد ہے۔ بیضاوی۔ معالم۔ مدارک وغیرہ تمام تفاسیر میں بالاتفاق یہی معنی مذکور ہیں۔ پس عبادت غیر اللہ حرام اور شرک ہوئی نہ آواز کرنا اور پکارنا۔

۳۔ تیسری آیت میں بھی مُراد یدعون سے ایسا پکارنا ہے۔ جو کسی کو معبود سمجھ کر بطریق عبادت پکارا جائے اور اناث سے مُراد اصنام ہیں۔



۱۔ مشرکین عام طور پر بتوں کے نام مَوْنَت رکھتے تھے جیسے لات، منات اور کالی دیوی وغیرہ جو مَوْنَت نام ہیں۔ اور قرآن میں جو مشرکین کا شیطان کو پکارنے کا ذکر ہے۔ اس کا مفسرین کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ شرک کی رسمیں چونکہ شیطانی وسوسہ سے مروّج ہوتی ہیں لہذا ان پر عمل کرنے والے گویا شیطان کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ مترجم۔

۲۔ ودر آیت دوم مُراد لا تدعوا ویدعوه وادعوا معنی خواندن وندا نمودن نیست بلکہ معنی عبادت است۔ بیضاوی معالم مدارک وغیرہ ہمہ تفاسیر متفق اند بریں پس عبادت غیر حق سبحانہ و تعالیٰ حرام و شرک خواهد بود نہ نداء و خواندن۔

۳۔ ودر آیت سوم نیز مُراد یدعون دعوت بطریق عبادت است و اناثاً اصنام۔ کمافی التفاسیر۔

۴۔ ودر آیت چہارم مُراد ازیّد عو یعبد
است و از من لا یستجیب بتان
کافی المدارک وغیرہ۔

۵۔ ودر آیت پنجم نیز مُراد از لا تدع لا
تعبد است کافی العالم وغیرہ۔ علامہ
سیوطی در اتقان گفتہ الدعاء ورد علی
اوجه العبادۃ نحو ولا تدع من
دون اللہ ما لا ینفعک الخ

۴۔ اور چوتھی آیت میں یدعو کے معنی
یعبد کے ہیں۔ اور من لا یستجیب
لہ سے مراد بت ہیں۔ مدارک وغیرہ تفاسیر
سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ پنجم آیت میں بھی لا تدع سے مُراد لا
تعبد ہے۔ معالم وغیرہ تفاسیر میں یہی ہے۔
علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں۔ لفظ دُعا
کے کئی معانی ہیں۔ ان میں سے ایک معنی
عبادت بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
ولا تدع من دُون اللہ ما لا
ینفعک۔ الآیۃ۔



احادیث سے جو اعتراض کیے گئے ہیں اُن کا جواب

۱۔ و مراد ازاں تدعو لہ نذا و هو خلقک ان تجعل لله است شیخ عبدالحق در ترجمہ مے نویسند قدس سرہ "بگردانی پروردگار عالم را مانند و ہمتا حالانکہ تو مے دانی کہ وے پیدا کردہ ترا۔ ملا علی قاری در مرقاۃ نوشتہ ان تدعو ای لتجعل لله۔ قسطلانی در شرح لا یدعون ای لا یعبدون۔ وغیرہ نوشتہ۔"

۱۔ ان تدعو لله نذا و هو خلقک سے مراد ہے ان تجعل لله حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں قدس سرہ۔ بنائے تو پروردگار کا کوئی شریک و مساوی حالانکہ تو جانتا ہے کہ اُس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تو خدا کا شریک بنائے۔ قسطلانی نے لا یدعون کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے یعنی عبادت نہیں کرتے۔

۲۔ و در حدیث دوم معنی نستشفع باللہ علیک آنت کہ ما عین ذات حق سبحانہ و تعالیٰ را پیش تو شفیع آریم کہ مستلزم فضیلت و مزیت مشفوع الیہ است بر شفیع نہ آں کہ نام خدائے راعز و جل وسیلہ مے گیریم پیش تو تا کہ بحرمت آں نام پاک برائے ما طلب باراں گنی چہ سوال کردن از

۲۔ اس حدیث شریف میں معنی نستشفع باللہ علیک کے یہ ہے کہ ہم خود ذاتِ جل جلالہ کو آپ کی خدمت میں سفارشی لاتے ہیں اور یہ جملہ اس معنی میں یہ مطلب ہے کہ جناب باری تعالیٰ جو شفیع بنائے گئے ہیں۔ جناب رسالت مآب اعلیٰ مرتبہ ہیں۔ حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔ اور یہ معنی اس جملہ کے ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فشان اللہ اعظم من ذالک بھی فرمایا ہے۔ پھر جناب باری تعالیٰ کی عظمت کی وہ تفسیر فرمائی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ اور اس امر کا کوئی بھی ہم میں سے قائل نہیں اور نہ ہی یہ معنی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیعہ اللہ کے ہیں۔ اور نہ یہ مراد لیے جاتے ہیں۔ (مترجم)

کے بخرمت نامِ اوسمانہ و تعالیٰ ممنوع
 نیست بلکہ ثابت است از قولہ تعالیٰ و اتقوا
 اللہ الذی تساءلون بہ
 والارحام۔ تفسیر کبیر۔ و از احادیث صحیح
 عن ابن عباس قال قال لی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا
 اخبرکم بشر الناس قیل من
 هو قال الذی یسئل باللہ ولا
 یعطی بہ۔ رواہ احمد۔ و عن ابن
 عمر قال قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم من
 استعاذ باللہ فاعیدوہ ومن
 سأل باللہ فاعطوہ۔ رواہ
 النسائی وغیرہ۔ بالجملہ احادیث کثیرہ
 وارد اند دریں مضمون لا نذکرہا
 مخافة التطویل۔

نہیں کہ ہم نام مبارک جناب باری تعالیٰ شانہ
 کو وسیلہ پکڑتے ہیں تاکہ بخرمت اس اسم
 مبارک ہمارے لیے بارش طلب فرمادیں۔
 اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کی بخرمت
 سے کوئی چیز کسی سے مانگنے کی ممانعت نہیں اور
 نہ ہی اس نام کا وسیلہ بنانا ممنوع ہے بلکہ قرآن
 شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اللہ
 تعالیٰ کے نام کا وسیلہ بنانا اور اسی نام کی بخرمت
 سے کچھ مانگنا جائز اور مستحسن ہے۔ ارشادِ الہی
 ہے کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس کے نام کے
 وسیلہ سے سوال کرتے ہو۔ اور حدیث ہے کہ
 فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا نہ
 بتاؤں تم کو کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے۔
 عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
 کے نام پر اُس سے مانگا جائے اور نہ دے۔ نیز
 فرمایا کہ جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اُس کو پناہ
 دو۔ اور جو اللہ کے نام پر مانگے اُس کو دو۔
 مجمل یہ ہے کہ اس مضمون میں بہت سی
 احادیث وارد ہیں۔ تطویل کے خوف سے ان
 کو ذکر نہیں کیا جاتا۔

۳۔ تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس
 میں مقصود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام
 توکل کا بیان ہے جو بلند مقام ہے اور خواص

۳۔ و در حدیث سوئم مقصود شارع علیہ
 الصلوٰۃ والسلام بیان توکل است کہ
 مقامیست عالی و مخصوص بخواص پس برائے

کے لیے مخصوص ہے۔ پس خواص کے لئے اسباب کی طرف توجہ اور اسباب میں مشغولیت اس مقام بلند سے تنزل کا موجب ہے۔ چنانچہ قول مشہور حسنات الابرار سیئات المقرّین۔ عام نیکیوں کی بھلائیاں بلند درجات والوں کی بُرائیاں ہیں۔ یہ اسی مقام بلند کی خبر دیتا ہے اور اس سے مقصود یہ نہیں کہ ہم جنس مخلوق اور ارواح طیبہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا اور اسباب کے ساتھ توکل کرنا مطلق حرام ہے۔

صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ جو صفات اس حدیث میں مذکور ہیں یہ صفات اولیاء اللہ کے ہیں جو اسباب دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور دنیاوی موانع کی طرف اُن کی بالکل التفات نہیں ہوتی۔ اور یہ درجہ خواص کا ہے جس کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ بہر حال عوام کے لئے تو دوا و معالجہ اور دیگر دنیاوی اسباب کی اجازت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ارشادات مخاطب کے مادہ اور حیثیت کے مطابق فرمایا کرتے اور وہ عام نہیں ہوتے تھے۔ مخاطب کے لئے ہوتے تھے۔ دیکھو جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال

اوشاں توجہ باسباب و انہماک دراں ہا موجب تنزل است ازاں مقام کہ حسنات الابرار سیئات المقرّین مشعر است ازاں نہ آں کہ استعانت از بنی نوع و استمداد از ارواح طیبہ انبیاء و اولیاء و توکل باسباب ممنوع و حرام باشد مطلقاً۔

ور نہایہ گفتہ ہذا من صفات
الاولیاء المعرضین عن
اسباب الدنیا و عوائقها الذین
لا یلتفتون الی شیء من
عوائقها و تلک درجۃ
الخواص لا یبلغها غیر ہم
واما العوام فرخص لهم
التداوی و المعالجات۔ (احقاق
الحق)

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعضے ارشادات بحسب حیثیت مادہ مخاطب فرمودہ اند نہ علی العموم نے بنی کہ وقتے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمیع مال خود را تصدق کردہ نظر بہ یقین و توکل و صبر اور انکار نہ

فرمودند صلی اللہ علیہ وسلم وآں صحابی دیگر را
 منع فرمودند وقتے کہ تصدق کرد بجمع مال خود
 ہم چنیں استعانت یوسف علی نبینا وعلیہ
 الصلوٰۃ والسلام بغیر او سجانہ و تعالیٰ حین
 قال اذ کرنی عند ربک مناسب
 نہ بود بمقام نبوت کما یدل علیہ
 قوله علیہ السلام رحم اللہ
 اخی یوسف لولم یقل اذ کرنی
 عند ربک اما لبث فی
 السجن سبعا نہ آں کہ شرعاً ممنوع
 بود۔

خیرات کر دیا تو آپ نے انکار نہیں فرمایا اس
 واسطے کہ ان کے یقین اور صبر اور توکل پر نظر
 تھی۔ اور جب دوسرے ایک صحابی نے سب
 مال خیرات کیا تو آپ نے انکار فرمایا اور اس کو
 منع کیا۔ اسی طرح جب یوسف صدیق علی نبینا
 وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے غیر سے
 مدد مانگی اور کہا مجھے اپنے مالک کے پاس یاد
 کرنا۔ تو یہ مقام نبوت کے مناسب نہ تھا۔ نہ
 یہ کہ یہ امر دوسروں کے لیے بھی شرعاً ممنوع
 تھا۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد
 مذکور کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ امر مقام
 نبوت کے مناسب نہ تھا۔ اس حدیث کا ترجمہ
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم
 کرے۔ اگر اذ کرنی عند ربک
 (مجھے اپنے بادشاہ کے پاس یاد کرنا اور میری
 سفارش کرنا کہ ایک مظلوم بے گناہ جیل خانہ
 میں ڈالا گیا ہے نہ کہتے) تو وہ ہرگز سات سال
 جیل خانہ میں نہ رہتے۔

نقل ہے کہ زاہدین کے سلطان حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایک مرض سے تندرست ہوئے۔ تو بوجہ ضعف چند قدم عصا پر تکیہ کر کے چلے اور پھر فوراً اس عصا کو پھینک دیا اور چہرہ مبارک سے رنجیدگی کے

آثار بھی ظاہر ہوئے اس کے بعد حسب موقعہ ایک شخص نے عصا پھینکنے کا سبب دریافت کرنے کے لئے عرض کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں چند قدم اس عصا کے سہارے چلا تو ہاتھ غیب نے پکار کر کہا کہ اے فریداب تک تو تیرا تکیہ گاہ ہم تھے اور ہمارے سوا کوئی تمہارا تکیہ گاہ نہ تھا اب خلاف عادت ہمارے غیر پر تکیہ کیا۔ اس وجہ سے میں نے عصا پھینک دیا ہے۔

نقل است کہ سلطان الزاہدین حضرت فریدالدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد افاقہ از مرض روزے باعث عارضہ ضعف قدمے چند بر تکیہ چوب رفتہ آں چوب را ابد اختند بنوعے کہ از چہرہ مبارک آثار ناخوشی نمودار شدند۔

شدند۔ بعد ازاں حسب موقع سائلے برائے دریافت سبب عرض نمود۔ بجوابش فرمودند کہ وقتے کہ گامے چند باتکاء آں چوب رفتم شنیدم کہ ہاتھے مے گفت اے فرید تا ہنوز متنگی و تکیہ گاہ تو بغیر از ما نبود و ایں زبان خلاف معتاد بر غیر ما تکیہ نمودی۔ ایں بود وجہ انداختن ما چوب۔

تنبیہ۔ باید دانست کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کے راز مبداء فیاض خصوصیت و شان ممتاز است از شیونات مخلوق دیگر کہ منشاء و مبنی سے باشد برائے ظہور و ترتب آثار و احکام ممتازہ و لازم نیست کہ موجب فضیلت مطلقہ باشد بر بنی نوع پس لازم نیاید فضیلت سلطان الزاہدین بر موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام وغیرہ او از انبیاء کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام فتدبر ولا تعجل علیکم بالسواد الاعظم و ایضاً لن تجتمع امتی علی الضلالة و مقولہ ابن مسعودؓ ما راہ المؤمنون حسنا فهو عند اللہ حسن را زیر نظر باید داشت تا کہ از قصور فہمی خود فیما بین احادیث تعارض و تناقض روئے نہ نماید و مصداق اذا سمعت الرجل یقول ہلک الناس فهو اہلکم

نگرود

تنبیہ۔ جاننا چاہیے کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کو مبداء فیاض سے سے ایک خاص خصوصیت اور شان ملی ہے جو دوسری مخلوق کے شیون سے ممتاز ہے اور وہ شان نمایاں احکام اور خصوصی آثار کے ترتب کا مدار ہے۔ لہذا ضروری نہیں کہ بنی نوع پر فضیلت مطلقہ کا سبب بنے۔ پس اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت بابا صاحبؒ کو حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام و دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت مطلقہ ثابت ہو جائے۔ پس سوچ اور جدی نہ کر۔ سواد اعظم کے طریقہ کو لازم رکھو اور حدیث لن تجتمع امتیؒ و مقولہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما راہ المسلمونؒ کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے تا کہ اپنے قصور فہمی سے آیات اور حدیثوں کے درمیان تعارض اور تناقض نہ ہونے پائے اور اس حدیث کا مصداق نہ بن جائے۔ اذا سمعت۔ؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ سواد اعظم کے طریقہ کو لازم کر دو اور یہ حدیث کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوں اور حضرت ابن مسعود کا قول کہ جس چیز کو اہل اسلام اچھا سمجھیں وہ اچھی ہے۔ مد نظر رکھیں تا کہ سمجھ میں کوتاہی کے باعث آیات اور احادیث میں تناقض محسوس نہ ہو۔ اور اس حدیث کا مصداق نہ ہونا پڑے کہ جب کسی سے یہ سنو کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ شخص خود بڑا ہلاک ہونے والا ہے۔ (مترجم)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ در شرح اس حدیث نوشتہ عندی له معنی آخر وهو ان یخالف جمہور المسلمین وعامة حملة العلم ویخترع قولاً غیر قولہم ثم یقدم علی الانکار والطعن فیہم انتہی۔

نئے نبی کہ قولہ تعالیٰ ایاک نستعین بزعم حصر استعانت مطلقہ مصادم و مناقض آیت وتعاونوا علی البر والتقویٰ خواہد بود و پچھنیں قولہ تعالیٰ ایس اللہ بکاف عبده بخیاں آنکہ مفادش کفایت اوسبحانہ و تعالیٰ است و عدم احتیاج بما سوائے مناقض آیه ولو

حکیم الامت مولانا شاہ ولی اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کا ایک دوسرا معنی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جمہور مسلمین اور اکثر حاملین علم کی مخالفت کرے اور ان کے قول کے خلاف ایک قول گھڑ ڈالے اور پھر ان لوگوں پر طعن کرے اور ان پر انکار کرے۔

دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا قول مبارک ایاک نستعین جب یہ زعم اور خیال ہو کہ مطلق استعانت کا حصر ہے مناقض ہو جائے گا۔ آیه شریفہ وتعاونوا علی البر والتقویٰ کے اس لیے کہ اس آیت میں علم ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ایس اللہ بکاف

أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ
جَاءَ زَكَّ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

عبدہ کا جب یہ معنی خیال میں رکھا جائے
کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز ہرگز
حاجت نہیں کسی کام میں بھی کسی کی ضرورت
نہیں تو یہ آیت شریف منقض ہو جائے گی۔

نساء (۶۴) دوسری آیت شریف ولو انہم اذ

ظلموا انفسہم الآیۃ کی اس لیے کہ
اس آیت شریف میں حکم ہے کہ جب گنہگار
گناہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں
اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور مغفرت
طلب کریں اور آپ بھی ان کے لئے
مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ کو رحیم اور
تواب پائیں گے۔

اس آیت میں شرط کر دی ہے کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بھی مغفرت طلب کریں تو مغفرت
ہوگی۔ چونکہ وارد ہوا ہے کہ قرآن شریف کی
بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر کرتی ہیں اور
تمام آیات قرآن شریف کی ہیں۔ لہذا تمام
آیات کی رعایت کرتے ہوئے ہر ایک کو اپنے
موقعہ اور مرتبہ پر رکھنے کا کام کرنا چاہیے۔
یہاں سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جناب الہی
کا اپنے بندوں کے لئے کافی ہونا اور سمیع و
بصیر ہونا اور بندے کا اپنی حاجات کو کسی محبوب
کے توسل سے پیش کرنا اور کسی محبوب خدا کی

چوں کہ ان القرآن یفسر بعضہ
بعضاً وارد شدہ وہم آیات آیات قرآنیہ
ندہم را امری داشتہ وضع کل شیء
فی مرتبتہ را کار باید بست ازیں جا
دانستہ باشی کہ بودن او سمانہ و تعالیٰ کافی
برائے عباد خود و سمیع و بصیر منافی نیست بہ
بودن التجا بسوئے محبوبے از محبوبان حق و
توسل بدوشاں چہ او تعالیٰ با وجود سمیع بودن
او بلا واسطہ امر فرمود بحاضر شدن گنہگاران
بمغفرت خود را و ابستہ و منوط گردانید۔

بمغفرت و دُعا طلی رسول علیہ الصلوٰۃ
والسلام۔

(۱) جاؤک۔

(۲) واستغفر لهم الرسول۔

(۳) لوجد والله توأباً رحیماً

قابل غور است عن ربیعة بن کعب

قال كنت ابیت مع رسول

الله صلی الله علیه وسلم

فاتیتہ بوضوءه وحاجته

فقال لی سل فقلت اسئالك

مرافقتک فی الجنة قال او

غیر ذالک قلت هو ذاک

قال فاعنی علی کثرة

السجود۔ رواه مسلم۔

طرف التجا کرنا آپس میں منافی نہیں ہیں۔ اس

لیے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اپنے کافی ہونے اور

سمیع و بصیر بلا واسطہ ہونے کے گنہگاروں کو

ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ درگاہ نبوی میں حاضر

ہوں اور پھر اپنی مغفرت کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی مغفرت طلی اور دُعا فرمائے پر

موقوف اور وابستہ فرمایا جـاء وک۔

واستغفر لهم الرسول۔ لو

جدوالله توأباً رحیماً قابل غور

ہیں۔ ربیعة بن کعب سے مروی ہے۔ وہ

فرماتے ہیں کہ میں رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ پس ایک دن

میں آپ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر

ضروریات لے آیا۔ پس آپ نے فرمایا جو چیز

چاہے مجھ سے مانگ۔ مانگ لے جو چاہتا

ہے۔ پھر میں نے عرض کی کہ بہشت میں آپ

کی رفاقت مانگتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کوئی اور چیز مانگ۔ میں نے عرض

کی۔ میرا مطلوب تو یہی ہے۔ فرمایا کہ کثرت

سجود کو میری اعانت کے ساتھ شامل کر۔

رواه مسلم

دریں حدیث کلمہ سئل و قال او غیر
 ذلک را ملاحظہ باید نمود کہ از عدم ذکر
 مفعول سئل و از او غیر ذلک
 چہ قدر وسعت و اطلاق مسؤل معلوم ے
 شود۔ حضرت شیخ عبدالحق در شرح ایں
 حدیث نوشتہ۔ و از اطلاق سوال کہ فرمود سئل
 و تعیین نہ کرد مسؤل معین و مطلوب بے خاص
 معلوم ے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت و
 کرامت اوست ہر چہ خواہد و ہر کرا خواہد
 باذن تقدس و تعالیٰ بدہد۔

فان من جودک الدنيا وضررتها
 ومن علومک علم اللوح والقلم
 اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری
 بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

اس حدیث میں کلمہ سئل و قال او غیر
 ذلک کو ملاحظہ کرنا چاہیے اس لیے کہ
 سئل کا مفعول ذکر نہیں فرمایا نیز او غیر
 ذلک بھی فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا
 ہے۔ مسؤل اور مطلوب میں بہت ہی
 وسعت ہے اور بہت ہی اطلاق ہے۔ حضرت
 شیخ عبدالحق نے اس حدیث کی شرح میں لکھا
 ہے کہ سئل کو مطلق فرمایا ہے اور مسؤل کو
 معین نہیں فرمایا اور مطلوب کو خاص نہیں۔ اس
 سے معلوم ہوا کہ تمام کام آپ کے دست ہمت
 و کرامت میں ہیں جو کچھ چاہیں اور جس کو
 چاہیں اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے دے
 دیں۔

دنیا اور آخرت آپ کی جود و سخا کے دو
 جزیے ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے
 دو حصے ہیں۔

اگر دنیا و آخرت کی بھلائی کی تمنا رکھتے
 ہو تو آپ کی درگاہ میں آؤ اور جو چیز چاہو اس
 کی تمنا کرو۔ الی آخرہ۔

مَلَا عَلِي قَارِي نُوْشْتَه سَسَلْ اِي اَطْلَب
 مَنِي حَاجَةٌ وَقَالَ ابْن حَجْر
 اَتَحْفَكَ بَهَا فِي مَقَابِلَةِ
 خِدْمَتِكَ لِي لَان هَذَا هُوَ شَانِ
 الْكِرَامِ وَلَا اَكْرَمَ مِنْهُ عَلَيْهِ
 السَّلَامُ وَيُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهِ
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَمْرُ
 بِالسُّوَالِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مَكْنَهُ
 مِنْ اَعْطَاءِ كُلِّ مَا ارَادَ مِنْ
 خَزَائِنِ الْحَقِّ وَذَكَرَ ابْنُ سَبْعٍ
 فِيْ خَصَائِصِهِ وَغَيْرِهِ اَنَّ اللّٰهَ
 تَعَالٰى اَقْطَعَهُ اَرْضَ الْجَنَّةِ
 يَعْطِيْ مِنْهَا مَا شَاءَ لِمَنْ يَشَاءُ
 اِلَى آخِرِهِ. (احقاق الحق)

مَلَا عَلِي قَارِي نے لکھا ہے سَسَلْ یعنی مجھ سے
 حاجت طلب کر ابن حجر فرماتے ہیں تُو نے جو
 میری خدمت کی ہے میں اس کے مقابلہ میں
 تیری حاجت کو بطور تحفہ کے پورا کروں گا۔ اس
 لیے کہ ارباب کرم کا یہی طریقہ ہے اور آپؐ
 سے زیادہ کریم کوئی نہیں اور آپؐ کے امر سوال
 کو مطلق چھوڑ دینے سے سمجھا جاتا ہے کہ
 اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے حضور نبی کریم
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس قدر چاہیں عطا
 کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور ابن سبع
 نے خصائص میں لکھا ہے کہ جنت کی زمین
 اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بطور جاگیر عطا فرمادی ہے
 جس کو جتنی چاہیں عطا فرمادیں۔



سوال

مشرکین ہم اصنام را شفعاء و سفراء ے
 دانستند نہ خالق ارض و سما و غیر ہما لقولہ تعالیٰ
**وَلئن سألتم من خلق
 السموات والارض ليقولن
 اللہ** پس چست فرق مابین مومنین کہ
 اعتقاد دارند بشفاعت انبیاء و اولیاء و مابین
 مشرکین مع آں کہ اصنام و انبیاء و اولیاء ہمہ
 داخل اند در ما سوع اللہ۔

مشرکین بھی اپنے بتوں کو زمین و آسمان کا
 خالق نہیں جانتے تھے۔ بلکہ وہ بتوں کو اپنا شفیع
 اور وسیلہ بناتے تھے۔ جیسا کہ اس آیت
 شریف سے سمجھا جاتا ہے۔ پس مومنین جو
 انبیاء و اولیاء کی شفاعت اور توسل کا عقیدہ
 رکھتے ہیں اور مشرکین جو بتوں کی شفاعت و
 توسل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان
 کیا فرق رہا۔ اس لیے کہ انبیاء و اولیاء اور
 اصنام سب غیر اللہ ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو
 بیان کرو۔

جواب

مشرکین اصنام را معبود و مستحق عبادت ے
 دانستند۔ قال اللہ تعالیٰ **حا کیا عنہم**

فرق واضح ہے۔ مشرکین اپنے اصنام (بتوں)
 کو معبود اور مستحق عبادت جانتے تھے۔

ما نعبد هم الا ليقربونا الى
 الله زلفى فلذا ورد لا اله
 الا الله ردا عليهم. چنانچہ بادشاہ
 کے راز خدمتہ بمقابلہ خدمت او ملکہ یا
 شہرے عطا فرماید و تدبیر آں ملک و آں شہر
 حوالہ او سازد پس آں بالاستقلال متصرف
 باشد و اہل آں ملک و بلدہ اور امثل بادشاہ
 دانند حکیم الامت شاہ ولی اللہ در حجتہ اللہ
 البالغہ نے نوید۔ والمشرکون
 وافقوا المسلمین فی تدبیر
 الامور العظام و فیما ابرم
 و جزم ولم یترک لغيره خیرة
 ولم یوافقوا ہم فی سائر
 الامور و ذهبوا الی ان
 الصالحین من قبلہم
 عبد الله و تقربوا الیہ فاتا ہم
 الله الا لوهیة فاستحقوا
 العبادۃ من سائر خلق الله
 کما ان ملک الملوک
 یخدمہ عبده فیحسن خدمتہ
 فیعطیہ خلعة الملک
 ویفوض الیہ تدبیر بلد من
 بلادہ فیستحق السمع
 والطاعة من اهل ذالک البلد

اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف سے بطور حکایت
 فرمایا ہے ما نعبد هم الا ليقربونا ہم
 ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ
 ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ اسی واسطے اللہ
 تعالیٰ نے ان کا رد کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی
 معبود نہیں مشرکین کہتے تھے کہ جس طرح
 بادشاہ اپنے خادموں کو کسی خدمت کے بدلے
 میں کوئی ملک یا شہر دے دیتے ہیں۔ اور اُس
 ملک یا شہر کی تدبیر اسی کے حوالے کر دیتے ہیں
 اور وہ خادم اس ملک اور شہر کا مستقل بادشاہ اور
 متصرف ہوتا ہے۔ اور اُس ملک یا شہر کے لوگ
 اُس کو بادشاہ جانتے ہیں۔ اسی طرح یہ بت
 ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ حجتہ اللہ البالغہ
 میں فرماتے ہیں کہ مشرکین بڑے بڑے
 کاموں کی تدبیر کے بارے میں مومنین کے
 موافق ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار
 میں ہے اور کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ مگر
 باقی امور اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں
 مومنین کے موافق نہیں ہیں۔ وہ مشرکین کہتے
 ہیں کہ ہم سے پہلے صالحین گزرے ہیں
 جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اُس کا
 قرب حاصل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں
 الوہیت (خدائی) دی اور وہ تمام مخلوق کے

وقالوا لا تقبل عبادة الله
 الاممومة بعبادتهم بل
 الحق في غاية التعالي فلا
 تفيد عبادته تقربا منه بل لا بد
 من عبادة هؤلاء يسمعون و
 يبصرون ويشفون لعبادهم و
 يدبرون امورهم وينصرونهم
 فنصبوا على اسمائهم
 احجارا وجعلوها قبلة عند
 توجههم الى هؤلاء فخلف من
 بعدهم خلف فلم يعطوا
 الفرق بين الاصنام وبين من
 هو على صورته فظنوها
 معبودات باعيانها ولذلك
 رد الله تعالى عليهم تارة
 بالتنبيه على ان الحكم
 والملك له خاصة وتارة
 ببيان انها جمادات الهم
 ارجل يمشون بها ام لهم ايد
 يبطنون بها ام لهم اعين
 يبصرون بها ام لهم آذان
 يسمعون بها.

لئے مستحق عبادت ٹھہرے جیسے کہ کوئی شہنشاہ
 کہ اُس کا غلام اُس کی خدمت کرتا ہے اور
 اچھی طرح خدمت کرتا ہے۔ پس بادشاہ اُسے
 بادشاہی خلعت عطا کرتا ہے اور اس کی طرف
 کسی شہر کی تدبیر سونپ دیتا ہے۔ پس اس شہر
 کے باشندے اس کے احکام کی اطاعت
 کرتے ہیں اور وہ اس اطاعت کا مستحق ہوتا
 ہے۔ نیز مشرکین کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی
 عبادت اسی صورت میں مقبول ہوتی ہے۔
 جب کہ اس کی عبادت کے ساتھ ان
 صالحین کی عبادت بھی مل جائے۔ اور اگر
 اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا ہو تو مقبول نہیں ہوتی
 بلکہ حق تعالیٰ نہایت عظمت اور بلندی والا
 ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے تقرب
 کے لئے بالکل مفید نہیں۔ بلکہ انہیں صالحین کی
 عبادت ہی ضروری ہے۔ اور یہ صالحین اب
 بھی سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی عبادت
 کرنے والوں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان
 کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں۔ پھر ان
 صالحین کے ناموں کے مطابق پتھروں کو کھڑا
 کر دیا اور ان صالحین کی طرف توجہ کرتے
 وقت ان پتھروں کو قبلہ بنایا۔ اس کے بعد ان
 کی اولاد ہوئی جنہوں نے ان بچوں اور صالحین

کے درمیان کوئی فرق نہ کیا اور انہیں بچوں کو سچا
معبود یقین کر لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان
مشرکین پر مختلف طور پر رد فرمایا۔ کبھی فرمایا کہ
حکم اور ملک خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس
میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور کبھی فرمایا کہ
یہ بے دست و پا ہیں۔ نہ اُن کے پاؤں ہیں کہ
چل سکیں نہ ہاتھ ہیں کہ پکڑ سکیں نہ آنکھیں ہیں
کہ دیکھ سکیں نہ کان ہیں کہ سُن سکیں۔

اور نیز انبیاء کرام و اولیاء عظام صلوات اللہ علیہم
اجمعین کو منصب شفاعت باذن الہی ثابت
ہے اور اصنام کو ہرگز ہرگز یہ بات حاصل نہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کون ہے جو اس کی
اجازت اور حکم کے سوا شفاعت کرے۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے شفاعت کا
رتبہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین صالحین کو معبود بناتے تھے اور ان کے لئے حاکمیت اور
بادشاہت ثابت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تردید میں فرمایا کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** یعنی اللہ
تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نیز فرمایا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ پس بادشاہ بھی
وہی ہے اہل ایمان و توحید انبیاء و اولیاء و صالحین کو معبود نہیں مانتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ہی حاکم اور
بادشاہ مانتے ہیں ہاں وہ صالحین کو وسیلہ مانتے ہیں نہ ہی وہ صالحین کو مستحق عبادت جانتے ہیں اور
نہ ہی اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ ہاں اُن سے دُعا کراتے ہیں یا خود دُعا میں اُن کے ساتھ تو سُل
کرتے ہیں۔ (مترجم)

و نیز انبیاء کرام و اولیاء عظام راصلوات
اللہ و سلامہ علیہم اجمعین
منصب شفاعت است باذن اوستمانہ و تعالیٰ
بخلاف اصنام۔

قال اللہ تعالیٰ من الذی
یشفع عنده الا باذنه و قال
عليه السلام اعطيت

الشفاعة. وعن عثمان رضي
الله تعالى عنه قال قال الله
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يشفع يوم القيمة ثلاثة
الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء
رواه ابن ماجه.

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
ہے۔ قیامت کے دن تین قسم کے اشخاص
شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر
شہداء۔ (رواہ ابن ماجہ)



سوال

عدم سماع موتی از نص قرآنی انک لا
تسمع الموتی و ما انت
بمسمع من فی القبور ثابت
است و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہ ہمیں
آیت استدلال نمودہ حدیث ما انتم
باسمع راتاویل کردہ کما فی
البخاری پس استمداد از موتی کاریت
عبث۔

مردوں کا کچھ نہ سُننا نص قرآن پاک سے
ثابت ہے۔ (بے شک تم موتی کو نہیں سُن سکتے
اور نہ اُن کو جو قبروں میں ہیں) اور حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے۔
اور اسی آیت سے اُنہوں نے استدلال کیا ہے
اور حدیث کی تاویل کی ہے۔ جیسا کہ بخاری
شریف میں ہے۔ پس مردوں سے مدد مانگنا
بے فائدہ کام ہے۔

جواب

در آیت مذکورہ اسماع منفی همانست کہ در ان
تُسمعُ الا من یؤمنُ بایاتنا ثبت
گشتہ و محصور و ظاہر است کہ محصور در

آیت مذکورہ میں جو اسماع منفی ہے اسی کو ان
تسمع کی آیت میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور
اثبات بطریق حصر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ

قرآن شریف میں یہ آیات اس طرح مذکور ہیں۔ انک لا تسمع الموتی و ما انت
بمسمع من فی القبور ان تسمع الا من یؤمن بایاتنا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

مؤمنین اسماع اجابت است نہ مطلق
 اسماع لعدم صحة الحصر
 يدل عليه قوله عليه السلام
 ما انتم باسمع لما اقول منهم
 غير انهم لا يستطيعون ان
 يرُدوا على شيئا. (اخرجه الشيخان)

جس اسماع کا اثبات مؤمنین کے لئے کیا گیا
 ہے وہ اسماع اجابت ہے نہ مطلق۔ اور اگر
 مطلق اسماع کی نفی کی جائے تو سنا نے کو من
 یؤمن بآیاتنا میں حصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔
 اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
 کہ تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ مگر وہ
 جواب نہیں دے سکتے۔ (بدور سفرہ للامام السیوطی)



(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان آیات پر جب غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسماع کی نفی کی گئی ہے۔
 موتی اور من فی القبور سے اور اثبات کیا گیا ہے بلکہ حصر کیا گیا ہے۔ من یؤمن بآیاتنا
 میں تو معلوم ہوا کہ جو اسماع منفی ہے وہی مثبت ہے اگرچہ اسماع کے متعلقین ہر دو جگہ مختلف ہیں مگر اسماع
 ایک ہی ہے۔ (مترجم)

۱۔ پس کفار سے نفی بھی اسماع اجابت کی ہوگی۔ پس اگر موتی اور من فی القبور سے ان کے حقیقی
 معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جو مردے حالت کفر میں مر گئے ہیں وہ اب آپ کی کلام کو سن کر
 اجابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دائر تکلیف سے نکل چکے ہیں۔ ان کا کفر اب زائل نہیں ہو سکتا۔ یعنی ان کو
 اب نفع نہیں ہو سکتا۔ پس اس لحاظ سے من یؤمن سے بھی مؤمن مردے مراد لیے جائیں گے۔ یعنی ان
 کو آپ کی کلام سننے سے نفع ہوتا ہے۔ اور اگر مرد موتی اور من فی القبور سے موتی قلب، دل کے مردے
 ہیں یعنی زندہ کافر جو اصرار کفر پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ کفار مصرین آپ کی کلام سن کر اجابت
 نہیں کریں گے۔ اور اسلام نہیں لائیں گے۔ ہاں جو مؤمن ایمان لانا چاہتے ہیں اور ایمان میں پختگی
 چاہتے ہیں وہ آپ کا کلام سن کر ضرور قبول کریں گے اور اگر مراد مطلق اسماع ہو تو اس کی نفی غیر ممکن ہے۔
 اس لئے کہ اگر کفار مصرین نے آپ کا کلام مبارک مطلقاً سنا ہی نہیں تو کفر کیسا۔ کفر کہتے ہیں انکار کو جب
 کوئی کلام ایک شخص سنا ہی نہیں تو وہ اس کا انکار کیسے کرے گا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دوسری
 صورت میں آیت شریف اس بحث سے خارج ہوگئی۔ اور پہلی صورت میں بھی اسماع نافع کی نفی ہوئی نہ
 اسماع مطلق کی۔ لہذا مخالف کا استدلال درست نہ ہوا۔ (مترجم)

ابن کثیر نے نوید (وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ
 مَنْ فِي الْقُبُورِ) ای کما لا
 يَنْتَفِعُ الْأَمْوَاتُ بَعْدَ مَوْتِهِمْ (الرحمہ
 نیز گفتہ قال تعالیٰ انک لا تسمع
 الموتیٰ ای لا تسمعہم شیئا
 ینفعہم) (الرحمہ ان قال) ان تسمع
 الامن یؤمن بآیاتنا فہم
 مسلمون۔ ای انما یتجیب
 لک من ہو سمیع بصیر
 السمع والبصر النافع فی
 القلب (الرحمہ در تفسیر کبیر نوشتہ) ثم قوله
 تعالیٰ ان اللہ یسمع من یشاء
 وما انت بمسمع من فی
 القبور^ط وفيہ احتمال معنیین
 الاول ان یکون المراد بیان
 کون الکفار بالنسبة الی
 سماعہم کلام النبی والوحی
 النازل علیہ دون حال الموتی
 فان اللہ یسمع الموتی والنبی
 لا یسمع من مات وقبر
 فالموتی سماعون من اللہ
 والکفار کالموتی لا یسمعون
 من النبی انتھی۔

علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں (وَمَا أَنْتَ
 بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ) کی تفسیر یہ
 ہے کہ جیسے مُردے مرنے کے بعد نفع نہیں اٹھا
 سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سماع نافع کی نفی
 ہے نہ مطلق سماع کی۔ نیز انہوں نے فرمایا
 ہے۔ قال تعالیٰ انک لا تسمع
 الموتیٰ یعنی آپ انہیں ایسی چیز نہیں سنا
 سکتے جو نفع دے۔ البتہ آپ ان لوگوں کو
 سناتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے
 ہیں۔ اور مسلمان ہیں یعنی تیری بات وہی
 مانیں گے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ (ثم قوله
 تعالیٰ ان اللہ یسمع من یشاء و مَا
 أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ) بے
 شک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور تو قبر
 والوں کو سنانے والا نہیں۔ اس میں دو احتمال
 ہیں۔ پہلا یہ کہ کافر لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کے کلام کی نسبت سے اور جو وحی آپ
 پر نازل ہوئی ہے اُس کی نسبت سے مُردوں
 سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ
 تعالیٰ مُردوں کو سنا سکتے ہیں۔ اور نبی علیہ
 الصلوٰۃ والسلام اُس شخص کو جو مر گیا اور دفن کیا
 گیا نہیں سنا سکتے۔ پس مُردے اللہ تعالیٰ سے
 سنتے ہیں اور کفار مثل مُردوں کے نبی علیہ

وفى الدر المنثور عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قوله انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القتلی یوم بدر ویقول هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقاً یا فلان بن فلان الم تکفر بربک الم تکذب نبیک الم تقطع رحمک فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما تقول قال ما انتم باسمع منهم لما اقول فانزل اللہ انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور انتھی موضع الحاجة بناء علی هذا مدلول آیت نفی السماع است نفی سمع فتدبر!

الصلوة والسلام سے نہیں سنتے۔ اور دُرّ منثور میں ابن عباسؓ سے روایت ہے اس آیت کی تفسیر میں انک لا تسمع الموتی الآیہ فرمایا ابن عباسؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن کافر مقتولین کے اوپر جا کھڑے ہوئے اور فرماتے رہے۔ آیا تم نے وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے تم سے کیا تھا سچا پایا۔ اے فلان ابن فلان کیا تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر نہیں کیا۔ اور کیا تو نے اپنے پیغمبر کی تکذیب نہیں کی۔ اور کیا تو نے اپنے رشتہ کو نہیں کاٹا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ سنتے ہیں جو آپؐ اُن کو فرما رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا انک لا تسمع الآیة ان تفسیر کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ آیت شریف میں نفی السماع کی ہے یعنی تو نہیں سُنوا سکتا سماع کی نفی نہیں کہ وہ خدا کے سنوانے سے بھی نہیں سنتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۔ منکرین سماع موتی جو کہ آیت انک لا تسمع الموتی سے تمسک پکڑتے ہیں۔ اس کے جواب میں بعض محققین کہتے ہیں کہ آیت میں واقع کلمہ موتی سے مراد (باقی بر صفحہ آئندہ)

۱۔ بعضے از محققین در جواب منکرین سماع موتی تمسک سے گیرند بآیت انک لا تسمع الموتی ونحوہ گفته کہ مراد از موتی میت بہوت قلبی (باقی بر صفحہ آئندہ)

باقی رہا یہ امر کہ حضرت صدیقہؓ نے سماع موتی کو بعید سمجھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ استبعاد محض عقلی ہے۔ پس حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اور درایت کو باوجود اُن کے قلب بدر کے موقع پر حاضر ہونے کے رد کرنا ممکن نہیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دراصل آپؓ نے **يَعْلَمُونَ** فرمایا تھا حضرت عمرؓ نے **يَسْمَعُونَ** سمجھ لیا۔ مگر اس حدیث کا دوسرا

☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حقیقی و عرفی میت نہیں ہیں بلکہ موتی سے مراد قلبی موت کا میت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔ کیا وہ شخص جو کہ قلبی موت سے مردہ تھا ہم نے اُس کو ہدایتِ اسلام سے زندہ کیا۔ اور اُس کو نورِ ایمان عطا کیا جس کی روشنی و برکت سے لوگوں میں چل پھر رہا ہے۔ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکا ہوا ہو جس سے وہ نکل نہیں سکتا۔ اور اگر موتِ حقیقی کا میت مراد ہو تب بھی آیت کا مفاد اسماع (سنانے) کی نفی ہے نہ سماع (سننے) کی اور بر تقدیر تسلیم عدم سماع سے مراد عدم اثر سماع ہے۔

(اُن کا سنانا اُن کو کوئی فائدہ نہیں دیتا) ۱۲

واستبعاد صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتی را محض عقلی است پس تردید روایت و درایت عمر رضی اللہ عنہ کہ حاضر واقعہ قلب بدر بود کردہ نئے تو اند۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا بجائے **يَسْمَعُونَ** در حدیث **يَعْلَمُونَ** گفته و قولہ **عليه السلام غيـر انهم لا يستطيعون ان يردوا على شيئا صاف دلالت مے کند بریں کہ موتے قلب بدر می شنیدند فرموده آں حضرت را صلی اللہ علیہ وسلم لیکن قادر نبودند بر**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) است كما قوله تعالى او **من كان ميتا فاحييناه وجعلنا له نورا يمشي به في الناس كمن مثله في الظلمات ليس بخارج منها نه میت حقیقی و عرفی و بر تقدیر تسلیم مفاد آیت نفی اسماع است نہ نفی سماع۔ ولو سلمنا پس مراد از عدم سماع عدم اثر سماع است۔**

رد جواب و نیز بودن موت غیر منافی للعلم كما
 قالت رضی اللہ عنہا رفع ے کند منافاة اورا
 براء سمع۔ در بوارق ے نویسد امام احمد وغیرہ
 از عائشہ رضی اللہ عنہا ہم آں حدیث روایت
 کردہ اند۔ ازیں جا صاف ظاہر ے شود کہ
 چوں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا در ان قصہ
 موجود نبود در اول استماع استبعادی کہ بنظر
 سرسری بر الفاظ قرآن بنخاطر عاطرش خطور
 کرد بر زبان آورد من بعد از اعیان صحابہ

جملہ غیر انہم النہی ے۔ اور یہ صاف
 دلالت کرتا ے کہ مولیٰ قلب بدر حضور پر نور
 صلی اللہ علیہ وسلم کافر مودہ سنتے تھے لیکن جواب
 دینے پر قادر نہ تھے۔ اس کا دوسرا جواب یہ
 ے کہ جب صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک
 موت منافی علم نہیں تو اس طرح موت منافی
 سماع کیسے ہو سکتی ے۔ کہ سماع بھی علم
 مسموعات کا نام ے۔ بوارق میں لکھا ے کہ
 مسند احمد میں یہی حدیث حضرت عائشہ نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود روایت کی
 ے۔ اس سے معلوم ہوتا ے کہ چوں کہ
 حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا قلب بدر کے
 واقعہ میں خود حاضر نہ تھیں اور قرآن شریف کی
 نظم مبارک پر سرسری نظر کرنے سے حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مدلول کو بعید
 خیال فرماتی تھیں اور اس کو اپنی خاطر عاطر میں
 رکھ کر اسی مضمون کو زبان مبارک پر لائیں۔

حاضرین ثابت شد آں را خودی روایت
فرمودہ تا مل استبعاد مخالف قرآن
برخاست۔ انتہی۔

لیکن بعد میں جب خواص صحابہؓ سے یہ روایت
مذکورہ ثابت ہو گئی تو اس روایت کو خود بیان فرمایا اور
تا مل کرنے سے قرآن اور حدیث میں معارضت و
مخالفت کا استبعاد دور ہو گیا۔



۱۔ و تائید سے بخشد رجوع اور ارضی اللہ تعالیٰ عنہا آں چه
روایت نمود شدہ است از و۔ قالت کنت ادخل
بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم وانی واضع ثوبی۔ و اقول
انما هو زوجی وابی۔ فلما دفن عمر
فوالله ما دخلته الا وانا مشدودة علی
ثیابی حیاء من عمر رواہ احمد والحاکم
وقال هذا حدیث صحیح علی شرطہما
ولم یخرجہ کذا فی شفاء الاستقام۔ شیخ
عبدالحق فرمودہ دریں حدیث دلیل واضح است بر حیات
میت و علم وے۔ و نیز حدیث صدیقہ رضی اللہ عنہا بوجہ عدم
حضور مرجوح است فیتترک وقال فی الاتقان
ان استرونہ الاسناد ان فی الصیحة
فیرجع احد ہما بکون روایة حاضر
القصة۔ و نیز مخالف است بارج قال فی شرح
نخبة للفکر فان خولف بارج منه لمزید
ضبط او کثرة عدد فالراجع یقال له
المحفوظ و مقابله وهو المرجوح یقال له
الشاذ و نیز یسمعون قوی الدلالة است از
لیعلمون و فی عمدة الاصول و یرجع
قوی الدلالة علی غیرہ ۱۲ منہ

۱۔ زیارتِ روضہ منورہ والی حدیث حضرت صدیقہؓ کے
استبعاد سے رجوع کی موید ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میں
زیارت کے لئے روضہ منورہ میں داخل ہوا کرتی تھی تو پر وہ دار
بڑی چادر کی ضرورت نہ سمجھ کر بغیر چادر کے جاتی رہی کہ یہاں
صرف میرے زوج اکرمؓ اور میرے والد بزرگوارؓ ہیں۔ جب
حضرت عمرؓ مدفون کیے گئے تو حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث
اپنے کپڑے خوب اوڑھ کر جاتی۔ امام احمد اور حاکم نے روایت
کر کے کہا کہ یہ روایت شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر ہے
گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ شفاء الاستقام میں اس
طرح مذکور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ
اس حدیث کی رو سے میت کی زندگی اور زائرین کے حال کا علم
ثابت ہوتا ہے اور نیز حضرت صدیقہؓ کی حدیث بوجہ نہ حاضر
ہونے واقعہ بدر کے مرجوح ہے۔ علامہ سیوطی نے اتقان میں
لکھا ہے اگر باہم متضاد حدیثوں کے اسناد صحت روایت میں
مساوی ہوں تو حاضر واقعہ راوی کی حدیث کو ترجیح ہوگی اور نیز
حضرت صدیقہؓ کی حدیث اس سے زیادہ راجح حدیث کے
مخالف ہے۔ شرح نخبة میں ہے اگر کسی حدیث کے مقابل
دوسری حدیث بوجہ مزید ضبط یا کثرت عدد کے راجح ہو تو
حدیث راجح کو محفوظ کہا جاتا ہے اور اس کے مخالف حدیث کو
شاذ کہا جاتا ہے اور نیز کلمہ لیسعون کلمہ لیسعون سے
قوی الدلالة ہے۔ عمدة الاصول میں ہے کہ حدیث قوی
الدلالة اپنی مقابل حدیث سے زیادہ راجح ہے۔

الحاصل ایں استبعاد صدیقہ رضی اللہ عنہا
مِثْل استبعاد است در معراج جسمانی کہ در
ہر دو جائے بسبب عدم حضور واقعہ و عدم
اتفاق تحقیق از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
محقق گشتہ والا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
روایت نمودے واللہ اعلم۔

الحاصل یہ استبعاد عائشہ صدیقہؓ کا اس استبعاد کی
مِثْل ہے جو معراج جسمی کے بارہ میں ہوا تھا
دونوں جگہ واقعہ میں حاضر اور موجود نہ ہونے
کے باعث اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
تحقیق کرنے کا اتفاق نہ ہونے کے باعث پہلے
تردد اور استبعاد ہوا اور پھر نہ تردد رہا نہ استبعاد رہا۔
اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عائشہ صدیقہؓ نے حضرت
عمرؓ کی روایت کو محض عقلی استبعاد کے باعث رد
کیا۔ اس کی قوی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ استبعاد نقلی
ہوتا تو وہ روایت جس کے باعث استبعاد ہوا تھا
آنحضرتؐ سے ضرور روایت کرتیں۔ واللہ اعلم۔

اسی لیے عائشہ صدیقہؓ کی روایت ان اعیان
صحابہؓ کے جَمِّ غَفِیر کی روایات کا مقابلہ نہیں کر
سکتی اور یہ حدیث اور اس کی امثال دوسری صحیح
احادیث کی وجہ لا تسمع کو مطلق عدم اسماع
پر حمل نہیں کر سکتی اور ان احادیث کو لا تسمع کے
مطلق عدم اسماع پر حمل کرنے سے قرینہ
صارفہ قرار دیا جائے گا۔ پھر بھی اجسام موتی
سے نفی ہے۔ نہ ارواح سے۔ سماع موتی کا
مسئلہ شیخ عبدالحق دہلوی کی تصنیفات میں
ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اور محقق ابن ہمام کی طرف
بھی لوگ نسبت کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک
بھی مردوں کا نہ سننا مختار ہے مگر فقیر کے
نزدیک

لہذا مقابلہ روایات جَمِّ غَفِیر از اعیان صحابہ
رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو اند نمود۔
وہمیں حدیث و مِثْل او از صحاح قرینہ صارفہ
است از حمل نمودن لا تسمع در حدیث عدم
مطلق اسماع مبالغہ و نیز مفاد آیت مذکورہ نفی
اسماع است از موتی و آں اجساد اند نہ
أرواح۔

مسئلہ سماع موتی را از تصنیفات شیخ
عبدالحق دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملاحظہ باید
فرمود۔ و آں چہ نسبت اختیار قول بعدم سماع
موتی بسوئے محقق ابن ہمام سے نمایند نزد

فقیر صحیح نیست آری محقق مذکور ایں قول را
منسوب بجانب اکثر مشائخ خود نموده بعد از
ذکر ایراد بر اں قول بحديث ما انتم
باسمع لما اقول منهم ونقل جواب
از و بقوله واجابوا جواب او شان
را تضعیف نموده حیث قال
ویشکل علیهم ما فی مسلم
ان المیت یسمع قرع نعالم
اذا انصرفوا اللهم الا ان
یخصوا ذلك باول الوضع
فی القبر مقدمة للسؤال جمعا
بینه وبين الآيتين (النج دریں عبارت
لفظ اجابوا. ویشکل علیهم.
اللهم الا ان یخصوا را غور باید نمود
وآں چہ فقہاء در باب ایمان ذکر نموده پس مبنی
است علی ما تقرر من ان بناء الایمان علی
العرف۔

یہ انتساب صحیح نہیں۔ ہاں محقق مذکور نے اس
قول کو اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔
اور پھر ان اکثر مشائخ کے اس قول پر ما انتم
باسمع لما اقول والی حدیث سے
اعتراض کیا ہے اور پھر ان مشائخ کا جواب نقل
کیا ہے جو انہوں نے اس حدیث کا دیا تھا اور
جواب کا لفظ اجابوا سے نقل کیا ہے اس کے
بعد ان کے جواب کو ضعیف قرار دیتے ہوئے
فرمایا ہے ویشکل علیهم ما فی
مسلم ان المیت یسمع (النج یعنی
میت دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ
بھی سنتا ہے جب وہ واپس ہوتے ہیں۔ ہاں
یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ بات قبر میں رکھنے کے
وقت نکیرین کے جواب کے لئے ہوتی ہے۔
تا کہ آیات واحادیث میں موافقت ہو جائے
محقق ابن ہمام کی اس عبارت میں تین لفظ
غور کے قابل ہیں۔ (۱) اجابوا۔

(۲) ویشکل علیهم۔ اللهم الا ان
(۳) یخصوا۔

اور وہ جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ باب ایمان
میں ذکر کرتے ہیں۔ چوں کہ یمین اور قسم کا
مدار عرف پر ہے لہذا عرف کا معاملہ اور ہے۔

الغرض نظر با حدیث مرویہ شیخین و مذکورہ
در بدورِ سافرہ للسیوطی و غیرہ تطبیق بین
الآیات والا حدیث ہما نست کہ بالا مذکور
شُدہ۔ واللہ اعلم۔

اور جب ہم ان احادیث پر نظر کرتے ہیں جو
شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں اور جو
علامہ سیوطی کے بدورِ سافرہ میں مذکور ہیں تو
آیات و احادیث میں تطبیق کی وہی صورت
ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوال

رفتن بر قبور برائے دعائے مغفرت للموتی
مسنون است نہ برائے استمداد و استعانت
از مردگان۔

قبور پر جانا جو مسنون ہے وہ جانا وہی ہے جس
سے غرض موتی کے لئے دعائے مغفرت ہو اور
اہل قبور سے استمداد اور مدد مانگنے کے لئے
جانا ہرگز مسنون نہیں۔

جواب

آرے مسنون ہما نست کہ گفتی لیکن بر عدم
جواز استعانت از ارواح کتمل دلیل شرعی ہم
قائم نہ شدہ و آیت و تعاونوا علی
البر والتقوی اجازت استعانت از
احیاء و اموات ہر دوئے بخشد۔ اما
الاستعانة عن الاحیاء فظاهر
واما عن الاموات فلان
الارواح احیاء والموت وزوال
الحیوة انما طرء علی البدن
نعم اثر الموت فی الارواح هو

ہاں مسنون وہی ہے جو تم نے کہا ہے لیکن
کاملین سے استعانت کرنا بھی شرعاً ثابت ہے
اور اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل
قائم نہیں ہوئی اور آیت مبارکہ و تعاونوا
علی البر والتقوی زندگان و مردگان
ہر دو سے استعانت کی اجازت بخشی ہے۔
زندوں سے استعانت کی اجازت تو بالکل
ظاہر ہے کہ مخالفین بھی اس کے منکر نہیں۔ باقی
رہے اموات تو یہ بھی ثابت ہے اس لیے کہ
ارواح زندہ ہیں۔ اور موت اور زندگی کا زوال

افتراقها عن الابدان وعوائق
المادة وهو موجب "لا زدياد
قوتها واستفادتها من المبدء
الفياض في بساط القرب عند
مليك مقتدر۔

قال مولانا ولي الله في حجة
الله البالغة اعلم انه قد
استفاض من الشرع ان الله
تعالى عبادهم افاضل
الملائكة ومقربوا الحضرة لا
يزالون يدعون لمن اصلاح
نفسه وهذبها وسعى في
اصلاح الناس فيكون دعائهم
ذلك سبباً لنزول البركات
عليه ويلعنون من عصى الله
وسعى في الفساد (الى ان
قال) وان لأرواح افاضل
الادميين دخولا فيهم ولحقوا
بهم كما قال الله تعالى يا
ايتها النفس المطمئنة ارجعي
الى ربك راضية مرضية
فادخلي في عبادي وادخلي

مخض بدن پر طاری ہوا ہے۔ ہاں موت کا اثر
أرواح پر یہ ہوتا ہے کہ وہ أرواح بدن سے جدا
ہو جاتی ہیں اور مادی موانع ان سے جدا ہو
جاتے ہیں۔ اور یہ چیز تو أرواح کی قوت کے
زیادہ ہونے اور مبداء فیاض سے استفادہ کے
کامل ہونے کا موجب ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا
ہے۔ جاننا چاہے کہ شرع میں یہ امر مستغنیض
اور مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو
افضل ترین فرشتے ہیں اور وہ درگاہ الہی کے
مقرب ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان
بندوں کے لئے دُعا میں مشغول رہتے ہیں جو
اپنے نفس کی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے نفس
کی تہذیب اور تصفیہ کرتے ہیں اور لوگوں کی
اصلاح میں سعی کرتے ہیں اور ان ملائکہ کی دُعا
کے سبب ان بندوں پر برکات کا نزول ہوتا
ہے کہ وہ اس کا سبب ہے اور ان کا یہ بھی کام
ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور فساد کی
کوشش کرتے ہیں ان پر ہمیشہ لعنت کرتے
ہیں اور شاہ صاحب نے یہاں تک فرمایا کہ
انسانوں میں سے جو زیادہ فضیلت رکھتے ہیں
ان کے ارواح بھی ان ملائکہ میں داخل ہو
جاتے ہیں اور ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور

جنتی^ط وقال رسول الله
صلى الله عليه وسلم رأيت
جعفر ابن ابي طالب ملكا
يطير في الجنة مع الملائكة
بجناحين. انتهى.

انہی کے لئے کام کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے ("اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے
پروردگار کی طرف خوش ہوتا ہوا خوش کیا گیا۔
پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور
میری جنت میں داخل ہو جا") فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا میں نے جعفر بن
ابی طالب کو فرشتہ کی صورت میں جو ملائکہ کے
ساتھ جنت میں دو پروں سے اڑ رہا ہے۔
انتہی۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جب
انسان پر موت طاری ہوتی ہے تو اُس کی نسمة
(روح) کی دوبارہ نشوونما اور پرورش ہوتی
ہے اور روح الہی کا فیضان اُس کی باقی ماندہ
جس مشترک میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جو
عالم مثال کی مدد سے سمع، بصر اور کلام کے لئے
کافی ہوتی ہے۔

اسی حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ جب صالح آدمی
مر جاتا ہے تو اس کے جسمانی تعلقات منقطع ہو
جاتے ہیں اور اپنے مزاج پر لوٹ آتا ہے اور
ملائکہ کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے اور انہی میں
سے ہو جاتا ہے اور انہی ملائکہ کی طرح الہام کیا
جاتا ہے اور جن امور میں ملائکہ سعی اور کوشش
کرتے ہیں وہ بھی انہی امور میں سعی کرتا ہے

(وایضاً قال فیہ) واذا مات
الانسان كان للنسمة نشوة
أخرى فينشى فيض الروح
الالهي فيها قوة فيما بقي من
الحس المشترك تكفي
كفاية السمع والبصر والكلام
بمدد من عالم المثال۔

(وایضاً فیہ) فاذا مات
انقطعت العلاقات ورجع الى
مزاجه فيلحق بالملائكة
وصار منهم والهم كالها مهم
وسعى فيما يسعون وربما
اشتغل هؤلاء باعلاء كلمة الله
ونصر حزب الله وربما كان

اور بسا اوقات یہ صالحین اعلاء کلمۃ اللہ میں مشغول ہوتے ہیں اور حزب اللہ کی نصرت کرتے ہیں اور کبھی ابن آدم کے دل میں خیر کا لقاء کرتے ہیں اور بعض ان میں سے کبھی صورتہ جسمانیہ کا اشتیاق کرتے ہیں اور ان کو ایک نور جسمانی عطا کیا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات بعض ان میں سے غذا کا شوق ظاہر کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے۔

اور اسی حجتہ اللہ البالغہ میں ہے۔ ملائکہ اور نفوس جو علائق جسمانیہ سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ جو اصلاح نظام وغیرہ پیدا کرتا ہے وہ منقش ہو جاتا ہے تو ان (ملائکہ اور نفوس) کے مرضیات اس نظام کے مطابق منقلب ہو جاتے ہیں اور جب انسان میں صفت عدالت متمکن ہو جاتی ہے تو اس کے اور ان ملائکہ کے درمیان جو حاملین عرش ہیں اور درگاہ الہی کے مقرب ہیں اور بخشش و برکات کے نزول کے وسائط ہیں ایک قسم کا اشتراک پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نفس انسانی بھی انہیں ملائکہ کے رنگ میں رنگا

لهم لمة خير بابن آدم وربما
اشتہی بعضهم الى صورة
جسدية اشتيا قاشديداً ناشئاً
من اصل جبلته ففرع ذلك
بابا من المثال واختلطت به
قوة منه بالنسمة الهوائية
وصار كالجسد النوراني
وربما اشتاق به بعضهم الى
مطعموم ونحوه فأؤد فيما
اشتہی قضاء لشوقها۔

(روفيہ ايضاً) الملائكة
والنفوس المجردة من
العلائق الجسمانية ينطبع
فيها ما اراد الله من خلق
العالم من اصلاح النظام
ونحوه فتقلب مرضياتها الى
ما يناسب ذلك النظام (الى
ان قال) واذا تمكنت العدالة
من الانسان وقع اشتراك
بينه وبين حملة العرش و
مقربي الحضرة من الملائكة
الذين هم وسائط نزول الجود
والبركات و كان ذلك بابا

جاتا ہے انہیں کی طرح الہام وغیرہ پر قادر ہو جاتا ہے۔

مفتوحاً بينه وبينهم ومعداً
لنزول الوائهم وصبغهم
بمنزلة تمكين النفس من
الهام الملكة والانبعاث
حسبها۔

اور اسی حجتہ اللہ البالغہ میں ہے رُوح جب جسم سے جدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ حس اور ادراک بالْحِسِّ الْمَشْتَرِكِ پر باقی رہتا ہے اور علوم یا ظنون جو حیاتِ دُنیا میں اس کے ساتھ تھے وہ بھی باقی رہتے ہیں اور اُوپر سے اس پر علوم مترشح ہوتے ہیں جو عذاب اور تنعیم کا موجب بنتے ہیں اور صالحین عباد اللہ کی ہمتیں خطیرۃ القدس تک بلند ہو جاتی ہیں۔

(وفيه ايضاً) وايضاً ان الروح
اذ افارقت الجسد بقيت
حساسة مدركة بالحس
المشترك وغيره وبقيت
على علومها وظنونها التي
كانت معه في الحيوة الدنيا و
يترشح اليها من فوقها علوم
يعذب لها او ينعم وهم
الصالحين من عباد الله
ترتقى الي خطيرة القدس۔
انتهى۔

فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے پھر یہاں سات مرتد ہیں جنکو ابدال کہا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اقلیم سبعہ کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ہر ایک بدل کے لئے ایک خاص اقلیم ہے اور سموات سبع کے رُوحانیت بھی انہیں کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ اور سات آسمانوں میں جو انبیاء

قال الشيخ رضى الله تعالى
عنه في الفتوحات وهذا
الامام هو الذي اعلم اصحابه
ان ثم رجالا سبعة يقال لهذا
الابدال يحفظ الله بهم
الاقاليم السبعة لكل بدل
اقليم واليهم تنظر روحانيات

السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَلِكُلِّ
شَخْصٍ مِنْهُمْ قُوَّةٌ مِنْ
رُوحَانِيَّاتِ الْأَنْبِيَاءِ الْكَائِنِينَ
فِي هَذِهِ السَّمَوَاتِ وَهُمْ إِبْرَاهِيمُ
الْخَلِيلُ يَلِيهِ مُوسَى يَلِيهِ
هَارُونَ يَتْلُوهُ آدِرِيسُ يَتْلُوهُ
يُوسُفُ يَتْلُوهُ عِيسَى يَتْلُوهُ
آدَمُ سَلَامُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ
أَجْمَعِينَ-

وَأَمَّا يَحْيَىٰ فَلَئِنْ تَرَدَّدَ بَيْنَ
عِيسَىٰ وَبَيْنَ هَارُونَ فَيَنْزِلُ
عَلَىٰ قُلُوبِ هَؤُلَاءِ الْأَبْدَالِ
السَّبْعَةِ مِنْ حَقَائِقِ هَؤُلَاءِ
الْأَنْبِيَاءِ، (لَمْ قَالَ بَعِيدٌ هَذَا)
وَأَمَّا الْقُطْبُ الْوَاحِدُ فَهُوَ رُوحُ
مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَهُوَ الْمُمَدُّ لِجَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ
وَالْأَقْطَابُ مِنَ النَّشْءِ
الْإِنْسَانِيِّ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ قِيلَ
لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَى
كُنْتَ نَبِيًّا فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ
وَالطَّيْنِ (أَلَىٰ أَنْ قَالَ) وَلِهَذَا
الرُّوحُ الْمُحَمَّدِيُّ مَظَاهِرُ فِي

علیہا السلام سکونت فرما ہیں ان کے رُوحانیات
سے ہر ایک بدل کو قوت پہنچتی ہے اور وہ انبیاء
علیہم السلام ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں ان
کے متصل نیچے موسیٰ علیہ السلام اُن کے بعد
ہارون علیہ السلام اس کے بعد ادریس علیہ
السلام اس کے بعد یوسف علیہ السلام اس
کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس کے بعد آدم علیہ
السلام ہیں۔

اور یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور ہارون
علیہ السلام کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں۔
پس ان ابدالِ سب سے کے قلوب پر ان انبیاء علیہم
السلام کے حقائق نازل ہوتے ہیں۔ پھر اس
کے بعد فرماتے ہیں۔ اور قطب جو ایک ہے
سب عالم کے لیے وہ رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہے اور آپ ہی تمام انبیاء اور رُسل کی امداد
فرماتے ہیں۔ اور نوعِ انسانی سے قیامت تک
جو قطب ہوں گے ان کی امداد بھی وہی فرماتے
ہیں۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ
کس وقت نبی ہوئے فرمایا آدم ابھی پانی اور
کیچڑ کے درمیان تھے اور اس رُوحِ محمدی کے
عالم میں بہت مظاہر ہیں اور اکمل مظہر آپ کا
ایک قطب زمان ہے اور دوسرے افراد ہیں

العالم واكمل مظهره في
قطب الزمان وفي الافراد
في ختم الولاية المحمدى
وختم الولاية العامة الذي هو
عيسى عليه السلام وهو
المعبر عنه بمسكنه انتهى.

الحاصل ما بين اصنام و ارواح كمثل فرقيست
بين و امتياز يست باهر پس آيات وارده في
حق الاصنام را بر انبياء و اولياء صلوة الله و
سلام عليهم اجمعين حمل نمودن كما في تقوية
الايمان تحريفى است قبيح و تحريفى است شنيع

اور تیسرا ولایت محمدی کا خاتم ہے اور چوتھا
مطلق ولایت کا خاتم ہے جو عیسیٰ علیہ السلام
ہیں اور اس کو آپ کا مسکن بھی کہتے ہیں۔

اب ہم اس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں
کہ قبروں پر جانا میت کے لئے دُعا و سلام کی
غرض سے مسنون ہے۔ بے شک آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا قبور پر تشریف لے جانا اسی
غرض کے لئے تھا۔ اس لیے کہ آپ کے
منصب عالی کا مقتضی یہی ہے اس واسطے کہ اس
محل وقوع پر استمداد اور دُعا طلبی مردگان سے
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے متصور نہیں
ہو سکتی اور نہ ہی آپ کا تو تسل متصور ہے کہ
آپ سب سے افضل ہیں بخلاف امت
مرحومہ کے کہ اس امت کے طالح اور گنہگار
صالحین اور نیکوکاروں سے استمداد و تسل
کر سکتے ہیں۔ پس بتوں کی آیات کو انبیاء و
اولیاء پر حمل کرنا یہ قرآن مجید کی تحریف ہے اور
دین کی بہت بڑی تحریب ہے جیسا کہ تقویۃ
الايمان کی عبارتوں میں ظاہر ہے۔

☆☆☆☆☆☆

یہاں تک حضرت مؤلف نے اس بات کو ثابت فرمایا کہ جس طرح عالم ظاہر میں سلسلہ
اسباب ہے اسی طرح عالم غیب میں بھی کچھ باطنی اسباب ہیں جو باذن الہی مؤثر ہیں۔ لہذا اگر
ان باطنی اسباب سے کسی کو خصوصی مناسبت ہو تو انہیں استعمال کرنا شرک ہے نہ حرام۔ ۱۲ مترجم

امام غزالی فرماتے ہیں جس شخص سے زندگی میں مدد طلب کی جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مانگی جا سکتی ہے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک دُعا کے قبول کے لئے تریاق مجرب ہے۔ الحاصل یہ معنی اہل کشف و شہود سے پوچھنے چاہئیں کہ کس قدر فیوض اور فوائد کا ملین کے ارواح سے حاصل کیے ہیں اور اسی لیے ان کو اویسی کہتے ہیں۔



سوال

ہم مانتے ہیں کہ اصنام اور ارواح کا ملین کے درمیان فرق واضح ہے لیکن ارواح کا ملین کو اپنے بُلانے والوں کی نداء اور استمداد پر نزدیک اور دُور سے اطلاع کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر ایسی اطلاع مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ ارواح کا ملین کو علم غیب ہو۔ حالانکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ اور اگر غیر حق کے لئے علم غیب مان لیا جائے تو یہ آیات قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فرمادے تجھے جو زمین و آسمان میں ہیں غیب نہیں جانتے ہاں خدا جانتا ہے اور مخلوق کو یہ خبر بھی نہیں کہ کب زندہ کیے جائیں

حجۃ الاسلام امام غزالی فرمودہ ہر کہ استمداد کردہ مے شود یوے در حیات استمداد کردہ مے شود یوے بعد از وفات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب است دُعا را با جملہ ایں معنی را از اہل کشف و شہود باید پرسید کہ چہا فیوض و فوائد از ارواح کتمل گرفتہ اند و ہمیں جہت او شاں را اویسیاں مے گویند۔

سَمْنَا کہ فرقیست بین و ظاہر مابین اصنام و ارواح کاملہ لکن اطلاع او شاں بر دعوت مستعینان و مستمدان از اقصی و اوانی موجب ثبوت علم غیب است برائے غیر حق سبحانہ و تعالیٰ۔ وہو خلاف مانطقت بہ النصوص قال اللہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون وقال ایضاً۔ وعنده مفاتح

الغيب لا يعلمها الا هو.
والآيات في هذا كثيرة“۔

گے۔ نیز ارشاد الہی ہے ”خدا ہی کے پاس
ہیں غیب کی چابیاں جنہیں اس کے سوا کوئی
نہیں جانتا“۔ ”اپنے غیب پر اللہ تعالیٰ کسی کو
مطلع نہیں کرتا۔ مگر جسے برگزیدہ فرمائے
رسولوں سے“ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی
آیات ہیں۔

جواب

پہلے غیب کے معنی بتائے جاتے ہیں۔ غیب
نام ہے اس چیز کا جو حواس ظاہرہ و باطنہ کے
ادراک اور علم بدیہی اور استدلالی سے غائب
ہو اور یہ علم حضرت حق سبحانہ کے ساتھ مختص ہے
جو کہ ان آیات میں مراد ہے۔ پس اگر اس علم
غیب کا کوئی مدعی ہو اپنے نفس کے لئے یا کسی
غیر کے اس قسم کے دعوے کی تصدیق کرے تو
وہ کافر ہے مگر جو خبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دیتے
ہیں۔ وہ یا تو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ
تعالیٰ اس کا علم ضروری نبی کے اندر پیدا فرما
دیتے ہیں یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف
فرما دیتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں۔ اللہ
تعالیٰ کے اعلام اور جنوانے سے بتائی ہیں۔
ان آیات کے منافی نہیں جو دلالت کرتی ہیں
کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب نہیں
جانتے۔ اس لیے کہ آپ سے منفی وہ علم غیب

غیب نام چیز است کہ از ادراک حواس ظاہرہ
و باطنہ و علم ضروری و علم استدلالی غائب باشد
و او مخصوص است بحق سبحانہ و تعالیٰ کمافی
المنصوص پس کسے کہ دعویٰ نماید اور ابرائے
خود کافر است و یکنہیں مصدق آں۔ اما خبر نبی
از جہت بودن او مستفاد از وحی و از پیدا
نمودن حق سبحانہ و تعالیٰ علم ضروری در و از
انکشاف حوادث بر حواس او پس نیست داخل
در علم غیب۔ قال تعالیٰ لا یظہر علی
غیبہ احد الا من ارتضیٰ من
رسول۔ فکل ما اخبر بہ صلی
اللہ علیہ وسلم من الغیب
لیس هو الا عن اعلام اللہ
تعالیٰ فلا ینافی الآیات
الدالة علی انه لا یعلم الغیب
لان المنفی علمہ من غیر

واسطۃ قال فی الموابہ وقد
 اشتهر ونشر امرہ بین
 اصحابہ بالاطلاع علی
 الغیوب حتی ان کان بعضهم
 یقول لصاحبہ اسکت فراللہ
 لو لم یکن عنده من یخبرہ
 لاخبرته حجارة البطحاء در تفسیر
 عزیز زی نوشتہ غیب نام چیزے است کہ از
 ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غیب باشد نہ
 حاضر بلہ مشاہدہ و وجدان دریافت شود و
 اسباب و علامات آں نیز در عقل و فکر در نیاید
 تابداہت و استدلال دریافتہ شود و ایں غیب
 مختلف ے باشد پیش کور مادر زاد عالم الوان
 غیب است و عالم اصوات و نعمات و الحان
 شہادت و پیش عنین لذت جماع غیب
 است و پیش فرشتہ ہا الم گرنگی و تشنگی غیب
 است و دوزخ و بہشت شہادت و لہذا ایں
 قسم را غیب اضافی گویند و آں چہ نسبت بہ
 ہمہ مخلوقات غائب است غیب مطلق است
 مثل آمدن قیامت و احکام کونیہ و شرعیہ باری
 تعالیٰ و ہر روز و در ہر شریعت و مثل حقائق
 ذات و صفات او تعالیٰ علی سبیل التفصیل و
 ایں قسم را غیب خاص او تعالیٰ شانہ نامند

ہے جو بلا واسطہ ہو۔ موابہ لذتیہ میں ہے کہ
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ در بارہ اطلاع
 غیوب صحابہ کرام میں اس قدر مشہور تھا اور اس
 قدر عقیدہ پھیلا ہوا تھا کہ بعض صحابہ اپنے
 ہمراہی کو کہتے کہ چپ کر جا اور کوئی بات نہ
 کہہ۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر آپ کے پاس کوئی
 خبر دینے والا نہ بھی گیا تو آپ کو بطحاء کے پتھر
 خردے دیں گے۔ تفسیر عزیز زی میں لکھا ہے
 کہ غیب اُس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ اور
 باطنہ کے ادراک سے غائب ہونہ حاضر اگر
 حاضر ہوگی تو مشاہدہ اور وجدان سے معلوم ہو
 جائے گی اور اس کے اسباب اور علامات بھی
 عقل و فکر میں نہ آئیں تا کہ بداہت اور
 استدلال سے معلوم ہو اور یہ غیب مختلف ہوتا
 ہے۔ مادر زاد اندھے کے سامنے رنگ کا جہان
 غیب ہے اور آواز و نغمے اور سُرور کا عالم
 شہادت ہے اور نامرد کے لئے جماع کی لذت
 غیب ہے۔ اور فرشتوں کے لئے بھوک اور
 پیاس کی تکلیف غیب ہے۔ دوزخ اور بہشت
 شہادت ہیں اور اسی وجہ سے اس قسم کو غیب
 اضافی کہتے ہیں اور وہ چیز جو تمام مخلوقات کی
 نسبت غائب ہے۔ وہ غیب مطلق ہے جیسا
 قیامت کے آنے کا وقت اور اللہ تعالیٰ کے

فلایظہر علیٰ غیبہ احدا۔ پس
مطلع نے کند برغیب خاص خود ہیج کس
را بوجہ کہ رفع تلبیس و اشتباہ و خطابہ کلی
دراں اطلاع حاصل شود و احتمال خطا و اشتباہ
اصلاً نماند و ہمیں اطلاع دادن کذائی ست
کہ او اظہار شخص برغیب تو ان گفت۔ الی
آخرہ۔

احکام کونیہ جو ہر روز صادر ہوتے ہیں اور جیسا
کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے تفصیلی
حقائق اس قسم کو غیب خاص اللہ تعالیٰ کا کہتے
ہیں یعنی اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں
فرماتے۔ اس قسم کی اطلاع کہ تلبیس اور اشتباہ
اور خطا کا بالکل اس اطلاع میں رفع ہو۔ خطا
اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور اس قسم کی
اطلاع کو اظہار شخص برغیب کہہ سکتے ہیں۔

صاحب کشاف نے اپنے مذہب اعتزال کی
بناء پر جو اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ وفی
هذا ابطال الکرامات الخ (اس آیت
میں کرامات کا ابطال ہے۔ اس لیے کہ جن
لوگوں کی طرف کرامات منسوب کی جاتی ہے
اگرچہ وہ پسندیدہ اولیاء ہیں مگر رسول نہیں) مگر
باوجود دانشمندی کے دعوے کے یہ کلام اس
سے بعید واقع ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت
اس اطلاع برغیب غیر انبیاء سے نفی کرتی ہے
جس اطلاع میں تلبیس اور اشتباہ بالکل نہ ہو
اور مطلق اطلاع برغیب کی غیر انبیاء سے نفی
نہیں کرتی چہ جائے کہ اطلاع غیب کے سوا
دوسری کرامات کو بھی باطل کرے۔ تفسیر میں
گزر چکا ہے کہ اطلاع شخص برغیب اور چیز
ہے اور اظہار غیب بر شخص اور چیز ہے۔ ایک کی

ما قال صاحب کشاف بناء بر مذہب
اعتزال خود در تحت این آیت نوشتہ وفی
هذا ابطال الکرامات لان
الذین یضاف الیہم وان کانوا
اولیاء مرتضین فلیسوا برسول
آہ۔ لکن باوجود ادعائے دانشمندی این
حرف ازو بسیار بعید واقع شدہ زیران کہ
این آیت نفی اطلاع برغیب بوجہ کہ رفع
تلبیس و اشتباہ بگلی دراں حاصل باشد از
غیر رسولان مے کند نہ نفی اطلاع برغیب
مطلقاً چہ جائے آں کہ کرامات دیگر را ابطال
نماید و در تفسیر گذشت کہ اظہار شخص برغیب
چیزے دیگر و اظہار غیب بر شخص چیزے دیگر
از نفی آن نفی این لازم نئے آید و اولیاء را
اگرچہ اظہار برغیب حاصل نیست اما اظہار

غیب بر ایشان جائز واقع است (لحم و ہم
 در اں مقام نوشته و بعضی از ایشان گفته اند کہ
 حصر بملاحظہ قید اصالت است یعنی
 بالاصالت اطلاع بر غیب خاصہ پیغمبران
 است و اولیاء را اطلاع بر غیب بطریق
 وراثت و تبعیت حاصل مے شود۔ و ایضاً فیہ۔
 و بعضی از قدماء مفسرین اہل سنت گفته اند کہ
 مراد از غیب لوح محفوظ است و اطلاع بر لوح
 ہیچ کس را سوائے پیغمبران حاصل نمے شود و
 لیکن در کلام خلل است زیرا کہ اول اطلاع
 بر لوح محفوظ بمعنی مطالعہ آل لوح و نقوش
 بطریق صحیح مروی نیست کہ پیغمبر را بودہ باشد
 بلکہ از اخبار صحیحہ اختصاص ایں امر حضرت
 اسرائیل است و اوشاں رسول نیستند۔

دوئم ایں کہ مراد از اطلاع بر لوح اطلاع بر
 موجودات نفس الامر یہ است کہ قبل از ظہور
 آن موجودات در خارج حاصل شود گو
 بمطالعہ نقش لوح باشد یا بے مطالعہ زیرا کہ
 مراد از اطلاع بر کتاب اطلاع بر مضامین
 مرقومہ در ان کتاب مے شود نہ دیدن نقوش و

نفی سے دوسری کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور اولیاء
 کو اگر چہ اظہار شخص بر غیب حاصل نہیں لیکن
 اظہار غیب بر شخص جائز ہے اور واقع ہے اور
 اس مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے
 کہا ہے کہ قید اصالت کا لحاظ کرتے ہوئے
 حصر ہے یعنی بالاصالت اطلاع غیب پر پیغمبروں
 کا خاصہ ہے اور اولیاء کو غیب پر اطلاع وراثت
 اور تبعیت کے طور پر حاصل ہے۔ یعنی اولیاء کو
 اطلاع بوساطت انبیاء حاصل ہوتی ہے۔ نیز
 اس تفسیر میں یہ بھی ہے کہ بعض اہل سنت کے
 قدماء مفسرین نے کہا ہے کہ غیب سے مراد لوح
 محفوظ پر اطلاع اس معنی سے کہ لوح محفوظ اور
 اس کے نقوش منقوشہ کا مطالعہ ہو۔ یہ امر کسی صحیح
 روایت سے کسی نبی کے لئے ثابت نہیں۔ بلکہ
 اخبار صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرت
 اسرائیل علیہ السلام کے ساتھ مختص ہے اور وہ
 رسول نہیں۔

ثانیاً اس لیے کہ اطلاع لوح محفوظ سے مراد یہ
 ہے کہ جو چیزیں نفس الامر میں موجود ہیں ان
 کے عالم مظاہر میں موجود ہونے سے پہلے ان
 موجودات واقعہ کی اطلاع ہو جاتی ہے اس
 لیے کہ کسی کتاب کے مطالعہ کے یہی معنی ہیں
 کہ اس کے مضامین پر اطلاع، جو اس میں

اِس معنی اولیاءِ رانیز حاصل مے گردو۔ پس
دیدن و ندیدن برابر شد۔

درج ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مطالعہ نقوش سے
یہ اطلاع ہو اور یہ معنی اولیاء اللہ کو حاصل ہیں۔
پس لوح محفوظ کے نقوش کا دیکھنا اور نہ دیکھنا
برابر ہوا۔

سوئم آں کہ اطلاع بر لوح محفوظ بمطالعہ و
دیدن نقوش ہم از بعضے اولیاء اللہ بتواتر
منقول است پس اختصاص و تصریح نخواهد
شد۔ انتہی۔

ثالثاً۔ اس لیے کہ لوح محفوظ پر اطلاع بذریعہ
اس کے نقوش کے مطالعہ اور دیکھنے کی بھی بعض
اولیاء اللہ سے متواتر منقول ہے پس اختصاص
اور تصریح نہ ہوگا۔ انتہی۔

وہم چہیں خبر ولی کہ استفاد است از نبی
یا رویاء صالحہ یا نظر در لوح محفوظ یا الہام
الہی۔ اخرج البخاری عن عمر
قال قام فینا النبی صلی اللہ
علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن
بدء الخلق حتی ادخل اهل
الجنة منازلہم و اهل النار
منازلہم و فی المتفق علیہ
عن حذیفہ رضی اللہ عنہا
قال لقد خطبنا النبی صلی
اللہ علیہ وسلم خطبۃ ما
ترک فیہا شیئا الی قیام
الساعة۔ الحدیث۔

اور اسی طرح خبر ولی کی جو حاصل ہو نبی سے یا
سچی خواب سے یا لوح محفوظ میں نظر کرنے
سے یا الہام الہی سے (یہ خبر ان تمام طریقوں
سے جائز اور واقع ہے پس اطلاع ان کی غیب
پر ثابت ہو گئی) امام بخاری نے حضرت عمرؓ
سے اخراج کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے ایک دفعہ خطبہ دیا۔ پس ابتداء خلق
سے خبر دینا شروع فرمایا تا آں کہ اہل جنت کو
ان کے منازل میں داخل کیا اور اہل نار کو ان
کے منازل میں داخل کیا حضرت حذیفہؓ سے
متفق علیہ حدیث ہے خدا کی قسم آں حضرت
نے ہمارے سامنے ایک ایسا خطبہ دیا جسے
قیامت تک کی کسی چیز کو نہ چھوڑا بلکہ سب کو ذکر
کر ڈالا۔

واخرج الطبرانی عن ابن عمر
قال قال رسول الله عليه
وسلم ان الله رفع لي الدنيا
فانا انظر اليها والى ما هو
كائن فيها الى يوم القيمة
كانما انظر الى كفى هذا. قال
الزرقاني قوله عليه السلام
قد رفع اى اظهر و كشف لي
بحيث احطت بما فيها وفي
المسلم عن عمر بن الخطاب
في حديث طويل فاخبرنا بما
كان وبما هو كائن فاعلمنا
احفظنا. وفي المشكوة في
حديث طويل فعلت ما في
السنوت والارض. وفي فتح
العزیز تحت قوله تعالى
ويكون الرسول عليكم
شهيدا. يعنى و باشد رسول شما بر شا گواه
زیرا کہ او مطلع است بؤرنوت بر رتبہ ہر
متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من
رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ
بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است
پس اوے شناسد گناہان شمار او درجات

اور طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
حدیث اخراج کی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے
سامنے ظاہر کر دی ہے پس میں اس کی طرف
دیکھ رہا ہوں۔ اور جو کچھ اس میں قیامت تک
ہونے والا ہے اس کی طرف بھی دیکھ رہا ہوں
جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں۔
زرقانی نے فرمایا ہے کہ رفع سے اظہار اور
کشف مراد ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے۔ اس کا
میں نے احاطہ کر لیا ہے اور مسلم میں عمر بن
الخطب سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے
پس خبر دی آپ نے ہم کو ہر اس چیز سے جو ہو
چکی ہے اور ہو رہی ہے اور ہوگی۔ پس ہم سے
زیادہ عالم وہ ہے جو زیادہ حافظ ہے۔ اور مشکوٰۃ
شریف میں ایک طویل حدیث کے اندر یہ
جملہ ہے پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمانوں
اور زمینوں میں ہے۔ اور تفسیر عزیزی میں
ويكون الرسول الخ کی تفسیر میں فرمایا
ہے۔ اور ہوگا تمہارا رسول تم پر گواہ۔ اس لیے
کہ وہ مطلع ہے بؤرنوت سے اپنے دین کے ہر
متدین کے رتبہ پر کہ میرے دین کے کسی
درجہ پر پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت
کیا ہے۔ اور جس سبب کے باعث وہ ترقی

ایمان شمار و اخلاص و نفاق شمارا اتھلی بقدر
الحاجۃ قال العلامة الخطیب فی المواہب اذ
لا فرق بین موتہ و حیاتہ فی
مشاہدتہ لا متہ و معرفتہ
باحوالہم و نیاتہم و عزائمہم
و خواطرہم و ذالک عندہ
جلی " لا خفاء بہ للرحم

سے روکا گیا وہ کیا ہے۔ پس آں حضرت
پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو اور تمہارے
ایمان کے درجات کو اور تمہارے تمام نیک و بد
اعمال کو تمہارے اخلاص اور نفاق کو اور مواہب
لذنیہ میں علامہ خطیب نے لکھا ہے کہ آپ کی
موت اور حیات کے درمیان اس بارہ میں کوئی
فرق نہیں کہ آپ اپنی امت کا مشاہدہ فرما رہے
ہیں۔ اور ان (امت کے احوال، نیات، عزائم
اور جو خیال ان کے دل میں آتے جاتے ہیں
ان سب کی معرفت آپ کو حاصل ہے اور یہ
امر آپ کی نزدیک بالکل ظاہر ہیں اور اس میں
انخفاء اور پوشیدگی نہیں۔

اور علی قاری نے شرح شفاء میں لکھا ہے کہ آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تمام
مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے یعنی ان
کے احوال پر مطلع ہے (نبراس شرح عقائد)
لہذا جو شخص حبیب ازلی اور شاہد لم یزلی کو انما
انا بشر مثلکم للرحم بے شک میں تمہاری
طرح بشر ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے
ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا اور میں

وقال علی القاری فی شرحہ
لشفاء ان روح النبی صلی
اللہ علیہ وسلم حاضر فی
جميع بیوت المسلمین للرحم
(حاشیہ نبراس) پس کہ جب
ازلی و شاہد لم یزلی را صلی اللہ علیہ وسلم نظر بہ
انما انا بشر " مثلکم۔ وما ادری
ما یفعل بی ولا بکم و قل انی

☆☆☆☆☆☆☆☆

لعل المراد بالحضور ل شاید حضور سے مراد ان کے احوال
ہو الاطلاع علی احوالہم۔ امنہ
پر اطلاع ہے۔

لا املك لكم ضرا ولا رشدا
 ونظارها مثل سائر نبی نوع می داند ضال
 است و مضل و نئے فہم کہ بعد از مثلکم
 یوحى الی چه قدر امتیازے پیدا نمودہ۔
 ولا ادرى ولا املك بالنظر الی نفسہ
 است لا بالنظر الی الایحاء والاعلام الالہی و
 تملیکہ آرے علم رسول بشری یا ملکی را مساوی
 علم الہی دانستن و فقط در بالذات و بالواسطہ
 متمیز انگاشتن بعید است از صواب قال اللہ
 تالی ولا یحیطون بشیء من
 علمہ الا بما شاء وامیر المؤمنین عمر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیدہ بود لشکر خود در نہاوند کہ
 علی الاکثر بمسافت پنج صد فرسنگ است از
 مدینہ طیبہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و طول او
 ہشتاد و سہ (۸۳) درجہ و عرض اوسی و چہار
 (۳۴) است کمانی الزنج در حالیکہ یو در رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ بر منبر در مدینہ منورہ زاد ہا اللہ
 شرفا و تکریماً بیوم جمعہ و فرمود در خطبہ یا
 ساریۃ الجبل الجبل در حق امیر
 لشکر کہ ساریہ نام داشت و سوال کرد از و
 عبدالرحمن بن عوف از کیفیت آن مقولہ
 فرمودہ مشرکین را مے بینم کہ برادران مارا
 ہزیمت دادہ اند و پس و پیش

تمہارے لیے کسی نقصان اور ہدایت کا مالک
 نہیں۔ اور اس کے نظائر و امثال پر نظر کر کے
 تمام انسانوں کے برابر خیال کرے اور عقیدہ
 رکھے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ
 اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ مثلکم کے بعد
 یوحى الی نے کس قدر امتیاز پیدا کر دیا
 ہے۔ لا ادرى اور لا املك کا مطلب
 ہے کہ اپنے طور پر نہ کسی چیز کا مالک ہوں نہ
 ذاتی طور پر کسی چیز کو جانتا ہوں۔ ہاں بذریعہ
 وحی الہی اور اس کے جتلانے سے اور اس کی
 تملیک اذن سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن
 رسول بشر ہو یا رسول فرشتہ ہو دونوں کا علم خدا
 تعالیٰ کے علم کے برابر جاننا اور محض بالذات
 اور بالواسطہ کا امتیاز رکھنا اور یہ عقیدہ رکھنا
 صواب سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ
 لوگ کسی چیز پر اس کے علم سے احاطہ نہیں کر
 سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اور امیر المؤمنین عمر بن
 الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا لشکر نہاوند
 میں کفار سے لڑ رہا تھا اور نہاوند مدینہ طیبہ علی
 صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پانچ سو فرسنگ
 یعنی ڈیڑھ ہزار میل دور ہے۔ طول البلد اس کا
 ۸۳ درجہ ہے اور عرض البلد ۳۴ درجہ ہے جیسا
 کہ زنج میں ہے اور حضرت امیر عمرؓ مدینہ منورہ

اوشاں احاطہ نمودہ اند۔ بنا براں امر نمودم من
 امیر لشکر را کہ بجبل تکیہ گیرند یعنی پشت ہائے
 را بسوائے کوہ نمودہ بالمواجہہ با دشمن جنگ
 کنند۔ پس آمد بشیر بعد از یک ماہ و گفت کہ
 دشمن مارا ہزیمت دادہ بود بوقت نماز جمعہ پس
 شنیدیم ما منادی را کہ نداے کرد یا ساریۃ
الجبل الجبل۔ پس گریخت دشمن۔

زادہا اللہ تعالیٰ شرفاً و تکریماً میں جمعہ کے دن
 منبر پر خطبہ فرما رہے تھے۔ اٹنا خطبہ میں فرمایا
یا ساریۃ الجبل الجبل یہ ساریہ لشکر
 کا سردار تھا اور اسی کو خطاب تھا۔ حضرت
 عبدالرحمنؓ بن عوف نے اس جملہ کی کیفیت
 دریافت فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں
 دیکھ رہا ہوں کہ مشرکین ہمارے بھائی مجاہدین
 کو شکست دے رہے ہیں اور ان کے آگے
 پیچھے احاطہ کر دیا ہے اسی بناء پر میں نے ساریہ کو
 کہا کہ پہاڑ پر تکیہ کریں یعنی پہاڑ کی طرف
 پیٹھ کر کے دشمن کے دؤبذ و جنگ کریں۔ پس
 ایک مہینہ کے بعد خوش خبری دینے والا آیا اور
 اُس نے کہا کہ دشمن نے ہم کو شکست دی تھی
 اور جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے سنا کہ منادی ندا کر
 رہا ہے۔ **یا ساریۃ الجبل الجبل**
 پس اس تدبیر سے دشمن بھاگ گیا۔

قال الشيخ رضى الله تعالى
عنه فى باب رابع عشر
اوشاهد المنزل عليه ذلك
الحكم فى حضرة التمثل
الخارج عن ذاته والداخل
المعبر عنه بالمبشرات فى
حق النائم غير ان الولى
يشترك مع النبى فى
ادراك ما تدركه العامة فى
النوم فى حال اليقظة

درمرقات نوشته للغيب مبادى
ولواحق مباديه لا يطلع عليه
ملك مقرب ولا نبى مرسل
واما اللواحق فهو ما اظهر
الله تعالى على بعض احبائه
لوحة علمه وخرج ذلك من
الغيب المطلق و صار غيبا
اضافيا و ذلك اذا تنور الروح
القدسية واذ داد نوريتها
واشراقها بالاعراض عن
ظلمة عالم الحس و تجلية
ذات القلب عن صداء
الطبيعة والمواظبة على

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات باب ۱۴ میں ذکر فرمایا ہے یا مشاہدہ کرتا ہے جو شخص جس پر حکم نازل کیا گیا ہے حضرت تمثیل میں جو داخل ہے جسے سونے والے کے متعلق مبشرات سے تعبیر کرتے ہیں مگر ولی پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ اس امر میں شریک ہوتا ہے کہ جس کو عوام خواب میں دیکھتے ہیں وہ پیغمبر علیہ السلام کی طرح بیداری میں دیکھتا ہے۔

مرقات میں ہے غیب کے مبادی ہیں اور لواحق۔ پس مبادی پر تو کسی ملک مقرب کو اطلاع ہو سکتی ہے نہ ہی نبی مرسل کو اور لواحق وہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بعض محبوبوں پر ظاہر کر دیتا ہے اور اپنے علم کی چمک ڈال دیتا ہے اور یہ غیب مطلق سے خارج اور الگ ہے اور یہ غیب اضافی ہے اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ رُوحِ قدسی خوب روشن ہو جاتا ہے اور اس کی نورانیت اور اشتراق زیادہ ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ عالم جس کے اندھیرے سے اعراض کرتا ہے اور قلب کی ذات کو عالم طبعی کی میل سے صاف کر کے روشن کر لیتا ہے اور علم و عمل اور انوارِ الہی کے فیضان پر

العلم والعمل وفيضان الانوار
 الالهية حتى يقوى النور و
 ينبسط في فضاء قلبه
 فتعكس فيه النقوش
 المرتسمة في اللوح المحفوظ
 ويطلع على المغيبات و
 يتصرف في اجسام العالم
 السفلى بل يتجلى حينئذ
 القياض الاقدس بمعرفته
 التي هي اشرف العطايا
 فكيف لغيره. انتهى.

مواظبت اور ہمیشگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ
 نور بہت قوی ہو جاتا ہے اور دل کا میدان
 بہت پھیل جاتا ہے۔ پھر اس میں لوح محفوظ
 کے اندر نقش شدہ انوار منعکس ہوتے ہیں اور
 غیبی اشیاء پر مطلع ہو جاتا ہے اور عالم سفلی میں
 تصرف کرتا ہے بلکہ فیاض اقدس جل جلالہ اپنی
 معرفت کی تجلی فرمادیتے ہیں جو سب عطیات
 سے اشرف ہے پھر دوسری چیزوں کا کیا کہنا
 انتہی۔

اس جگہ وہ مضمون یاد میں لانا چاہیے جو حکیم
 الامت حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ
 میں دربارہ ارواح مفارکہ کا ملین ذکر فرمایا
 ہے اور کچھ حصہ اس کا اس سے پہلے نقل کیا جا
 چکا ہے اور اس مضمون کے ساتھ غیب کے جو
 معنی پہلے گزر چکے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیے
 چاہئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ اپنے کامل
 بندوں کو جب کہ وہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مل
 جائیں اس قدر نورانیت عطا فرماتے ہیں کہ
 دنیا والی نورانیت سے زیادہ ہوتی ہے پس وہ
 ملائکہ کی طرح بنی آدم میں الہام اور اطلاع علی
 الغیب کے باعث تصرف کرتے رہتے ہیں۔
 اور ان کے اقوال و افعال پر مطلع ہوتے ہیں

ایں جا حکیم الامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارہ
 ارواح مفارکہ کتمل در حجۃ اللہ البالغہ ذکر نمودہ
 و برخی ازاں قبیل ازیں نقل نمودہ ام یاد باید
 آورد مع ملاحظہ معنی غیب بحسب مامرانفا
 خلاصہ آن کہ اوسمانہ و تعالیٰ بندگان خود را از
 کاملین بعد از الحاق بملاء اعلیٰ نورانیت و
 اشتراق عطا فرماید زاید بر ان کہ یودمراوشاں
 را در دنیا پس مے باشند مثل ملائکہ متصرف
 بالہام و اطلاع در بنی نوع انسان و مطلع بر
 اقوال و افعال اوشاں۔

خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ در شرح
مقام علیین مے نویسند کہ رُوح را قُرب و
بُعد مکانی مانع اِیس دریافت نَمے شود و مثال
آں در وجودِ انسانی رُوح بصری است کہ
ستارہ ہائے ہفت آسمان را درونِ چاہ مے تو
ان دید۔ اتمی

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز رضی اللہ
تعالیٰ عنہ مقامِ علیین کی شرح میں لکھتے ہیں کہ
روح کو جو دریافت اور اطلاع بنی انسان کے
اقوال و افعال پر حاصل ہوتی ہے۔ اس میں
مکان کا قُرب و بُعد مانع نہیں ہو سکتا اور اس کی
مثال وجودِ انسانی میں رُوح بصری ہے جس
سے ساتوں آسمانوں کے ستارگان کو کونوں
میں دیکھا جاسکتا ہے۔

در حدیث صحیح آمد صلوا علی فان
 صلواتکم تبلغنی حیث کنتم۔
 فی المرقاة۔ قال القاضی و
 ذلک ان النفوس الذکیة
 القدسیة اذا تجردت عن
 العلائق البدنیة عرجت و
 اتصلت بالملاء الاعلیٰ ولم
 یبق لها حجاب فتری الكل
 کا المشاهد بنفسها او باخبار
 الملک و فیہ سر یطلع علیہ
 من تیسر لہ ذلک۔ ازیں جا ظاہر
 گشت جہالت کسانے کہ آیات و احادیث
 ذیل را شاہدے آرند بر منع استعانت از
 ارواح کتمل و عدم اطلاع اوشان بر احوال
 مستغیثین و نفی علم غیب اضافی برائے آن

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث
 آئی ہے کہ درود بھیجو مجھے اس لیے کہ تمہارا درود
 مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ مرقات میں
 ہے کہ قاضی اس حدیث کی شرح میں فرماتے
 ہیں کہ یہ امر اس لیے ہوتا ہے کہ پاک اور
 مقدس رو میں جب بدنی تعلقات سے الگ ہو
 جاتی ہے تو ان کو عروج حاصل ہوتا ہے اور ملاء
 اعلیٰ سے مل جاتی ہے اور کوئی حجاب اور پردہ
 نہیں رہتا۔ پس سب اشیاء کو دیکھتے ہیں یا تو
 مشاہدہ بنفسہا ہوتا ہے یا فرشتہ اطلاع دیتا ہے
 اور اس میں ایک راز ہے جس کو وہ میسر ہوگا
 و بھی اس پر مطلع ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جو لوگ
 آیات و احادیث ذیل کو بطور شاہد و دلیل پیش
 کرتے ہیں اور کاملین کے ارواح سے
 استعانت کی ممانعت ان آیات و احادیث
 سے ثابت

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم واتباع اواز ورثہ
احوال فمنہا۔

کرتے ہیں نیز یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان
ارواح کا ملین کو ایسے فریاد کرنے والوں کے
حالات پر کوئی اطلاع نہیں ہوتی۔ نیز ان
آیات و احادیث سے آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم اور آپ کے تابعین سے نفی علم غیب اضافی
کی ثابت کرتے ہیں جاہل اور بے علم ہیں۔
اور حقیقت حال سے بالکل ناواقف ہیں۔
اب ان آیات اور احادیث کو درج کیا جاتا ہے
جو ان جہال کے دلائل ہیں۔ ان آیات قرآنیہ
میں سے بعض کا مضمون یہ ہے۔

۱۔ کہ غیب کی گنجیاں خدا کے پاس ہیں۔ اُس
کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

۲۔ زمین و آسمان (تمام کائنات) میں خدا
کے سوا غیب دان کوئی نہیں ہے۔ اُن کو یہ بھی
خبر نہیں کہ کب زندہ کر کے اٹھائے جائیں
گے۔

۳۔ قیام قیامت کا علم بے شک خدا کے پاس
ہے۔

۴۔ اُس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو شخص ایسے
معبودانِ باطل کو پکارتا ہے جو اُسے تا قیامت
جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے
بے خبر ہیں۔

۱۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا
يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ۔

۲۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبِ اِلَّا
اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَانَ يُبْعَثُوْنَ

۳۔ اِن اللّٰهُ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔

۴۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لِهٖ
الْحٰقُّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ
دَعْوٰتِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔

۵۔ قل لا املك لتفسي نفعا
ولا ضرا الا ماشاء الله۔

۵۔ یا رسول اللہ! کہہ دو کہ میں اپنے لیے
سوائے مشیتِ الہی کے کسی نفع و نقصان کا
مالک نہیں ہوں۔

۶۔ قل من بيده ملكوت كل
شيء وهو يجير ولا يجار
عليه۔

۶۔ ہر شے کی ملکوت و حقیقت اُس کے سوا کس
کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ غالب ہے اس
پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا۔

۷۔ قل لا املك لكم ضرا ولا
رشداً اللہ

۷۔ میں تمہارے لیے کسی نفع و ضرر کا مالک نہیں
ہوں۔

۸۔ ويعبدون من دون الله مالا
يملك لهم اللہ

۸۔ یہ لوگ ایسے معبودانِ باطلہ کی عبادت
کرتے ہیں جو کہ ان کو کوئی نفع یا نقصان نہیں
دے سکتے۔

۹۔ لا تدع من دون الله مالا
يتفك ولا يضرک اللہ

۹۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کر جو کہ تجھے
نفع نقصان نہیں دے سکتے۔

۱۰۔ قل ادعو الذين زعمتم من
دون الله لا يملكون مثقال
ذرة اللہ

۱۰۔ انہیں کہو کہ اپنے زعمی معبودانِ باطلہ کو بلاؤ
جو کہ ذرہ بھر کے مالک نہیں ہیں۔

قال صلى الله عليه وسلم
 نمبر ۱ دعیٰ هذه وقولی بالذی
 كنت تقولین نمبر ۲ وعن
 عائشة رضی الله تعالیٰ عنها
 من اخبرک ان النبی علیہ
 السلام یعلم الغیب فقد کذب،
 والله لا ادری وانا رسول الله
 ما یفعل بی ولا بکم۔

چہ مفادِ نصوصِ مذکورہ اختصا ص علمِ غیبِ حقیقی
 است با و سُبْحَانَهُ و تعالیٰ و دعوتِ بطریق
 عبادتِ نفیِ علم و امدادِ بطریقِ اصالتِ والا
 فكيف یصح قوله صلى الله
 علیه وسلم انا اول الناس
 خروجا اذ ابعثوا وانا خطیبهم
 اذا وفدوا وانا مبشرهم اذا
 یئسوا ولواء الحمد یومئذ
 بیدی وانا اکرم ولد آدم علی
 ربی ولا فخر۔ اخرجہ الترمذی
 عن انسؓ وعن ابن عمر وبن
 العاص قال الله تعالیٰ یا
 جبرائیل اذهب الی محمد

حدیث شریف میں یہی وارد ہے کہ ایک صحابیؓ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایسا
 کہہ رہی تھی کہ ہم میں ایسا نبی ہے جو آئندہ کی
 خبریں جانتا ہے تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔
 حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو شخص تجھے یہ کہے کہ
 نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے اُس نے جھوٹ
 کہا۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ خُدا کی قسم
 باوجود رسول ہونے کے مجھے یہ معلوم نہیں کہ
 میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

ان آیات و احادیث کے متعلق یہ تاویل ہے
 کہ نصوصِ مذکورہ کا مفاد علمِ غیبِ حقیقی کا
 اختصا ص بحقِ سُبْحَانَهُ و تعالیٰ ہے اور دعوتِ غیر
 سے مراد دعوتِ بطریقِ عبادت ہے۔ اور علم و
 امداد کی نفی بھی بطریقِ اصالت ہے ورنہ
 بصورتِ عدمِ درایتِ معاملہ عاقبۃ الامر حسب
 تقاضائے ظاہر حدیثِ واللہ لا ادری الخ
 آں حضور کا یہ ارشاد نبوی کہ قیامت میں سب
 سے پہلے میں اٹھایا جاؤں گا۔ اور بارگاہِ الہی
 میں وفد جانے کے لئے میں خطیب ہوں گا۔
 لوگوں کی نا اُمیدی کے بعد بشارت دینے والا
 ہوں۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں
 اپنے رب کے ہاں اولادِ آدم سے زیادہ محترم و
 مکترم ہوں۔ یہ

فقل له انا سنر ضيک في
امتک ولانسؤک عن جابر
قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم لا تمس النار
مسلماً رأني اورأى من رأني
اخرجه الترمذی عن ابی
سعید۔ الحسن والحسين
سيدا شباب اهل الجنة
اخرجه الترمذی عن جابر لا
يدخل النار احد ممن بايع
تحت الشجرة۔ اخرجہ مسلم
وابو داؤد والترمذی وقال
صلى الله عليه وسلم ابو بكر
في الجنة الخ ايس حدیث در بارہ عشرہ
مبشرہ مشہور است بل بشر صلى
الله عليه وسلم بالجنة
لاصحاب غزوة بدر وهم
ثلث مائة وثلثة عشر
ولاصحاب بيعة الرضوان
وهم الف واربع مائة۔

واقعات ہوں گے صرف فخریہ کلمات نہیں
ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت
کیا ہے۔ ابن عمرو بن العاص سے روایت ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ محمدؐ کو
بشارت سُنادے کہ یا رسول اللہ میں تجھے تیری
اُمت کے بارہ میں خوش کروں گا اور غم ناک نہ
کروں گا۔ ترمذی میں حضرت ابو سعیدؓ سے
روایت ہے۔ آں حضورؐ فرماتے ہیں کہ جس
شخص نے میری زیارت کی یا مجھے دیکھنے
والے کی زیارت کی اُس کو دوزخ کی آگ
مَس نہ کرے گی۔ ترمذی میں حضرت جابرؓ
سے روایت ہے حضرت حسنین کرامؓ جو انان
جنت کے سردار ہیں۔ مسلم و ابو داؤد کی روایات
میں بیعت الرضوان تحت الشجرة والوں کو آگ
سے نجات کی بشارت ہے۔ آں حضورؐ نے
حضرت ابو بکرؓ کے متعلق اور دیگر نو (۹) صحابہؓ
جن میں تینوں خلفاء راشدین بھی ہیں سب کو
جنتی ہونے کی خوش خبری سُنائی۔ یہ حدیث
مشہور بلکہ آں حضورؐ نے اصحابِ غزوة بدر تین
سو تیرہ اور اصحابِ بیعت الرضوان ایک ہزار
چار سو کو بشارتِ جنت دی ہے۔

حدیث حذیفہ بن الیمانؓ و ابن عمرؓ کی روایات در بارہ
علم نبویؐ اس سے پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔ پس

و حدیث حذیفہ بن الیمانؓ و ابن عمرؓ در بارہ علم
اوصلى الله عليه وسلم قبل ازیں گزشتہ فتد کر۔

و نیز بوضوح پیوست کہ بناء مافیہ نحن اعنی مسئلہ استمداد از ارواح انبیاء و اولیاء بر الحاق اوشان بملاء اعلیٰ و جماعت ملائکہ است و افاضہ خاص از جانب اوسبحانہ و تعالیٰ برائے اوشان از علوم و اطلاع نہ برسمح موتی مطلقاً کہ مسئلہ مختلف فیہا است در حق مطلق مقبورین از عوام و خواص فلا حاجة لنا الی الجواب عما اورده المعتزلة والمانعون من لزوم اعادة الروح فی البدن وهو مخالف "لقوله تعالیٰ لا یذوقون فیہا الموت الا الموتة الاولى بان هذا یحصل بادنئ تعلق للروح بالبدن سواء کان الروح فوق السماء السابعة او محبوسا فی سجین و علی هذا التعلق مدار ادراک الم العذاب و لذة النعیم۔ قال مولانا عبدالعزیز الفرہاروی و عندی فی هذا الجواب بحث "وهو ان الاحادیث الصّحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السؤال

اس کو یاد کر۔ نیز واضح ہو چکا ہے کہ ما نحن فیہ یعنی ارواح کا ملین انبیاء اولیاء سے مدد مانگنے کی بناء اس پر ہے کہ ان کا الحاق ملاء اعلیٰ اور جماعت ملائکہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں فیضان خاص کے ذریعہ علم و اطلاع ہوتی ہے اور اس کی بناء سماع موتی پر مطلقاً نہیں جو تمام مقبورین خاص و عام کے بارہ میں ہے اور مختلف فیہ ہے۔ پس ہم کو معتزلہ اور مانعین استمداد کے اس اعتراض کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اگر سماع کا قول اختیار کیا جائے تو لازم آئے گا کہ موتی کہ روح بدن میں لوٹ آتی ہے۔ حالانکہ بدن میں اعادہ روح کا قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مخالف ہے کہ اہل جنت وہاں جا کر پہلی موت کے سوا کوئی موت محسوس نہ کریں گے۔ علماء نے اس اعتراض کے جواب لکھے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ قبر میں روح کو بدن کے ساتھ ایک ادنیٰ سا تعلق ہوتا ہے چاہے روح آسمان پر ہو یا سجین میں ہو اور یہی تعلق درد عذاب اور لذت نعمت کے ادراک کا مدار ہے۔ مولانا عبدالعزیز پرہاروی نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہ جواب غلط ہے۔ اس لیے کہ احادیث صحیحہ دلالت کرتی

فالجواب بانكار الاعادة غير
موجه وقد اجاب المشائخ من
هذه الآية بوجوه اخر.

ہیں کہ قبر میں سوال کے وقت رُوح دوبارہ
بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ پس ہونے کے
انکار سے جواب دینا ٹھیک نہیں۔ اور مشائخ
نے اس آیت کے بہت وجوہ سے جواب
دیئے ہیں۔

۱۔ منکر و نکیر کے سوال کے وقت بے شک
روح کو لوٹایا جاتا ہے اور مردہ زندہ ہو جاتا ہے
مگر یہ زندگی ضعیف ہوتی ہے پس جائز ہے کہ
اس کے زوال کو موت نہ کہا جائے۔ شیخ
الاسلام ابن حجر فرماتے ہیں ظاہر خبر دلالت کرتا
ہے کہ روح اوپر کے نصف بدن میں داخل
ہوتی ہے۔

۲۔ اعادۃ رُوح کے بعد جو موت حاصل ہوتی
ہے وہ موت اولیٰ میں مندرج ہے۔

فیہا کا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور استثناء
سے مقصود یہ ہے کہ موت کے نہ چکھنے کی تاکید
کی جائے اس لیے کہ یہ تعلق بالمحال ہے اور
معنی یہ ہیں کہ اگر جنت میں موت کا چکھنا ممکن
ہوتا تو موت کو چکھتے۔ لیکن وہاں اس کا چکھنا تو
ممکن نہیں۔ پس جنت میں موت نہیں۔ انتہی۔

احدہا ان حیوة القبر وان
كانت عند السؤال باعادة
الروح فهي حیوة ضعيفة
فجاز ان لا یسمى زوالها موتا
وقال شیخ الاسلام ابن حجر
ظاهر الخبر يدل علی ان
الروح دخل فی نصف الجسد
الاعلیٰ۔

ثانیہا۔ ان الموت الحاصل
بعد اعادۃ الرُوح مندرج فی
الموتۃ الاولیٰ۔

ثالثہا۔ ان الضمیر للجنة
والاستثناء تاکید لعدم الذوق
علی سبیل التعلیق بالمحال
فالمعنی لو امکن ذوقهم فی
الجنة لذاقوها لکنہ غیر
ممکن فلا موت فی الجنة۔
انتہی۔

وآیت انک لا تسمع الموتی۔
وما انت بمسمع من فی
القبور۔ منافاة ندارد با ستمداد از ارواح
کمل و علم و ادراک او شان چه من فی القبور و
موتی اجساد اند نہ ارواح فلا حاجة
فیما نحن بصدده الی اثبات
سمع الموتی۔ و بناء بر مذکور از حقوق
ارواح کمل بملائکہ حکیم الامت مولانا شاہ
ولی اللہ در کتاب انتباه فی سلاسل الاولیاء
در بحث اشغال فرمودہ یا شیخ عبدالقادر شینا
للہ یک صد و یازدہ بار خواند۔

اور آیت انک لا تسمع الموتی
وما انت بمسمع من فی القبور
ہر دو ارواح کاملین سے مدد مانگنے اور ان کے
علم اور ادراک کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ من
فی القبور اور موتی جسم ہیں نہ ارواح۔ پس
استمداد کے مسئلہ کے بارہ میں ہمیں سماع موتی
کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے
کہ اس مسئلہ کی بناء اس امر پر ہے کہ ارواح
کاملین ملائکہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جاتی
ہے۔ سماع موتی پر یہ موقوف نہیں۔ حکیم
الامت مولانا شاہ ولی اللہ نے انتباه فی
سلاسل اولیاء اللہ بحث اشغال میں فرمایا ہے
کہ یا شیخ عبدالقادر شینا للہ ایک سو گیارہ (۱۱۱)
مرتبہ پڑھا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تو تسل و ندا اور استعانت
کے ابحاث کو مواہب لدنیہ حسن حصین تفسیر
عزیزی اور تفسیر علامہ ابوالسعود اقسام سحر

بالجملہ بحث تو تسل و نداء و استعانت رادر
کتاب مواہب لدنیہ و حسن حصین و تفسیر
عزیزی و تفسیر علامہ ابوالسعود متعلق اقسام سحر



۱۔ ترجمہ شدہ نسخہ میں یا شیخ الخ نہیں ہے لیکن
معتبر علمائے کرام مثل صاحب بوارق وغیرہ
کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں
ضرور ہے۔ ۱۲۔

۱۔ در نسخہ مترجم یا شیخ الخ یافتہ نشدہ لکن
تحویل ثقات مثل صاحب بوارق وغیرہ غالباً
ذکر او در اصل نسخہ انتباه معلوم سے شود۔

درقصہ ہاروت و ماڑوت باید دید۔

ہاروت و ماڑوت میں دیکھنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۔ وفي الفتاوى خيريته يا
شيخ عبدالقادر فهو نداء" واذا
اضيف اليه شيء لله فهو
طلب الشيء اكرام الله فما
الموجب للحرمة. انتهى.
هكذا في الانتباه في سلاسل
الاولياء لمولانا ولي الله
رضي الله تعالى عنه ومثله
في الوسيلة الجميلة وانهار
المفاخر اقرون دلائل برندازنده
برائے زندہ یا زندہ برائے میت از مکان
بعید قول اوست صلی اللہ علیہ وسلم فاذا
صلی احدکم فليقل
التحيات لله والصلوة
والطيبات السلام عليك
ايها النبي ورحمة الله
وبركاته الحديث رواه السنة
صحابہ گرام را اور حیات و بعد وفات آن

۱۔ اور فتاویٰ خیر یہ میں ہے یا شیخ عبدالقادر،
یہ ایک نداء ہے اور جب اس کے ساتھ شیخ اللہ
کو ملایا جائے تو وہ کسی شے کا طلب کرنا ہے۔
اگر امان اللہ۔ پس کوئی امر ایسا نہیں پایا گیا جو
حرمت کا سبب ہو۔ اور اسی طرح ہے انتباہ فی
سلاسل اولیاء اللہ جو مولانا شاہ ولی اللہ کی
تصنیف ہے۔ اور اسی طرح ہے وسیلہ جلیلہ
میں اور انہار المفاخر میں نداء زندہ کی زندہ کو یا ندا
زندہ کی مکان بعید سے کسی ایسے شخص کو جو عالم
آخرت میں چلا گیا ہو۔ اس کے بہت سے
دلائل ہیں۔ مگر ان سب دلائل سے اقویٰ دلیل
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے
کہ جب تم سے کوئی نماز پڑھے تو کہے۔
التحيات لله والصلوات
والطيبات السلام عليك ايها
النبي ورحمت الله وبركاته.
اس حدیث کو صحاح ستہ میں روایت کیا گیا
ہے۔ صحابہ کرام کا آپ کی زندگی میں اور بعد

☆☆☆☆☆☆☆☆ (باقی بر صفحہ آئندہ)

۱۔ الوسيلة الجميلة مولانا حکیم وکیل احمد سکندر پوری کی تصنیف ہے۔ ۱۲

۲۔ انہار المفاخر علامہ محمد غوث بن ناصر الدین محمد کی تالیف ہے۔

در فہم معانی مرادہ از نصوص متمسک بہادر بارہ اور جن نصوص سے استغاثہ کے مانعین

☆☆☆ ☆☆☆

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معمول بودہ و نیز حدیث ضریر کہ اخراج نمودہ است اور اترندی و نسائی و بیہقی و طبرانی باسناد صحیح از عثمان بن حنیف دلالت مے کند بر توسل و نداء، ہر دو۔ دریں حدیث لفظ یا محمدانی اتوجہ بک الہی ربی فی حاجتی لیقضی اللہم شفغہ فی محل استشہاد است و ایں دعا را صحابہ و تابعین بعد از وفات آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز استعمال کردہ اند کمانی الطبرانی و بیہقی۔ ولطالب التفصیل ان ینظر فی الوسیلة الجلیلة۔ و حدیث اعینونی یا عباد اللہ دلالت مے کند بر مذکور فی المرقاة روی عن المشائخ لہ مجرب ذکر نمودہ است او را حافظ شمس الدین در حسن حسین و ایں دلیل است بر صحت اولادہ التزم ایسراد الصحیح فی ہذا کتاب و حافظ ابن حجر عسقلانی تحسین نمودہ است اور ابن ابی شیبہ و بزاز و طبرانی از ابن عباس مرفوعاً و ابن سنی از ابن مسعود (باقی بر صفحہ آئندہ)

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) وفات یہی معمول رہا ہے۔ حالانکہ یہ نداء ہے۔ نیز ایک نابینا صحابی کی حدیث جس کو ترمذی، نسائی، بیہقی اور طبرانی نے باسناد صحیح عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے نداء اور توسل پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث میں لفظ یا محمد استشہاد کا محل ہیں۔ اور اس دعا کو صحابہ اور تابعین نے بعد از وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ طبرانی اور بیہقی سے پایا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیل مطلوب ہو تو وسیلہ جلیلہ کو ملاحظہ فرمایا جائے اور حدیث اعینونی یا عباد اللہ (اے خدا کے بند و میری مدد کرو) بھی نداء اور مدد طلب کرنے پر دلالت کر رہی ہے۔ مرقات میں ہے مشائخ سے مروی ہے کہ یہ حدیث مجرب ہے۔ اس حدیث کو حافظ شمس الدین نے حسن حسین میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کا ذکر حسن حسین میں اس حدیث کو صحت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ حافظ مذکور نے التزام کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں صحیح حدیث ہی ذکر کرے گا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو زوائد بزار میں حسن شمار کیا ہے اور روایت کیا ہے۔ اس کو ابن

منع استغاثہ تا مل وغور نماید یا از عالمے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے معانی مقصودہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ابی شیبہ اور بزار و طبرانی نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً اور ابن سنی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا (وسیلہ جلیلہ) اور قاعدہ ہے کہ جس حدیث کے طرق متعدد ہوں اور محدثین اس کے تحسین فرمادیں تو گو وہ طریق ضعیف ہوں حدیث حسن شمار ہوگی۔ شیخ عبدالوہاب کشف الحجاب میں لکھتے ہیں۔ جب تجھے یقین ہو گیا کہ کالمین زندہ ہیں تو اُن کی قبر پر ندا کرنے میں کیا ڈر ہے۔ اس کی ندا ایسی ہے جس طرح زندہ کوندا کی جاتی ہے۔ اور ان کالمین سے مدد مانگنا جائز ہے جیسا زندہ سے زندہ مدد مانگا کرتا ہے۔ اور زندہ سے مدد مانگنے کا نہ کوئی جاہل منکر ہے نہ کوئی عالم۔ اور کالمین انبیاء صحابہ اور جوان کے مشابہ ہیں وہ بھی تو زندہ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب کا کلام یہاں ختم ہوا۔

تالیفات علامہ سیوطی و شیخ عبدالوہاب شعرانی اور دوسرے تمام ثقافت اسی طرح پر خوبصورت اور عمدہ عمدہ تنبیہات کر گئے ہیں۔ وہاں دیکھئے۔

الحاصل اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مرادیں حاصل کرنے اور حاجتیں پورا (باقی بر صفحہ آئندہ)

(عاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) (وسیلہ جلیلہ) پس تحسین محدثین و تعدد طرق ولو کانت ضعیفہ گردانیدہ است حدیث مذکور را از حسان کما ہو مقرر فی اصول الحدیث شیخ عبدالوہاب در کشف الحجاب نے نوید۔ فاذا علمت حیات الکمل فلا باس ان ینادی لو احد فی قبرہ کما ینادی الحی ویستمد منه کما یستمد الحی من الحی ولا احد من العلماء والجهلاء ینکر ذلک فی الحیاء وهؤلاء الکمل من الانبیاء والصحابة ومن حذا حذوهم کذالک۔ انتھی۔

تالیفات علامہ سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و شیخ عبدالوہاب شعرانی وغیرہما از ثقافت ایقاظ موخ اندازیں معنی فلینظر ثمہ۔

الحاصل او سبحانہ و تعالیٰ من جملہ سلسلہ اسباب (باقی بر صفحہ آئندہ)

صاحب تحقیق مستفید گردو اسامی مجوزین
سمجھنے میں غور اور تامل کرے یا کسی محقق عالم

☆☆☆☆☆☆☆☆

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) نیل مرادات و
قضاء حاجات تو تسل بعباد اللہ و دعائے
اوشاں را گردانیدہ است **کما هو
الثابت من الكتاب والسنة**
بغیر آں کہ غیر اوسمانہ و تعالیٰ را از انبیاء و
اولیاء خالق و موجد، نافع و ضار علی الاستقلال
قرار دادہ شود پس توجہ الی الغیر و تو تسل بدو بر
نیج اول زندہ باشد یا مردہ جائز است و
بطریق ثانی شرک است و حرام فتدبر
فیما سبق من کلام مولانا
و نبي الله في حجة الله البالغه
و مولانا عبدالعزیز رضی اللہ
عنہم لیتضح لک العموم
فی الاحیاء والاموات من
الکامل۔ وبالجملة مجوزین تو تسل و
استغاثہ را تکفیر و تشریک نباید کرد کہ اوشاں جہنم
غفیر اند از صحابہ و تابعین و ائمہ محدثین و
(باقی بر صفحہ آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولف کے اس خلاصہ کا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب و سنت و سلف صالحین سے جو
تو تسل ثابت ہے اس کے مطابق عمل کرنے والوں کو مشرک و کافر کہنا دین میں غلو اور تشدد ہے جس

سے پرہیز لازم ہے۔ ۱۲۔

استغاثہ و توسل۔

سے استفادہ کرے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) استغاثہ کو جائز جانتے ہیں ان کی طرف نسبت کفر اور شرک نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ وہ صحابہ تابعین ائمہ محدثین، مفسرین اور فقہاء وغیرہ کا جم غفیر ہے اور کیا ہی اچھا کیا ہے صاحب وسیلہ جلیلہ نے کہ ان کے نام ذکر کر دیئے ہیں اور ہم بھی ان کے ناموں کو اس جگہ نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ہر کوئی مانعین توسل و ندا کی تقلید نہ کرتے ہوئے امت مرحومہ کی تکفیر نہ کرے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) مفسرین و فقہاء و غیرہم واللہ در صاحب الوسیلة حیث سہام و مانیزایں جا نقل نمودن اسامی او شان از ضروریات مے دانیم تاکہ ہر کس بہ تقلید مانعین جرأت بر تکفیر امت مرحومہ نکند۔



اُن کے اسمائے گرامی جو استغاثہ اور توصل کو جائز جانتے ہیں:-

- (۱) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (۲) عمر بن الخطابؓ (۳) عائشہ صدیقہؓ (۴) علی بن ابی طالبؓ (۵) عبد اللہ بن عمرؓ (۶) عبد اللہ بن عباسؓ (۷) عبد اللہ بن مسعودؓ (۸) انس بن مالکؓ (۹) سواد بن قاربؓ (۱۰) عکاشہ (۱۱) عثمان بن حنیف (۱۲) نابغہ جعدی (۱۳) عقبہ بن غزو ان ودیگر صحابہ بسبب اجماع سکوتی۔ (۱۴) حسن بصری (۱۵) محمد بن الکندر (۱۶) امام علی بن موسیٰ رضا (۱۷) ابن ابی فدیہ ایک اُستاد امام شافعی (۱۸) محمد بن ادریس یعنی امام شافعی (۱۹) امام ابو کر بن المقری (۲۰) ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی صاحب معاجم ثلاثہ (۲۱) ابن الجلاء (۲۲) ابواللیث نصر سمرقندی (۲۳) حاتم اصم (۲۴) علامہ تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی صاحب شفاء السقام (۲۵) محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی (۲۶) محمد بن حرب ہلالی (۲۷) ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۸) عبد اللہ بن محمد اُستاد بخاری و مسلم (۲۹) ابوبکر احمد بن الحسینی البیہقی صاحب سنن (۳۰) بزار (۳۱) ابن سنی صاحب کتاب عمل الیوم واللیلۃ (۳۲) قاضی عیاض مالکی صاحب شفاء (۳۳) شہاب الدین احمد بن محمد البرنی المعروف بزروق شارح کتاب الحکیم (۳۴) شیخ ابوالعباس حضرمی (۳۵) عبدالرحمن بن علی البغدادی المکنی بابی الفرج ابن الجوزی (۳۶) سراج الدین عمر بن حفص بلقینی (۳۷) عبدالرؤف مناوی شارح جامع صغیر فی حدیث البشیر النذیر (۳۸) ابوالشیخ عبد اللہ بن حسان مؤلف کتاب العظمتہ وغیرہا (۳۹) ابوبکر قطع (۴۰) حافظ شمس الدین محمد ابن الجوزی صاحب حسن حصین (۴۱) ابراہیم طرابلسی صاحب مواہب الرحمن وشرح آل بُرہان (۴۲) شیخ حسن شرنبلانی صاحب مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (۴۳) شیخ احمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ (۴۴) ابو عبد اللہ ابن الحاج محمد بن محمد عبد ریی قاسی مالکی صاحب مدخل۔ (۴۵) شہاب الدین احمد بن حجر مکی یتیمی صاحب الجواہر المنظم (۴۶) شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی تلمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی مؤلف مقاصد حسنہ وقول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع وغیرہ (۴۷) واقدی صاحب فتوح الشام (۴۸) ابونصر صباغ ابن النجار البغدادی

۱۔ اجماع سکوتی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی صحابی سے سماع موتی کے خلاف ثابت نہیں۔ ۱۲۔

(۴۹) ابن عساكر دمشقي (۵۰) ابو عبد الله محمد بن موسى بن النعمان مالكي صاحب مصباح الظلام في المستغيثين بخير الانام (۵۱) ابو حامد محمد بن محمد غزالي صاحب احياء العلوم - (۵۲) كمال الدين محمد بن عبد الواحد سكندري معروف به ابن همام صاحب الفتح القدير (۵۳) حسن بن منصور بن محمود فخر الدين قاضي خان (۵۴) ابو داود مالكي صاحب البيان والانتصار (۵۵) ابن شاهين (۵۶) شيخ الاسلام خير الدين رطبي صاحب فتاوى خيريه (۵۷) شوبري محشي شرح منج (۵۸) يحيى صرصري صاحب شعر مشهور (۵۹) موفق الدين ابن قدامه حنبلي صاحب مغني - (۶۰) ذوى الافهام نجم الدين احمد بن همداني حراني حنبلي صاحب الرعايه الكبرى (۶۱) ابو عبد الله شمس الدين محمد بن محمد بن مفلح حنبلي صاحب فروع برماوى صاحب دلائل واضحات في اثبات الكرامات في الحيوٰة وبعدها لهما (۶۲) شيخ الاسلام بن شحنة حنفي (۶۳) شيخ عبد الباقي مقدسي حنفي (۶۴) شيخ احمد غنيمي حنفي (۶۵) نور الدين علي سمهودي صاحب خلاصه الوفاء (۶۶) شيخ الاسلام بدهان الدين ابراهيم بن جعبان جهري صاحب عمدة المتكلمين بعدة الحصن الحصين (۶۷) حافظ عبد الله بن سعد مشهور بابن ابي جرره اندلسي مالكي صاحب شرح مختصر بخاري - (۶۸) شيخ ابو طاهر (۶۹) شيخ حسن خلسبي همزادي صاحب نجات النبويه في الفضائل العاشرية (۷۰) ابن اثير صاحب نهايه (۷۱) سيد احمد حموي صاحب نجات القرب والاتصال (۷۲) شيخ عبد الوهاب شعراني صاحب لوائح الانوار (۷۳) علامه سعد الدين تفتازاني (۷۴) جلال الدين عبد الرحمن سيوطي صاحب دُرّ منشور (۷۵) شيخ شرف الدين ابو عبد الله محمد بن سعيد بوسيري صاحب قصيده برّده (۷۶) ابن المفيد صاحب مناسك المشاهد (۷۷) كمال الدين زملكاني صاحب عمل المقبول في زيارة الرسول (۷۸) امام فخر الدين محمد بن عمر رازي صاحب تفسير كبير (۷۹) عبد الله بن قاضي بيضا صاحب تفسير مشهور (۸۰) حافظ الدين صاحب عبد الله نسفي صاحب كنز مدارك (۸۱) محمد فاضل دهلوي صاحب مزرع الحسنات شرح دلائل الخيرات (۸۲) عبد الرحمن جامي (۸۳) علي بن سلطان محمد المشهور به مُلّا علي قاري صاحب مرقاة (۸۴) شيخ عبد الحق محدث دهلوي صاحب اشعة اللمعات (۸۵) شيخ الاسلام صاحب كشف الغطاء (۸۶) شاه ولي الله دهلوي صاحب انتباه في سلاسل اولياء الله (۸۷) شاه عبد العزيز دهلوي صاحب فتح العزيز (۸۸) مولوي رفيع الدين دهلوي بن شاه ولي الله (۸۹) مولوي محمد مخصوص الله دهلوي

صاحب سعید الایمان جواب تقویۃ الایمان (۹۰) ملا عابد سندھی مدنی استاد شاہ عبدالغنی دہلوی
 مجددی صاحب حصر شارو ملا کا ایک خاص رسالہ وجیزہ جو ازہ استغاثہ و توسل میں ہے۔
 (۹۱) مولوی محمد عبدالحلیم لکھنوی صاحب نور الایمان بزیارۃ حبیب الرحمن (۹۲) مولوی تراب علی
 لکھنوی صاحب سبیل النجاح الی تحصیل الفلاح (۹۳) مولوی فضل الرسول بدائونی صاحب تصحیح
 المسائل۔



سوال

چلو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت فاتحہ اور ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کے لئے مسنون اور جائز ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام اور اولیاءِ عظام کی ارواحِ طیبہ کے ساتھ استعانت اور استمداد بھی جائز ہے کم از کم استمداد کے مرتکب کو کافر اور مشرک کہنا تو قطعاً ناجائز ہے بشرطیکہ ان کے مستقل مختار اور معبود ہونے کا عقیدہ نہ ہو لیکن آج کل اکثر مقاماتِ متبرکہ اور مزاراتِ شریفہ پر فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب عام ہے لہذا اندریں حالات ایک متقی اور متبع سنت انسان کے لئے وہاں جانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں کی زیارتِ قبور برائے اہداءِ ثواب فاتحہ و دعائے مغفرت بحق موتی مسنون و استعانت و استمداد از انبیاء و اولیاء جائز و اقلش آں کہ مرتکب او را مشرک و کافر گفتن اصلاً جائز نہ۔ الا در صورت اعتقاد استقلال و معبودیت لکن از جهت کثرت بدعت و شیوع فسق و فجور نزد مزاراتِ متبرکہ چگونہ برائے مسلمان متبع سنتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام رواے باشد حاضر یوں بہ ہمچنین مشاہد۔

جواب

صفا اور مروہ کا شعائرِ اللہ میں سے ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک متفق علیہ امر ہے۔ اولاً حضرت ہاجرہ کی برکت سے ان پہاڑیوں کے درمیان حق سبحانہ و تعالیٰ کی معیتِ خاصہ کی تجلی ظاہر ہوئی اور ان کی مشکل حل فرمائی اور بعد ازاں شعائرِ اللہ کا معنی ان دو پہاڑیوں کا جو ہر ذاتی ہو گیا۔ جیسا کہ تفسیر فتح العزیز میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ علیہ

بصحت رسیدہ کہ صفاء و مروہ را از شعائرِ اللہ یوں محض بہ برکتِ ہاجرہ رضی اللہ عنہا یوں کہ معیتِ خاصہ او سبحانہ و تعالیٰ در حق او شان میان ہمیں دو کوہ متجلی گشتہ و حل مشکل ایشان فرمودہ و ازاں باز معنی شعائرِ اللہ درین ہر دو کوہ بمنزلہ جوہر ذاتی گشتہ کما فی فتح العزیز و نیز بر ناظرِ قرآن کریم و حدیث شریف مخفی نیست کہ نہادن اصنام و عملِ بت پرستی نزد

ہمیں دو کوہ از مشرکین الی ممر الدہور صادر
گشتہ مع آں کہ خباثتِ ایں شرک ہیج نوع
اثر در رفع و ترک نمودن سعی بین الصفا
والمرود نہ نمودہ پس ہمچنین فسق و فجور اہل
معاصی و ابتداع مبتدعین زیارتِ قبور را از
مسنونیت خارج کردہ نمی تواند الا در صورتے
کہ معبود گردانیدہ شود اہل قبور را ونیست کلام
درو۔

التحیۃ والتسلیم کا مطالعہ کرنے والے پر واضح
ہے کہ مدت مدید اور عرصہ بعید تک کفار و
مشرکین نے ان پہاڑیوں پر اپنے بُت
کھڑے کر کے بُت پرستی جاری رکھی۔ لیکن
اس شرک و بدعت کی خباثت نے صفا و مروہ کا
سعی چھوڑ دینے میں کوئی اثر نہ کیا۔ اسی طرح
غلط کار لوگوں کے فسق و گناہ اور اہل بدعت کی
بدعتوں کی وجہ سے جائز طریقہ پر قبروں کی
زیارتِ سنت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ یہ اور
بات ہے کہ قبر والوں کی پرستش شروع کر دی
جائے اور انہیں معبود بنا لیا جائے۔ جس کے
خلاف شرع ہونے میں کسی مسلمان کو کلام
نہیں۔

ایں جا برد کر چندے از انفاس متمم کہ حضرت
خاتم الحمد شین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نمودہ
است آنہا را مولانا فضل رسول قادری حنفی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نمودے مے آید۔

قال مولانا مقولہ اول: در تفسیر عزیزی در
دیباچہ بہ تمہید تصنیف تفسیر نوشتہ برائے
ایضاح معانی سورہ فاتحہ الکتاب و دو سپارہ
آخرین از حضرت قرآن مجید کہ اکثر مسلمین
در صلوٰۃ خمسہ و جمعہ و جماعات و محاضر ارواح

یہاں حضرت خاتم الحمد شین کے چند انفاس
متمم کہ جن کو مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے۔ ذکر کر دینا
مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مقولہ اول: تفسیری عزیزی کے دیباچہ میں
لکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور آخری دو سپاروں کی
تفسیر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کو
نمازوں اور جمعہ اور جماعات وغیرہ میں اور
انبیاء اور اولیاء کے پاک رُوحوں کے حاضر

ہونے کے مقامات اور صالحین کے حرارات کی زیارت کے موقعہ پر ان سورتوں کی تلاوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب لفظ محضر ارواح پر غور کرتے ہوئے منکرین کے شیطانی گروہ سے مطلب دریافت کرنا چاہیے۔

مقولہ دوم: ایتاک نعبد کی تفسیر میں عبادت کی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنکھوں سے جو عبادت متعلق ہے وہ اچھے مناظر کا مشاہدہ کرنا ہے۔ کعبہ شریف اور قرآن مجید کی زیارت بزرگوں کا دیکھنا مثلاً انبیاء اور اولیاء شہداء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کہ جن لوگوں نے اپنی پیاری جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کر دی ہیں اور اپنی زندگی کے تمام عزیز اوقات اس کی یاد میں صرف کر دیئے ہیں۔ اس عبارت سے ان امور کا عبادت ہونا معلوم ہو گیا۔

مقولہ سوم: دل کی عبادت اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کے ساتھ محبت رکھنا اور دشمنوں کے ساتھ عداوت رکھنا۔

مقولہ چہارم: اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ اس لفظ کے کہنے کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی کہ جب نمازی ایتاک نعبد سے عبادت کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرتا

مقدسہ انبیاء و اولیاء و زیارات قبورِ صلحاء و عرفاء بتلاوتِ ایں سورہا تشریف سے نمائند۔ انتہی۔ لفظ محضر ارواح انبیاء و اولیاء را باید دید و معنی آں از قرن شیطان باید ہر سید۔

مقولہ دوم: در تفسیر ایتاک نعبد عبادت را منقسم نمودہ سے نوید و آں چه تعلق بچشم دارد دیدن مشاہد خیر مثل کعبہ شریفہ و قرآن مجید و دیدن بزرگان مثل انبیاء و اولیاء و زیارت قبور شہداء و صالحین کہ جان خود را در راہ او باختہ اند و اوقات عزیز خود را در یاد او گزارند انتہی زیارت قبور شہداء و صالحین عبادتِ خداست۔

مقولہ سوم: اما عبادت قلب پس محبت است بچوبان او و بغض داشتن بمنغضوبان او۔

مقولہ چہارم: ایتاک نستعین یعنی و از تو مددی خواہیم ایں لفظ برائے آں آوردہ شدہ تا از نسبت عبادت بخود عجبی در دل پیدا نہ شود پس گویاے گوید کہ عبادت تو بدون

طلب مدد از تو صورت نئے بند و نیز در عالم
 سہ طاقتہ اند۔ جبریان مے گویند کہ ہیچ
 اختیار نداردیم و مانند سنگ و چوب بے اختیار از
 ما حرکات سر بر مے زند۔ و قدریان مے
 گویند کہ اختیار تمام داریم و حرکات و افعال
 با بجا د ما از صادر مے گردد و ایں ہر دو طاقتہ
 مردود و بر طریقہ نامحمود اند اول ابطال شراعی و
 تکلیفات مے کنند و طاقتہ دویم دعویٰ
 شرکت در کارخانہ خالقیت مے نمایند۔ پس
 ایں دو لفظ برائے رد عقیدہ آن ہر دو طاقتہ
 آورده اند **ایاک نعبد** رد عقیدہ جبر
است و ایاک نستعین رد عقیدہ قدر
 است و راہ راست نصیب طاقتہ سوم است
 کہ سنیان باشند مے گویند کہ بندگی مے کنیم و
 توفیق از تو مے جویم۔ بعض اہل معرفت
 گفتہ اند کہ استعانت دریں جا طلب عون
 نیست بلکہ طلب عین و معاینہ است یعنی
 عبادت از ماست و مرتبہ معائنہ دادن و بعین
 الیقین رسانیدن کار تست۔ شیخ سفیان ثوری
 رحمۃ اللہ علیہ روزے در نماز شام امامت مے
 کرد۔ چوں **ایاک نعبد و ایاک
 نستعین** گفت بے ہوش افتاد چوں بخود
 آمد گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود گفت چوں
ایاک نستعین گفتم تر سیدم کہ مرا بگویند کہ

ہے تو تکبر پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس
 لیے **ایاک نستعین** کہہ کر نفس کے اس
 واہمہ کو دور کر دیا گیا ہے یعنی **الہ العالمین تیری**
عبادت بھی تیری مدد کے بغیر مجھ سے متصور
نہیں ہو سکتی اور اس لیے بھی کہ دُنیا میں تین قسم
کے لوگ موجود ہیں (۱) ایک جبری جن کا
اعتقاد ہے کہ ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ ہم پتھر کی
مانند ہیں۔ یہ سب حرکات و سلکنا ت غیر
اختیاری طور پر ہم سے صادر ہوتے ہیں۔
(۲) دوسرے قدری۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم
بالکلیہ مختار ہیں۔ تمام افعال و حرکات جو ہم
سے صادر ہوتے ہیں اُن کے ہم خود خالق ہیں
ان دونوں گروہوں کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ
پہلے گروہ نے اپنے باطل عقیدہ کے ضمن میں
تمام شراعی اور احکام کا انکار کر دیا ہے۔ اور
دوسرا گروہ کارخانہ تخلیق میں شرکت کا دعویٰ کر
رہا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ دو لفظ ان دو
گروہوں کی تردید کے لئے فرمائے ہیں۔
ایاک نعبد سے جبریوں کے عقائد کی
 تردید ہو گئی اور **ایاک نستعین** سے
 قدریوں کے خرافات کا ابطال ہو گیا۔ اور
 صراط مستقیم تیسرے گروہ کے حصہ میں آیا جسے
 اہلسنت کہا جاتا ہے۔ فرمایا اس طرح کہو۔

اے دروغ گوئے چرا از طبیب داڑوے
 جوئی و از امیر روزی و از پادشاہ یاری سے
 جوئی۔ لہذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید
 کہ شرم کند از ازاں کہ ہر روز و شب پنج نوبت
 در مواجہتہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ
 باشد۔ لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از
 غیر بوجہی کہ اعتماد براں غیر باشد و اورا
 مظہر عون الہی نداند حرام است و اگر التفات
 محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر
 عون دانستہ و نظر بر کارخانہ اسباب و حکمت
 او تعالیٰ دران نمودہ بغیر استعانت ظاہری
 نماید و دراز عرفان نخواہد بود و در شرع نیز جائز
 و رواست و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت
 بہ غیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت
 بغیر نیست بلکہ بحضرت حق است لا غیر
 انتہی۔

بندگی ہم کرتے ہیں اور بندگی کی توفیق تجھ سے
 طلب کرتے ہیں۔ بعض اہل معرفت کا قول
 ہے کہ اس آیت میں اعانت طلب نہیں کی گئی
 بلکہ عین اور معائنہ طلب کیا گیا ہے۔ یعنی
 عبادت ہماری طرف سے اور معائنہ اور عین
 الیقین کا درجہ عطا کرنا تیرے اختیار میں ہے۔
 شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن شام کی
 نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ جب ایتاک
 نعبد و ایتاک نستعین زبان پر
 جاری ہوا تو بے ہوش گئے۔ لوگوں نے
 دریافت کیا تو فرمایا ”جب میں نے ایتاک
 نستعین کہا تو میرے دل میں خوف پیدا
 ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ فرمائے اے جھوٹے
 زبان سے یہ کہتے ہو اور عمل کے طور پر اس کے
 برخلاف طبیب سے داڑو طلب کرتے ہو۔
 امیر سے روزی مانگتے ہو۔ بادشاہ سے مدد
 چاہتے ہو“۔ لہذا اس معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے
 بعض علماء نے کہا ہے کہ انسان کو شرم کرنی
 چاہیے اور دن رات میں پانچ دفعہ اللہ تعالیٰ
 کے رُوبرُو کھڑے ہو کر جھوٹ نہ بولے۔ لیکن
 معلوم ہونا چاہیے کہ غیر سے اس قسم کی
 استعانت کہ غیر کو مددِ خداوندی کا مظہر نہ سمجھے
 بلکہ مستقل بالذات نافع اور ضار سمجھے تو یہ حرام

اگر التفات حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف ہو اور
 غیر کو فقط خدا کی مدد کا مظہر سمجھے تو شرعاً یہ
 استعانت جائز ہے اور عین عرفان ہے۔ اولیاء
 اور انبیاء نے اس قسم کی استعانت غیر سے کی
 ہے۔ یہ قسم درحقیقت استعانت بالغیر نہیں بلکہ
 بعینہ حضرت حق کے ساتھ استعانت ہے۔

اھک

مقولہ پنجم: تقدیم ایسا کہ بر
 نستعین مفید حصر است یعنی از غیر تو
 استعانت نداریم و این استعانت یا خاص
 است برائے عبادت یا عام است در جمیع
 امور دُنیا و دین اگر خاص است پس
 آں است کہ عبادت ہر چند کسب بندہ
 است مگر عمل بندہ بہ پیدا کردن خداست و
 اگر عام است پس وجہ اختصاص آں است
 کہ ہر کہ غیر خود را اعانت مے کند۔ منتھی کار
 او آں است کہ در دل او داعیہ اعانت آں
 غیر مے اندازد و این فعل فعلی او تعالیٰ
 است پس گویا بندہ مے گوید غیر ترا اعانت
 من ممکن نیست مگر چوں اورا تو اعانت فرمائی
 تا اسباب اعانت بہم رساند باز در دل او
 داعیہ اعانت من اندازی پس من از وسائط
 قطع نظر مے کنم و غیر از اعانت ترانے پنم
 انتہی ملخصاً۔

مقولہ پنجم: لفظ ایسا کہ کو نستعین پر
 مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے
 یعنی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے اب یہ
 استعانت یا خاص ہے۔ مثلاً عبادت کی توفیق
 وغیرہ یا عام ہے تمام دین اور دُنیا کے امور میں
 اگر خاص ہے تو اس طرح کہ عبادت اگرچہ
 انسان کا کسب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پیدا
 کرنے سے موجود ہوا ہے۔ اگر عام ہے تو پھر
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے
 کہ جب کوئی انسان دوسرے انسان کی مدد کرتا
 ہے تو مدد کرنے کا یہ خیال اس کے دل میں اللہ
 تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ تو گویا یہ استعانت بھی اللہ
 تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہوئی۔ گویا ایسا کہ
 نستعین کہنے والا وسائط اور اسباب سے
 قطع نظر کر کے کہتا ہے کہ درحقیقت سب مدد
 تیری طرف سے ہے غیر

کی طرف سے ناممکن ہے کیونکہ مدد کرنے کی
 توفیق، مدد کرنے کا خیال یہ سب تیرے پیدا
 کردہ ہیں تو پھر غیر کی طرف سے کس طرح
 سمجھوں۔ اھ ملخصاً۔

مقولہ ششم: در بیان افراط و تفریط استعانت نوشتہ کہ ملائکہ و ارواح انبیاء و اولیاء را در پردہ صُور و تماثیل و قبور و تعزیہا معبود سازد و رزق و فرزند و خدمت و منصب از ایشان بالاستقلال درخواست کند و شفاعت و عرض ایشان را در جناب او تعالی واجب القبول مگر مکروه آنجناب باشد بدانند۔ انتہی۔

مقولہ ششم: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی راہ کسانے کہ انعام کردہ بر ایشان و ایں لفظ را در جائے دیگر از قرآن مجید تفسیر فرمودہ اند بچهار فرقہ کہ انبیاء و صدیقان و شہیدان و صالحان باشند پس معلوم شد کہ راہ راست راہ ایں چار فرقہ است و در وقت مناجات با پروردگار بندہ را مے باید کہ ایں ہر چہار فرقہ را ملحوظ نظر اجمالی سازد و راہ آں ہا طلب کند الی آخر ما قال باید دانست کہ عوام مومنین را رفاقت

مقولہ ششم: استعانت میں افراط و تفریط کے بارے میں لکھا ہے کہ فرشتوں اور انبیاء اولیاء کے ارواح کو ان کے مجسموں، تصویروں اور قبروں اور تعزیوں کے پردے میں پوجنا اور رزق، اولاد و منصب وغیرہ مستقل طور پر ان سے طلب کرنا اور بارگاہ خداوندی میں ان کی سفارش اور عرض و دعا کو لازماً منظور سمجھ لینا خواہ وہ معاملہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند بھی ہو۔ یہ سب کام اسلام و توحید کے خلاف ہیں۔

مقولہ ششم: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اُن لوگوں کا راستہ عطا فرما جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن مجید کی تفسیر میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر چار فرقوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، لہذا اذعا کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان چار فرقوں کی راہ طلب کرنا چاہیے اور ان چاروں فرقوں کو اس وقت نظر اجمالی کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں واضح ہو کہ عام مومنین کو چاہیے کہ صالحین

صالحین طلب باید کرد و صالحاں را رفاقتِ شہیداں و شہیداں را رفاقتِ صدیقاں و صدیقاں را رفاقتِ انبیاء و اگر کسے از عوام مؤمنین خواہد کہ رفاقتِ انبیاء نماید اور از رفاقتِ ایں سہ گروہ درجہ بدرجہ ناچار نیست چنانچہ اگر کسے رفاقتِ بادشاہ خواہد بدون رفاقتِ جماعہ داری کہ او در رفاقتِ رسالہ داری و او در رفاقتِ امیرے از امراء کبار باشد ممکن نیست ولہذا دخول در طریقہ اہل اللہ و توسل باں ہا جستن محمود اہل اسلام شدہ۔ انتہی۔

کی رفاقت طلب کریں اور صالحین شہداء کی رفاقت، شہداء صدیقین کی اور صدیقین انبیاء کی رفاقت، عام آدمی کو ان چاروں کی رفاقت درجہ بدرجہ طلب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو بادشاہ کی مصاحبت مطلوب ہو تو پہلے اُسے جماعت دار کی رفاقت ضروری ہے جو ایسے رسالہ دار کی رفاقت میں ہو جسے بڑے امراء سے کسی امیر کی رفاقت حاصل ہو۔ اب اگر کوئی شخص ان سب وسائط اور وسائل کو ترک کر دے تو بادشاہ کی مصاحبت ممکن نہ ہوگی۔ انہی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اہل معرفت کے طریقوں میں داخل ہونے اور اہل اللہ کے ساتھ توسل کرنے کو تمام اہل اسلام نے اچھا اور مبارک سمجھا ہے۔

اھ

بزرگوں کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی کلام، انفاس، افعال اور مکانات میں برکت عطا کرتا ہے۔ اور اُن کے ہم مجلس لوگوں، اولاد، نسل اور زیارت کرنے والوں میں متواتر طور پر برکات و فیوض کا ظہور فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ میں انہیں وہ مرتبہ اور شان عطا کرتا ہے کہ اُن کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں ان کے متوسلین کی

وہم در حالاتِ شان مے نویسند و برکت در کلام و در انفاس و در افعال و در مکاناتِ ایشاں و در ہم صُجَّانِ ایشاں و در اولاد و در نسلِ ایشاں و در زیارت کنندگانِ ایشاں پے در پے ظاہر مے گرداند و نزدِ خودِ ایشاں راجا ہے و مرتبہ مے بخشد کہ دُعائے ایشاں مستجاب مے شود۔ بلکہ در ہر حاجتے بایشاں توسل نمایند حاجت اور وائے گردد و خصوصیات و

علاماتے کہ در عالم برزخ و موقوف قیامت و در عالم ملکوت سے دہند ازاں قبیل نیست کہ عوام مؤمنین بآن استدلال تو اند کرد الا بعد از مشاہدہ آن عوالم۔ انتہی۔

حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور عالم برزخ، میدان قیامت اور عالم ملکوت میں جو خصوصیات انہیں عطا کی جاتی ہیں وہ اس قسم سے نہیں جنہیں عوام اہل ایمان ان جہانوں کے مشاہدہ کے بغیر عقلی دلائل سے معلوم کر سکیں۔

وہم در آں جا نوشته شہید آنت کہ قلب او بمشاہدہ متحقق باشد و آنچه از انبیاء علیہم السلام باور سیدہ بہ نبجہ قلب او قبول کند کہ گویاے بیند لہذا دادن جان نزد او سہل باشد گو بحسب ظاہر مقتول نہ شدہ باشد۔

پھر اسی موقع پر لکھتے ہیں شہید وہ ہے جس کا دل ہر وقت مشاہدہ میں مشغول ہو۔ اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے اُسے پہنچا ہے۔ اُسے اس طرح قبول کرے گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دینا اُسے بالکل آسان نظر آئے گو ظاہری طور پر مقتول نہ ہوا ہو۔

مقولہ ہشتم: در اقسام فرشتہ ہا نوشته۔ اولاً فرشتہ ہائے کہ متعلق باجسام اند خواہ علوی مثل حاملان عرش و خازنان گرسی و داروغہ ہائے بہشت و دوزخ و ساکنان سدرۃ المننتہا و مجاوران بیت المعمور و کشندگان ستارہ ہائے و محرکان سموات و دربانان انہا خواہ باجسام سفلی تعلق داشتہ باشند مانند فرشتہ ہائے کہ بہ ابرو باد مربوط اند و ہمراہ ہر قطرہ نزول سے کنند و بردریا ہا و کوہ ہا و درختان موکل و بحفظ بنی آدم و نوشتن اعمال ایشاں و امداد و اعانت

مقولہ ہشتم: فرشتوں کے اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جو فرشتے اجسام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں خواہ علوی ہوں جیسا کہ حاملان عرش، خازنان گرسی، بہشت و دوزخ کے داروغے، سدرۃ المننتہا کے مقام پر سکونت اختیار کرنے والے، بیت المعمور کے مجاور، ستاروں کو کھینچنے والے، آسمانوں کو حرکت دینے والے، آسمانوں کے دروازوں کے دربان وغیرہ خواہ سفلی ہوں جیسا کہ وہ فرشتے جو بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ زمین پر نازل

ہوتے ہیں درختوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے موکل، انسانوں کے محافظ، اعمال لکھنے والے، عزائم اور اسماء الہی کا ورد کرنے والوں کی اعانت اور امداد کرنے والے تیسری قسم وہ مقرب فرشتے ہیں کہ دُنیا کے سب بڑے کام ان کی تدبیر اور توسط سے ہوتے ہیں۔ مثلاً وحی کا نزول، شریعت کا انبیاء تک پہنچانا، رزق و دولت پہنچانا، نصرت و مدد کرنا اور ہلاکت و تباہی وغیرہ لانا، ارواح انسانی کا قبض کرنا۔

اھک

انسان کے بدن میں غذا پہنچانے کے لئے بھی بعض فرشتے موکل ہیں مثلاً غذا کا فائدہ یہ ہے کہ بدن کا ایک حصہ بن جائے لہذا غذا کو گوشت اور ہڈیوں تک پہنچانے کے لئے بھی ایک فرشتے کی ضرورت ہے کیونکہ غذا ثقیل ہونے کی وجہ سے طبعی طور پر نیچے کو حرکت کرتی ہے نہ کسی دوسری سمت کو۔

دوسرا فرشتہ غذا کو اُس عضو میں نگاہ رکھنے کے لئے ہوتی ہے غذا سے خون کے اجزا حاصل کرنے کے لئے۔ چوتھا خون کو گوشت اور ہڈیوں کی شکل میں تبدیل کرنے کے لئے پتھم فضلہ دفع کرنے کے لئے چھٹا جنس کو جنس کے

تالیان اسماء اللہ و عزیمت خوانان ارتباط دارند۔ سوم مقربین کہ امور عظام در عالم بہ تدبیر ایشان و توسط ایشان صورت سے گیردو مثل انزال وحی و شریعت و ایصال رزق و دولت و امداد و نصرت و برہم زدن دولت ہاو ملک ہاو قبض ارواح بنی آدم۔ انتہی۔

و بعضے از فرشتگان برائے تمشیت امر غذا در بدن آدمی نیز موکل اند زیرا کہ فائدہ غذا آنست کہ جزوے از طعام قائم مقام جزوے از بدن کہ بہ سبب حرکات متخلل شدہ است گرد و پس لابد فرشتہ سے باید کہ غذا را سوئے گوشت و استخوان کشیدہ بردزیرا کہ غذا جسم ثقیل است بالطبع حرکت بہ پائیں دارندہ بجوانب دیگر۔

و فرشتہ دیگر سے باید کہ آل غذا را در عضو نگاہ دارد و فرشتہ سوم تا صورت خون را از آن غذا خلع کند۔ چہارم تا صورت گوشت و استخوان پوشاند پتھم تا دفع فضلہ نماید ششم تا جنس جنس چہانیدہ یکساں نماید ہفتم تا مراعات

مقدار نماید و پستی و بلندی در صورت عضو پیدا نشود۔ پس ایس ہفتہ فرشتہ برائے غذائے ہر عضو درکار اند و بعض اجزائے بدن مثل چشم و دل زیادہ از صد فرشتہ را محتاج اند و ہمہ ایس فرشتہ ہائے ارضی را مدد از ملائکہ آسمانی است و آل ہمہ را از حملۃ العرش۔ اتہی۔

ساتھ متصل کرنے کے لئے۔ ساتواں مقدار اور وزن کا لحاظ کرنے والا تاکہ ایک اندام کا کوئی حصہ موٹا اور کوئی لاغر نہ ہو جائے۔ لہذا یہ سات فرشتے تو ایک عضو کی غذا کے لئے ضروری ہیں۔ پھر بعض اجزاء مثلاً آنکھ اور دل کے لئے سینکڑوں فرشتوں کی حاجت ہے۔ اور ان سب ارضی فرشتوں کو آسمانی فرشتوں سے امداد پہنچتی ہے اور سب آسمانی فرشتوں کو حاملان عرش سے اعانت حاصل ہوتی ہے۔

مقولہ نم: امامتہ فاقبرہ نوشتہ کہ در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتامہ یکجاے باشند علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بوال مے ماند و توجہ بزائرین و متاسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بسبب تعین مکان بدن کو یا مکان روح متعین است و آثار ایس عالم از صدقات و فاتحہ و تلاوت قرآن مجید چوں در اں بقعہ کو دفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع مے شود۔ پس سوختن گو یا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گو یا مسکنے برائے روح ساختن است بنا بر ایس است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہارا افادہ و اعانت نیز متصور و در تفسیر سورہ

مقولہ نم: امامتہ فاقبرہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ چونکہ دفن کرنے سے بدن کے تمام اجزاء یکجا رہتے ہیں لہذا روح کا تعلق بدن سے اسی طرح قائم رہتا ہے۔ زائرین اور مستفیدین کی طرف توجہ آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ بدن کے مکان متعین ہونے کی وجہ سے روح کا مکان بھی متعین ہو جاتا ہے اور اس عالم کے اثرات یعنی صدقہ و خیرات، تلاوت قرآن مجید، فاتحہ وغیرہ کا فائدہ اُس قطعے میں جہاں اُس جسم کا دفن ہے سہولت کے ساتھ پہنچ سکتا ہے۔ برخلاف اُس کے جسم کو جلانا گو یا روح کو بے گھر کرنا ہے اور دفن کرنا گو یا روح کے لیے مکان بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدفون اولیاء کرام اور عوام مومنین

مقولہ نم: امامتہ فاقبرہ نوشتہ کہ در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتامہ یکجاے باشند علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بوال مے ماند و توجہ بزائرین و متاسین و مستفیدین بسہولت مے شود کہ بسبب تعین مکان بدن کو یا مکان روح متعین است و آثار ایس عالم از صدقات و فاتحہ و تلاوت قرآن مجید چوں در اں بقعہ کو دفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع مے شود۔ پس سوختن گو یا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گو یا مسکنے برائے روح ساختن است بنا بر ایس است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہارا افادہ و اعانت نیز متصور و در تفسیر سورہ

انشقاق نوشتہ اول حالتے کہ بحر وجد ا
شدن رُوح از بدن خواهد شد فی الجملہ اثر
عبادت سابقہ و اُلفتِ بدن و دیگر معرُوفان
از ابنائے جنس خود باقیست و آں وقت گویا
برزخ است در میان زندگانی دُنیا و استغراق
عالم قبر کہ چیزے ازیں طرف و چیزے
ازاں طرف دارد و این حالت حالت
انکشاف جزائے برزخی از نیکبها و بدیہاست
و مدد زندگان دریں حالت زود ترے رسد و
مردگان منتظر لحوق مدد ایں طرفے باشند
و چنان گماں برند کہ ہنوز زندہ ایم و لہذا در
حدیث شریف در احوالِ قبر وارد است کہ مرد
مُسلمان در آں جای گوید **دَعْوَنی**
اصلی یعنی بگذارید مرا تا نماز بخوانم و نیز
وارد است کہ مُردہ در اں حالت مانند غریقی
ست کہ انتظار فریاد رسی ے برد و صدقات
و ادعیہ و فاتحہ در آں وقت بسیار بکارد و ے
آید و ازیں جاست کہ طوائف بنی آدم تا یک
سال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت
دریں نوع امداد کوشش تمام ے نمایند و روح
مُردہ نیز در قُرب موت در عالم تَمَثُل

سے استفادہ جاری ہے اور انہیں افادہ امداد بھی
متصور ہے۔ سورہ انشقاق کی تفسیر میں لکھا
ہے۔ کہ جب بدن سے رُوح جُدا ہوتی ہے تو
پہلی حالت میں سابقہ عبادت بہ بدن کی اُلفت،
ابنائے جنس کی محبت کا اثر باقی ہوتا ہے۔ گویا یہ
وقت رُوح کے لئے دُنیاوی زندگی اور عالمِ قبر
کے استغراق کی وجہ سے برزخ کی مانند ہوتا
ہے۔ روح پر کچھ دُنیا کے حالات اور کچھ قبر
کے حالات طاری ہوتے ہیں۔ یہ وقت عالمِ
برزخ کے انکشاف اور سزا و جزا کا وقت ہوتا
ہے۔ اُس وقت مُردوں کو زندہ لوگوں کی امداد
کی سخت حاجت ہوتی ہے اور وہ امداد جلدی
بھی پہنچ جاتی ہے اور انہیں ابھی تک یہ گمان
ہوتا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث
شریف میں وارد ہے کہ مُسلمان قبر میں جب
سوال و جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے تو وہ
کہتا ہے **دَعْوَنی اصلی** مجھے چھوڑ دو
میں نماز پڑھ لوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ
اُس وقت مُردہ کی حالت ڈوبتے ہوئے
انسان کی طرح ہوتی ہے وہ فریاد رسی کا سخت
منتظر ہوتا ہے۔ پس ماندگان کے صدقہ و خیرات

ملاقاتِ زندگان سے گند و مافی الضمیر را
اظہار سے گند۔

اور فاتحہ وغیرہ اُس کے لئے بہت کارآمد ہوتے
ہیں۔ شاید اسی وجہ سے اکثر لوگ ایک سال
تک اور خاص طور پر چالیس دن تک اسی قسم کی
امداد میں کوشش کرتے ہیں اور موت کے
قریب عرصہ میں اموات کی ارواح عالم مثال
میں اکثر زندہ لوگوں سے ملاقات کر کے اپنی
حالت کا اظہار کرتی ہیں۔

دوسری حالت یہ ہوتی ہے کہ دُنیاوی زندگی
کے تعلقات بالکلیہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ نیکی
اور بُرائی کی کیفیات کے مشاہدے میں جو اُس
نے دُنیا میں کسب کیے تھے۔ عظیم استغراق
حاصل ہوتا ہے۔ اُس کی ادراک کرنے والی
قوتیں عالمِ دُنیا سے منقطع ہو کر عالمِ برزخ کی
طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور اس کی معنوی جس
و حرکت اس جہان سے مطلق بے کار ہو جاتی
ہے۔ یہ عام مُردوں کی حالت ہے۔ خواص
اولیاء اللہ جنہوں نے زندگی میں اپنا سب کچھ
رضائے الہی اور بنی نوعِ انسان کی بہبود اور
ارشاد میں صرف کیا ہوتا ہے۔ عالمِ برزخ میں
ہوتے ہوئے بھی دُنیا کے معاملات میں انہیں
صرف عطا کیا جاتا ہے اُن کا استغراق و وسعت
ادراکات کی وجہ سے اس

دوئم حالتے ست کہ بعد از انقطاع تعلق
زندگانی دُنیا بالکلیہ ردے دہد و استغراقِ عظیم
در مشاہدہ کیفیتِ مَسو بہ خود از نیکی و بدی اُورا
حاصل مے شود و قوی مدر کہ و متصرفہ از یں
عالم گسہ شدہ بآں طرف متوجہ مے گردند
حسن و حرکت معنوی او از یں جہاں مطلق بے
کار مے شود و ایں حالت عوام مردگانست و
بعض از خواص اولیاء اللہ را کہ جارحہ تکمیل و
ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند و در یں حالت
تصرف در دُنیا دادہ استغراقِ آنہا بجهت
کمال و وسعت مدارکِ آنہا مانع توجہ بایں
سمت نمی گردد۔ اویسیاں تھصیل کمالاتِ باطن
از انہا مے نمایند و اربابِ حاجات و مطالب
حل مشکلاتِ خود از انہا مے طلبند و مے
یابند و زبانِ حالِ آنہا در آں وقت ہم مترنم

بایں مقالات است۔ ع

من آیم بجاں گرتو آئی بہ تن

طرف توجہ کرنے سے مانع نہیں ہو سکتا۔ اکثر
 ایسی مسلک کے حضرات باطنی کمالات کا
 استفادہ انہی اولیاء کرام سے کرتے ہیں اور
 حاجتمند انسان اپنے مطالب کا حل ایسے
 بزرگوں سے طلب کرتے ہیں اور حاصل بھی
 کر لیتے ہیں۔ گویا ان کی زبان حال نظامی
 کے اس مصرعہ سے مترنم ہوتی ہے۔ ع
 ”اگر تو تن کے ساتھ آتا ہے تو
 میں جان کے ساتھ آتا ہوں“

خاتمہ

باید دانست کہ التزام کفر آں است کہ شخصے مدلول نص را مدلول نص دانستہ و حکم شرعی را حکم شرعی فہمیدہ انکار نماید و گوید کہ ہر چند ایں حکم حکم شارع است اما من ایں معنی را قبول ندارم و لزوم کفر آنست کہ بسبب جہل و نادانی یا تاویل کفر بر و لازم آید پس التزام کفر سبب تکفیر است یعنی کسے کہ دانستہ کفر را بر سر خود قبول کند اورا کافر گفتہ مے شود و لزوم کفر سبب تکفیر نئے باشد لہذا محققین از فقہاء بعد ذکر کلمات کفر جہل متکلم را از عذرات شمردہ اند و مراد فقہاء از قول او شاں **یکفر آنست کہ فَعَلَ فِعْلَ الْکُفْرِ** نہ آں کہ اورا کافر گفتہ شود۔

در بحر الرائق نوشتہ و فی جامع الفصولین روی الطحاوی عن اصحابنا لا یخرج الرجل من الايمان الا جعود ما ادخله فيه ثم ماتيقن انه ردة يعكف بها وما يشك انه ردة لا يعكف بها اذا لاسلام

معلوم ہونا چاہیے کہ التزام کفر یہ ہے کہ ایک شخص نص کے مدلول کو نص کا مدلول سمجھتے ہوئے اور حکم شرعی کو حکم شرعی جانتے ہوئے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے میں جانتا ہوں یہ شارع علیہ السلام کا حکم ہے لیکن میں اس کو قبول نہیں کرتا۔ لزوم کفر یہ ہے کہ جہالت اور نادانی کے باعث یا غلط تاویل کی وجہ سے اُس پر کفر لازم آتا ہے۔ پس التزام کفر سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لزوم کفر سے اُس پر کفر کا فتوے عائد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کلمات کفر ذکر کرنے کے بعد متکلم کے جہل کو عذر شمار کیا ہے۔ باقی جن فقہاء نے یکفر لکھ دیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اُس نے کفر والا کام کیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ کافر ہو گیا ہے۔ بحر الرائق میں موجود ہے کہ جامع الفصولین میں طحاوی نے ہمارے اصحاب حنفیہ سے روایت کی ہے کہ آدمی کو ایمان سے اس چیز کا انکار نکال سکتا ہے جس کے اقرار نے اس کو ایمان میں داخل کیا تھا لہذا جو چیز یقیناً ارتداد کا باعث ہے اس پر ارتداد کا حکم ہوگا۔ جس چیز

الثابت لا يزول بالشك مع
ان الاسلام يعلم ولا يعلى
وينبغي للعالم اذا رفع اليه
هذا ان لا يبادر بتكفير اهل
الاسلام مع انه يقضى بصحة
اسلام المكره اقول قدمت
هذه لتصير ميزانا فيما نقلته
في هذا الفصل من المسائل
فانه قد ذكر في بعضها انه
كفر مع انه لا يكفر على قياس
هذه المسئلة فليتأمل انتهى.

کے باعث ارتداد ہونے میں شک ہے اس پر
ارتداد کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ثابت شدہ
اسلام محض شک کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتا۔
حالانکہ اسلام ہر چیز پر غالب ہے کوئی چیز
اسلام پر غالب نہیں آ سکتی۔ لہذا اہل علم
حضرات پر واجب ہے کہ ایسے مسائل میں
مسلمانوں کو کافر کہنے میں جلدی سے کام نہ لیا
کریں جب کہ بحالت جبر بھی اسلام لانے کو
شریعت میں درست سمجھا گیا ہے میں نے بطور
میزان و معیار یہ مسئلہ اس فصل میں پہلے ذکر کیا
ہے تاکہ آئندہ ذکر شدہ مسائل میں جن پر لکھا
گیا ہے کہ یہ کفر ہے معلوم ہو جائے کہ ان کے
ارتکاب سے مطلقاً کافر کہہ دینا درست نہیں۔

اھک

فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کفر بہت بڑی چیز
ہے۔ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا۔ جب
تک اُس کے کافر نہ ہو سکنے کی ایک روایت بھی
دستیاب ہو سکے۔ اھ

خلاصہ میں جب ایک مسئلہ میں بہت سی وجوہ
کفر کی مقتضی ہوں اور ایک وجہ ایسی پائی
جائے جو کفر سے مانع ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ
مسلمان پر حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اسی وجہ
ترجیح دے جو تکفیر کو منع کرتی ہے۔ اھ۔

وفي الفتاوى الصغرى الكفر
شيء عظيم فلا اجعل المومن
كافرا متي وجدت رواية انه لا
يكفر. انتهى.

وفي الخلاصة وغيره اذا كان
في المسئلة وجوه توجب
الكفر ووجه واحد يمنع
التكفير فعلى المفتي ان يميل
الى الوجه الذي يمنع

التكفير تحسینا للظن
بالمسلم وفي التاتارخانیة لا
يكفر بالمحتمل لان الكفر
نهاية في العقوبة فيستدعي
نهاية في الجنایة ومع
الاحتمال لا نهاية. انتهى.

والذي تحرر انه لا يفتي
بتكفير مسلم امكن حمل
كلامه على محل حسن
او كان في كفره اختلاف ولو
برواية ضعيفة فعلى هذا
فاكثر الفاظ التكفير المذكورة
لا يفتي بالتكفير بها وقد
التزمت على نفسي ان لا
افتى بشئ منها وهم در بحر الرائق
نوشتوا الحق ان ماصح عن
المجتهدين فهو على حقيقة
واما ما يثبت من غيرهم فلا
يفتي به في مثل التكفير ولذا
قال في فتح القدير في باب
البغاة الذي صرح عن
المجتهدين في الخوارج عدم
تكفيرهم ويقع في كلام اهل

تاتارخانیہ میں ہے ایسے کلام سے جس میں
مختلف احتمال موجود ہوں کافر نہیں کہنا چاہیے۔
کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ
ایسی عقوبت انتہائی جرم پر ہو اور جب تک
احتمال باقی ہے انتہائی جرم نہ ہوگا۔

مسلمان کے کلام کو جب تک اچھے محل پر حمل
کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر میں اختلاف ہو خواہ
ضعیف روایت ہی سے کیوں نہ ہو کفر کا فتویٰ
نہیں لگانا چاہیے۔ یہاں کفر کے جو الفاظ ذکر
کیے گئے ہیں ان کے تکلم سے فوراً کفر کا حکم لگانا
درست نہیں۔ میں نے اس بات کا اپنے نفس
پر التزام کیا ہے کہ ان الفاظ سے کسی مسلمان کو
کافر نہ کہوں گا۔ بحر الرائق میں لکھتا ہے کہ حق
یہ ہے جو کچھ مجتہدین سے ثابت ہے وہ حقیقت
ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے کے قول کی وجہ
سے کفر کا فتویٰ دینا درست نہیں۔ اس لیے فتح
القدير باب البغاة میں محقق ابن ہمام نے لکھا
ہے کہ خوارج کے بارے میں مجتہدین سے
عدم تکفیر ثابت ہے۔ باقی اکثر اہل مذہب کے
کلام میں ان کی تکفیر مذکور ہے لیکن وہ مجتہدین
میں سے نہیں ہیں لہذا ان کا کوئی اعتبار نہیں۔
در مختار باب المرتد میں لکھا ہے کہ کفر لغت

المذهب تكفير كثير لكن
ليس من كلام الفقهاء الذين هم
المجتهدون بل عن غيرهم
ولا عبرة لغير الفقهاء درر مختار
در باب المرتد نوشته الكفر لغة الستر
شرعا تكذيبه صلى الله عليه
وسلم في شيء مما جاء به من
الدين ضرورة والفاظه تعرف
في الفتاوى بل افردت بالتاليف
مع انه لا يفتى بالتكفير في شيء
منها الا ما اتفق عليه المشايخ
كما سيجيى قال البحر الرائق
فقد الزمت نفسي ان لا افتى
بشيء منها.

وہم دران باب نوشته اعلم انه لا
يفتى بتكفير مسلم امكن
حمل كلامه على محمل
حسن او كان في كفره خلاف
ولو كان ذلك برواية ضعيفة
كما حرره في البحر وعزاه
في الاشباه الى الصغرى ملا علی
قاری در شرح فقہ اکبر در ذیل قول
استحلال المعصية كفر اذا

میں چھپانے کو کہتے ہیں اور شرعاً ضروریات
دین میں سے کسی چیز کا انکار کرنا جس کا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ کفر
کے الفاظ اہل فتاویٰ نے نقل کیے ہیں۔ میں
نے بھی اس مسئلہ میں ایک علیحدہ کتاب تالیف
کی ہے۔ لیکن میں ان میں سے کسی لفظ سے
بھی کفر کا فتویٰ دینا صحیح نہیں سمجھتا۔ ہاں اس
صورت میں جس میں تمام مشائخ کا اتفاق
ہو۔ بحر الرائق نے بھی کہا ہے کہ میں نے اپنے
نفس پر یہ التزام کیا ہے کہ کسی مسلمان کو ان
الفاظ سے کافر نہ کہوں گا۔

اور اسی باب میں لکھا ہے کہ جب تک مسلمان
کے کلام کا محمل اچھا ہونا ممکن ہو کافر نہیں کہنا
چاہیے یا اس کے کفر میں خلاف ہو۔ گو وہ
روایت ضعیف ہی ہو۔ اس فیصلہ کو اشباہ نے
صغریٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ملا علی قاری
نے فقہ اکبر کی شرح میں استحلالات
المعصية كفر کے ذیل میں تحریر کیا
ہے کہ جب اس کا معصیت ہونا دلالت قطعہ
کے ساتھ ثابت ہو (یعنی محض گمان کی بناء پر

ثبت كونها معصية بدلالة
 قطعية في نريد والجمع بين
 قولهم لا يكفر احد من اهل
 القبلة وقولهم يكفر من قال
 بخلق القرآن او استحالة
 الروية او سب الشيخين
 ولعنهما وامثال ذلك مشكل
 كما قال شارح العقائد وكذا
 قال شارح المواقف ان جمهور
 المتكلمين والفقهاء على انه
 لا يكفر احد من اهل القبلة
 وقد ذكر في كتب الفتاوى
 ان سب الشيخين كفر وكذا
 انكار اماستهما كفر ولا شك
 ان هذه المسئلة مقولة بين
 جمهور المسلمين فالجمع
 بين القولين المذكورين
 مشكل ووجه الاشكال عدم
 المطابقة بين المسائل
 الفرعية والدلائل الاصولية
 التي من جملتها اتفاق
 المتكلمين على عدم تكفير
 اهل القبلة المعمدية ويدفع

كفر کا حکم صادر نہ فرمادیں) آگے چل کر لکھتا
 ہے کہ جمہور متکلمین اور فقہاء کے
 ان اقوال کو جمع کرنا مشکل ہے۔ ایک طرف تو
 وہ کسی اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے۔ اور
 دوسری طرف خلقِ قرآن اور استحالة روایت
 کے قائل کو اور سب شیخین کے مرتکب کو کافر
 کہتے ہیں۔ شارح العقائد اور شارح المواقف
 اسی طرح فرماتے ہیں کہ جمہور متکلمین کے
 اقوال کو جمع کرنا مشکل ہے۔ جمہور متکلمین اور
 فقہاء اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں سمجھتے۔ اور کتب
 فتاویٰ میں شیخین (حضرت صدیق و
 فاروق) کو گالیاں دینے اور ان کے خلیفہ حق
 ہونے سے انکار کو کفر لکھتے ہیں۔ اشکال کی وجہ
 یہ ہے کہ مسائل فرعیہ اور دلائل اصولیہ میں
 مطابقت موجود نہیں۔ اہل قبلہ کی عدم تکفیر بھی
 اصول کا مسئلہ ہے جس پر متکلمین کا اتفاق
 ہے۔ اشکال کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ
 اہل فتاویٰ کے نقول جن کے نہ قائل معلوم
 ہیں اور نہ دلائل مذکور ہیں قطعاً حجت کے قابل
 نہیں۔ کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کی مدار
 دلائل قطعیہ پر رکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک
 مسلمان کو کافر کہنے میں اور بھی بہت سے
 ظاہری اور باطنی مفاہد ہیں۔ لہذا بعض

لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم نے تغلیظ اور تہدید کے لیے کفر کا فتویٰ دیا ہے بالکل غلط ہے۔ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ تمام اہل ہوئی کو کافر کہنے (حالانکہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اہل قبلہ کو کافر کہنا درست نہیں) کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد چونکہ فی نفسہ کفر ہے لہذا اس کلام کا قائل کلمہ کفر کا قائل ہے۔ اگرچہ وہ کافر نہیں کیونکہ طلب حق کے لئے سعی و کوشش کرنے کی وجہ سے اس نے یہ بات کی لیکن فقہاء کے اقوال کو جمع کرنے کی یہ صورت اس لیے مشکل ہے کہ تمام فقہاء اہل ہوا کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ جب وہ اس عقیدہ سے کافر نہیں ہوئے تو عدم جواز نماز کا حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ ہاں اگر عدم جواز کا معنی عدم الحل کیا جائے۔ یعنی صحیح العقیدہ مسلمان کو ان کی اقتدا کرنی درست تو نہیں لیکن اس نے اگر ایسا کر لیا ہے تو نماز ہو جائے گی۔ یا یہ جواب دیا جائے کہ احتیاط کی بناء پر ان کی اقتداء ناجائز کہنا ان کے کافر سمجھنے کو مستلزم نہیں جیسا کہ حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو فقہاء نے احتیاطاً منع کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس بات

الاشکال بان نقل کتب الفتاویٰ مع جہالة قائله وعدم اظہار دلائله لیس بحجة من ناقله اذا مدار الاعتقاد فی المسائل الدينية علی الأدلة القطعية علی ان فی تکفیر مسلم قد یترتب مناسد جلیة وخفیة فلا یفید قول بعضهم انما ذکره بناء علی الامور التهدیدية والتغلیظية وقد تصدی الامام الہمام فی شرح الهدایة للجواب عن هذا الاشکال حیث قال اعلم ان الحكم یکفر من یکرنا من اهل الاهواء وما ثبت عن ابی حنیفة والشافعی من عدم تکفیر اهل القبلة من المبتدعة کلهم محمله ان ذلک المعتقد فی نفسه کفر فالقائل به قائل بما هو کفر وان لم یکفر بناء علی کون قوله ذلک من استفراغ وسعه مجتهدا فی طلب

مناقضة لقول الخوارج الذين يكفرون بكل ذنب و طوائف من اهل الكلام والفقہ والحديث لا يقولون ذلك في الاعمال لكن في الاعتقادات البدعية وان كان صاحبها متأ ولا فيقولون بكفر من قال هذا القول لا يفرقون بين المجتهد المخطئ وغيره ويقولون بكفر كل مبتدع وهذا القول يقرب الى مذهب الخوارج والمعتزلة فمن عيوب اهل البدعة انهم يكفرون بعضهم بعضا ومن مباح اهل السنة انهم يخطون ولا يكفرون. (بوارق)

معتزلہ اور خوارج کے خلاف کہ وہ ہر گنہگار کو کافر کہتے ہیں۔ بعض اہل کلام محدثین اور فقہاء اعمال کے لحاظ سے تو ہر گنہگار کو کافر نہیں سمجھتے۔ مگر اعتقادات بدعیہ کی وجہ سے کافر کہتے ہیں خواہ وہ اعتقاد رکھنے والا متاویل ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس بارے میں مجتہد تخطئی اور غیر تخطئی میں بھی فرق نہیں کرتے بلکہ ہر بدعتی کو کافر کہتے ہیں۔ یہ قول بھی خوارج اور معتزلہ کے قریب قریب ہے۔ اہل بدعت اور اہل سنت میں یہی فرق ہے کہ اول الذکر ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور مؤخر الذکر غلط اعتقاد والے کو خطا کی طرف نسبت کرتے ہیں کافر نہیں کہتے۔ اھ (بوارق)

علماء کرام کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ اور سعی بحسب اقتضائے کنتم خیر امة اخرجت للناس بالمعروف، وتنہون عن المنکر امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں صرف

علماء کرام! بحسب مقتضائے کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف، وتنہون عن المنکر واجب است کہ در امر معروف ونہی عن المنکر مساعی جمیلہ بکار برند



حضرت مؤلف قدس سرہ کا یہ کلام تکفیر کے بارے میں خاص طور پر قابل غور ہے۔ (مترجم)

نہ آں کہ فقط بہ تکفیر عوام کالانعام جوشش
 شرعی ظاہر نمایند۔ در سراج المنیر آمدہ اذا
 كان في المسئلة وجوه
 توجب الكفر ووجه "واحد"
 يمنع فعلی المفتی ان یمیل
 الی الوجه الذی یمنع التکفیر
 تجنباً عن سوء الظن
 بالمسلم. انتهى

وفي كتاب الیواقیت
 والجواهر ونقل الشیخ ابو
 طاهر القزوینی فی کتابہ
 سراج العقول عن احمد بن
 زاهر السرخسی اجل
 اصحاب الشیخ ابی الحسن
 الاشعری رحمہ اللہ قال لما
 حضرت الشیخ ابا الحسن
 الاشعری الوفاة فی داری
 ببغداد قال لی اجمع لی
 اصحابی فجمعتهم فقال لنا
 اشهد واعلمی انی لا اقول
 بتکفیر احد من عوام اهل
 القبلة لانی رأیتهم کلهم
 یشیرون الی معبود واحد
 والاسلام یشملهم ویعمهم.
 انتهى

فرمائیں۔ نہ یہ کہ عوام کالانعام کے کافر بنانے
 میں ہی پورے جوش کا اظہار کرتے پھریں۔
 سراج المنیر میں ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں بہت
 سے وجوہ کفر کے مقتضی ہیں اور صرف ایک
 وجہ کفر کو منع کرتی ہے تو مفتی کو مسلمان پر حسن
 ظن رکھتے ہوئے اسی ایک وجہ کی طرف میلان
 کرنا چاہیے۔

الیواقیت والجواہر میں ہے کہ شیخ ابو طاهر قزوینی
 نے اپنی کتاب سراج العقول میں احمد بن زاہر
 سرخسی سے نقل کیا ہے (جو شیخ ابوالحسن اشعری
 کے اجل شاگردوں میں سے ہیں) فرماتے
 ہیں کہ جب شیخ ابوالحسن اشعری بغداد میں فوت
 ہونے لگے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے تمام
 شاگردوں کو جمع کرو۔ پس میں نے سب کو جمع
 کیا تو فرمایا تم سب گواہ رہو کہ میں اہل قبلہ میں
 سے ایک کو بھی کافر نہیں کہتا۔ کیونکہ وہ سب
 ایک خدا کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسلام
 سب کو شامل ہے۔

شیخ ابو طاہر کہتے ہیں۔ دیکھا شیخ نے کس طرح
سب کو مسلمان کہا ہے۔ امام ابو القاسم قشیری
فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ابو الحسن اشعری
سے نقل کرے کہ اس نے فرمایا ہے کہ مقلد کا
ایمان صحیح نہیں، تو وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ
ایسے بڑے امام سے یہ قول بالکل بعید ہے کہ
وہ اکثر مسلمانوں کے عقائد کو مجروح خیال
کرے اور مومن نہ سمجھے۔ اھک۔

قال الشيخ ابو طاہر فانظر
كيف سماهم مسلمين وكان
الامام ابو القاسم القشيري
رحمة الله يقول من نقل عن
الشيخ ابي الحسن اشعري
انه كان يقول لا يصح ايمان
المقلد فقد كذب لان مثل
هذا امام العظيم يبعد منه ان
يجرح غالب عقائد المسلمين
بما يكفرون به ولا يصح لهم
معه ايمان. انتهى.

خلاصہ کلام اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ مگر
اس صورت میں کہ وہ ضروریات دین کا انکار
کر دیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ یا کسی شرعی حکم
کو شرعی سمجھتے ہوئے منکر ہو جائیں۔ لہذا کسی
بادشاہ یا امیر کی آہل پر ذبح کرنے والے کو جو
اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے یا ولی اللہ کی
منذورہ جو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کی
جائے ان اشخاص کو بے تحاشا کافر کہنا اور ذبیحہ
کو قطعاً حرام کافری دینا محققین کی شان سے
بعید ہے۔

خلاصہ آن کہ اہل قبلہ کافر لیا جائے کہتے۔ الا
در صورتی کہ ہم کافر نہ مایید امری ہوا از
ضروریات دین مثل صلوات و صلوٰۃ یا مطلق امر
شرعی بخود ہا و پس از ان مخلد روم الامیر علی اسمہ
تعالیٰ ہوا و نجین ذائق منذورہ للذبح علی اسمہ
تعالیٰ و لای بے تحاشا کافر کہتے ہوا و مذکورہ اور
قطعاً حرام کافری دینا محققین کی شان سے
بعید ہے۔



سوال

اجماع منعقد است بریں کہ ذابح للتقرب الی غیر اللہ مرتد است و مذبح وحش حرام کمانی النیشابوری وغیرہ اجمع العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحة وقصد بذبحها الی التقرب الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحة مرتد۔

اجماعی طور پر تقرب الی غیر کے ارادہ سے ذبح کرنے والے کو مرتد کہا گیا ہے اور اس کی ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے کمانی النیشابوری اگر کوئی مسلمان جانور ذبح کرے اور تقرب الی غیر کا ارادہ کرے تو علماء کا اجماع ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اس کی ذبیحہ مرتد کی ذبیحہ ہوتی ہے۔

جواب

فقہاء عظام سے نویند کہ کتابی اگر براسم مسیح ذبح کند حلال نیست آرے در صورت ذبح نمودن او براسم اللہ و ارادہ کردن مسیح از و حلال است کمانی السراجیہ وغیرہا نظر بدین آں سے خواهد کہ ذبیحہ مسلم براسم خدائے عز و جل حلال باشد گو در دل خود نیت خبیثہ را جائے داده باشد یعنی تقرب الی غیر و بعد التامل ماخذ شرط کونہ خالص اللہ یعنی وما ذبح علی النصب شامل نیست صورت مذکورہ را چہ او از برائے ذکر نام خدا عند الذبح داخل نیست در ما ذبح علی النصب زیرا کہ مشرکین بوقت ذبح ما ذبح علی النصب نام خدائے

فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ عیسائی اگر عیسے علیہ السلام کا نام لے کر ذبح کرے تو حلال نہ ہوگا۔ ہاں اگر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے اور ارادہ عیسائی علیہ السلام کا کرے تو جانور حلال ہوگا۔ کمانی السراجیہ یہ عبارت مقتضی ہے کہ وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے اور دل میں خبیث نیت ہو یعنی تقرب الی غیر کا ارادہ ہو تو اس کی ذبیحہ حلال ہوگی۔ یہ صورت ما ذبح علی النصب کے ماتحت داخل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسلمان ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتا ہے اور مشرکین ما ذبح علی النصب پر بتوں کا نام لیتے تھے۔ حضرت خاتم المحدثین نے حرمت ثابت کرنے کے لئے

گرفند۔ وثبت حرمت شدہ نئے تو اند آچہ
حضرت خاتم الحدیثین مابہ الامتیاز بین
الصورتین پیدا نمودہ اند یعنی کتابی خطا در
عنوان نہ کردہ کہ نام خدا را گرفتہ بلکہ در
معنون کہ مراد از و مسیح داشته ازیں جہت
ذبیحہ او حلال است۔ و ذابح للتقرب الی
الولی وقع کہ شہرت داد بنام غیر خدا پس در
عنوان و معنون ہر دو خطا کردہ لہذا ذبیحہ او
حرام شدہ۔ اتہی بھصلہ۔

ان دونوں صورتوں کے درمیان جو مابہ الامتیاز
پیدا کیا ہے وہ قطعاً ان کا مقصد ثابت نہیں کر
سکتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عیسائی نے چونکہ
زبان سے خدا کا نام لیا ہے۔ لہذا اس سے
عنوان میں خطا سرزد نہیں ہوئی۔ ہاں خدا سے
چونکہ اس نے عیسی علیہ السلام مراد لیا ہے۔
اس لیے معنون میں ضرور اس نے خطا کی ہے
بدیں وجہ وہ ذبیحہ حلال ہے۔ اور اس کے
برخلاف مسلمان نے جو جانور تقرب ولی کے
ارادے سے ذبح کیا ہے۔ اس نے جب غیر
خدا کا نام اس پر مشہور کیا ہے تو عنوان اور
معنون دونوں میں خطا کی ہے۔ لہذا اس کی
ذبیحہ حرام ہوگی۔

بلکہ مابہ الامتیاز مذکور مثبت حلیت مذبوح
است در صورت مسطورہ چہ ذابح للتقرب الی
غیر اللہ چونکہ عند الذبح نام خدا گرفتہ و مراد
از و بغیر از ذات حق چیزے نہ داشته پس بوجہ
خطا نہ کردن و مصیب بودن اور عنوان و
معنون باید کہ ذبیحہ اش بطریق اولی حلال
باشد از ذبیحہ کتابی کہ خطا در معنون کردہ اگر
کوئی ازیں کہ گفتی شرط ذکر اسم خدا من حیث
المعوان والمعون بصحت رسیدہ لہذا از جہت
انتفاء شرط دیگر کہ کونہ خالصاً اللہ است حرمتش

اب اگر انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں تو
ادنی تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ
بعینہ یہی مابہ الامتیاز ذبیحہ مذکورہ کی حلت کا
مثبت ہے۔ کیونکہ جب ذابح نے ذبح کے
وقت خدا کا نام لیا اور دل میں بھی ارادہ ذات
حق کے بغیر کسی چیز کا نہیں کیا تو عنوان اور
معنون دونوں میں مصیب ہونے کے باعث
بطریق اولی حلال ہوئی۔ برخلاف عیسائی کے
اس نے معنون میں تو خطا کی تھی۔ اگر آپ
کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے کی جو شرط

ثابت است۔ گویم پیش ازین شنیدی کہ عند التامل ماخذ این شرط صورتِ مسطورہ را شامل نیست بل مباین "لہ فلا يتعدى حکم التحریر الیہا فتامل لہ۔ غالباً از برائے ہمیں معنی علماء را در تکفیر ذانح مذکور و حرمتِ ذبیحہ او اختلافی واقع شدہ کما فی الذر المختار و هل یکفر قولان بزازیہ و شرح و ہبانیہ قلت وفي صيد المنية انه يكره ولا يكفر انتھی۔

تھی وہ تو عنوان اور معنوں کی حیثیت سے درست ہے۔ لیکن خالصاً للہ کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ تو جواب یہ ہے کہ شرط مذکور کا ماخذ ای ماذبح علی النصب یقیناً اس صورت کو شامل نہیں جیسا کہ گزرا۔ بلکہ اس کے مباین ہے۔ لہذا اس کا حکم تحریم اس کی طرف ہرگز متعدی نہ ہوگا۔ فتامل لہ غالباً اسی وجہ سے علماء نے ذانح مذکور کی تکفیر اور ذبیحہ مذکورہ کی حرمت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ کما فی الذر المختار۔ کیا وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ تو اس مسئلہ میں نتہاء کے دو قول ہیں (بزازیہ و شرح و ہبانیہ) میں کہتا ہوں۔ صید المنیہ میں ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کافر نہیں ہوتا۔ اھک۔



۱ اشارت است بسوئے سوال و جواب تقریر سوال آں کہ قول بعدم ثبوت حرمت ما ذبح للتقرب الی غیر اللہ منافی است باں چه سابق گذشتہ یعنی حرمت ما ذبح للتقرب الی غیر اللہ جواہش آں کہ این جا کلام در عدم ثبوت قطعیت حرمت است بمقابلہ تشدوفی التکفیر و در سابق ثبوت حرمت است فی الجملہ فلا منافاة۔ ۱۲ مؤلف

۱ یہ سوال و جواب کی طرف اشارہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ ما ذبح للتقرب الغیر کی حرمت ثابت نہ ہونے کا قول منافی ہے اس کے جو پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی ذبیحہ مذکورہ کی حرمت کے قول کو جواب یہ ہے کہ یہاں کلام تکفیر میں تشدد کے مقابل حرمت کی قطعیت ثابت نہ ہونے میں ہے۔ اور پہلے جو حرمت کا حکم مذکور ہو چکا ہے۔ وہ فی الجملہ حرمت کے ثبوت کے متعلق ہے۔ فلا منافاة۔ ۱۲

و بر تقدیر تسلیم حرمت لزوم کفر خواهد بود نہ
التزام۔ و آل چه در نیسا پوری اجمع العلماء
نوشته حقیقت این اجماع را از اختلاف مذکور
در یاب فالمراد بالاجماع ہی اکثرہ و
بالارتداد و الکفر لزومہ لا التزامیہ بناء علی ما قلنا
قبیل ہذا و غرضہم رحمہم اللہ التجہد ید و التنبیہ و
عندی ان الاہتمام و تشمیر الذیل لتعلیم العوام
و تفہیمہم اصوب من التکفیر۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ کافر ہو جاتا ہے تو یہ لزوم کفر
ہے التزام کفر نہیں۔ کما مر۔ اور تفسیر نیشاپوری نے جو
اجماع نقل کیا ہے۔ اس سے کثرت مراد ہے ورنہ اس
اختلاف سے ہی آپ اس اجماع کی حقیقت معلوم کر
سکتے ہیں اور ارتداد اور کفر کے حکم۔ سے یہی لزوم کفر مراد
ہے جیسا کہ ہم ابھی واضح کر چکے ہیں نہ التزام کفر اور
اس حکم سے بھی فقہاء کا مقصد تہدید اور تنبیہ ہے۔
میرے نزدیک لوگوں کو کافر بنانے پر زور لگانے کی
 بجائے افہام و تفہیم اور صحیح نذر کا طریقہ سمجھانے کا جہاد
 زیادہ بہتر ہے۔

----- خلاصہ آں کہ در ذبح چونکہ مسلم
بودن ذاب شرط نے و بعد الایمان بتورات و
انجیل حبث باطنی او ہم در حلیت ذبیحہ مضر نے
کما قالوا عزیر بن اللہ و اسح بن اللہ۔ پس
محمدی بے چارہ اگر از فرط جہل و نادانی باوجود
ایمان اجمالی او بما جاء بہ ہذا لنبی العربی
القریشی الہاشمی علیہ من الصلوات افضلہا
ومن التسلیمات اکملہا مرتکب منکری از
منکرات گردد او را کشان کشان از حیظہ
اسلام بیرون نباید کشید۔ بالخصوص منکرے کہ
از وسعت دائرہ او اختلاف علماء رارضی اللہ
عنہم الی یومنا ہذا محیط باشد۔ اولاً صحابہ و
تابعین رارضی اللہ تعالیٰ عنہم

خلاصۃ المرام جب عیسائی اور یہودی علی
الاعلان عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ کہتے ہیں
اور مسلمان بھی نہیں ہیں۔ اور توریت اور انجیل
پر برائے نام ایمان رکھنے کے بعد بھی ان کا
حبث باطنی ذبیحہ مذکورہ کی حلت میں خارج
نہیں ہوتا تو بے چارہ محمدی اگر نادانی اور
جہالت کی وجہ سے کسی برائی کا ارتکاب کر لیتا
ہے۔ حالانکہ وہ اجمالی طور پر حضور نبی عربی
قریشی ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے
ہوئے احکام پر ایمان رکھتا ہے تو اُسے آپ
کھینچ تان کر زبردستی دائرہ اسلام سے خارج
کرنے کی سعی بلیغ فرماتے ہیں خصوصاً ایسے
جرم کی پاداش میں جس کے متعلق علماء کا

اختلاف نے بُوَدہ است در ذبیحہ کافر لہ کتابی۔

اختلاف چلا آتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔

ذبیحہ کافر کتابی کے متعلق اذلاً خود صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اختلاف موجود ہے۔

حضرت ابو الدرداء عبادہ بن صامت، ابن

عباسؓ، زہری، ربیعہ شعمی اور مکحول وغیرہ

حضرات کرام اُسے مطلقاً حلال فرماتے ہیں۔

گو نصرانی اور یہودی نے عیسیٰ علیہ السلام اور

عزیز علیہ السلام کا نام ذبح کے وقت لیا ہو۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ اگر تم نے خود ان سے ذبح کے

وقت غیر خدا کا نام سنا ہے تو ان کی ذبیحہ نہ

کھاؤ۔ اور اگر تم نے خود نہیں سنا اور تمہیں اس

بارے میں کوئی علم نہیں تو وہ ذبیحہ بالا جماع

حلال ہے۔ ارشادِ الہی ہے کہ اہل کتاب کا

طعام تمہارے لیے حلال ہے اور احادیث صحیحہ

بھی اس بارے میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک

ابو درداء و عبادہ بن صامت و ابن عباسؓ و

زہری و ربیعہ و شعمی و مکحول اور مطلقاً حلال

مے گویند گو کہ یہودی نام عزیز و نصرانی نام

مسیح عند الذبح گفتہ باشد و علی کرم اللہ وجہہ و

عائشہ صدیقہ و ابن عمرؓ مے فرمایند کہ اگر مے

شنوی تو کہ عند الذبح نام غیر خدا گرفتہ اند

پس مخور ذبیحہ اوشاں۔ و ایں اختلاف وقتی

است کہ مارا علم باشد بذکر نمودن اوشاں

نام غیر خدا را عند الذبح اما در صورت عدم علم

پس حلیت آں مذبوح باجماع ثابت است

لقولہ تعالیٰ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا

الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ و برائے احادیث

صحیحہ کہ وارد اند دریں باب چنانچہ یہودیہ بڑے

را بحضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم



۱۔ وجہ ارتباط ایں مسئلہ بمانحن بصدورہ آں

کہ بناء حل ذبیحہ ایں طائفہ بر امر ظاہری

است و تحبث باطنی اوشاں موجب حرمت

نئے گردد فکذا فیما نحن فیہ۔ ۱۱۲ از

مؤلف

۱۔ مانحن فیہ کے ساتھ اس مسئلہ کا

رابطہ یہ ہے کہ ذبیحہ کتابی کی حلت کی بناء جب

امر ظاہری پر ہے اور حبث باطن اس میں کوئی

اثر نہیں رکھتا تو مسلمان کی ذبیحہ میں کیوں اثر

کر جاتا ہے۔

ہدیہ آورده بود و آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
از و تناول فرمود و غیرہ و غیرہ۔ فتح البیان
محصلہ۔

یہودی عورت نے بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی اور آپ
(صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں سے تناول
فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ (فتح البیان)

دوم علماء کا اختلاف کہ ذبیحہ مذکورہ کی حرمت
قطعی طور پر ثابت ہے جیسا کہ مکفرین اور
محررین کا مذہب ہے یا مکروہ ہے جیسا کہ
قائلین کراہت کا مسلک ہے تیسرا خود اس
بات میں بھی اختلاف ہے کہ ذبیحہ مذکورہ ما
ذبح لتقرب الغیر کا مصداق ہے یا
نہ؟ چوتھا امام نووی اور تفاسیر سلف کی
تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے کہ مندورہ
اولیاء ما اهل به لغیر اللہ سے خارج
ہے کیونکہ انہوں نے آیت مذکورہ کا ترجمہ یہ کیا
ہے کہ بوقت ذبح اُس پر غیر اللہ کا نام لیا
جائے۔ لہذا ان مندرجہ بالا گزارشات کو مد نظر
رکھتے ہوئے حق یہی ہے کہ مسلمانوں کی تکفیر
سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے۔

ثانیاً علماء را اختلاف است دریں کہ حرمت
صورتِ مسطورہ علی سبیل القطعیات ثابت
است بہ نص کما علیہ مکفرون
والحرفون یا نہ بلکہ مکروہ است کما
هو عند القائل بالکراہة وثالثاً
یودن ذبیحہ مندورہ للاولیاء مصداق برائے
ما ذبح للتقرب الی غیر اللہ
نیز علماء را اختلاف است کما مر۔ و رابعاً ذبیحہ
مندورہ خارج است از ما ذبح لغیر
اللہ علی قول من فسره بما
ذکر علیہ اسم غیر اللہ عند
ذبحہ کما فی النووی و
تفاسیر السلف۔ فالحق هو
کف اللسان عن التکفیر۔



تنبیہ

جس طرح حرام خداوندی کو حلال کہنا حدودِ الہیہ سے تجاوز ہے اسی طرح حلال کو حرام کہنا بھی ناجائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ أَكْبْحِيْرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ لہذا عادت کے طور پر ابنائے روزگار مشغلہ تکفیر کو کمال تقویٰ اور امر بالمعروف کا فریضہ سمجھتے ہیں وہ ان تمام حقائق سے یکسر غافل ہیں جو صفحہ قرطاس پر ہم نے پیش کیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

باید دانست کہ پُتانیچہ تحلیل ما حرمہ اللہ تجاوز است از حدودِ الہیہ ہم پُتانیچہ تحریم ما حللہ اللہ نیز آیت مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ أَكْبْحِيْرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ شاید عدم است بریں پس آں چہ معتاد و مرکوز خاطر ابناء زمان گشتہ از علماء و عوام کہ در تحریم و تکفیر جسارت و عجلت می نمائند و این را بزعم خود از کمال تقویٰ و حمایت شرع سے شمارند یعنی است بر غفلت از انچه شنیدی۔

اعتبار

ان سطور کے ناظرین کرام کو بمقتضائے ارشادِ خداوندی **فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ** عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ جب جانور حیوان کی طہارت اور پاکیزگی اور حلت کی مدار اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کے ساتھ وابستہ ہے تو افسوس ہے اس انسان پر جو اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اپنے ہر سانس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر مقدس کے بغیر مُردار کر رہا ہے۔ اور ابتدائے بلوغ سے دمِ حال تک لا تعداد انفاسِ قدسی جو اس کے

ناظرِ ایں سطور را باید کہ مطابق ارشادِ **فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ** از مسئلہ حلت و حرمت ذبیحہ عبرت گیرد و زمانی متامل کرد دریں کہ طہارت و زکوٰۃ حیوان مذبوح را چونکہ منوط و وابستہ نمودہ اند بذکر نام پاک حق سبحانہ و تعالیٰ و بغیر از ذکر او نجس و مردار است پس وائے برآں کہ ہر نفس و دم او بغیر ذکر ایں نام مقدس مُردار سے گردد۔ و از ابتداء بلوغ تا دمِ حال بے تعداد حیوانات او مُردار گشتہ۔ کسے کہ یک حیوان مملوک او

حیضہ اقتدار میں تھے اس کی غفلت شعاری کی وجہ سے مُردار ہو گئے ہیں۔ جس انسان کا ایک جانور مُردار ہو جاتا ہے۔ وہ کس قدر حسرت اور رنج کا اظہار کرتا ہے اور ٹھف ہے اُس کے حال پر جس کے لاکھوں حیوان مملو کہ مُردار ہو جائیں۔ اُسے دوست تیرا محبوب حقیقی لیس کمثلہ شیء ہے جس کی کوئی شے مثل نہیں۔ اور یہ دم جو جا چکا ہے کسی صورت واپس نہیں آئے گا۔ کیا تجھ پر لازم نہیں کہ اس بے مثل دم کو اسی بے مثل محبوب کی رضا میں صرف کرے۔ اور یَذْکُرُونَ اللہ قِیَامًا وُقُودًا کے گروہ پاک میں شامل ہو جائے جو کھڑے بیٹھے خدا کی یاد کرتے ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے جد بزرگوار اور سلسلہ قادریہ میں میرے شیخ حضرت پیر فضل الدین شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اکثر یہ مصرع طالبانِ حق کی تنبیہ کے لئے ورد زبان رکھتے تھے۔

واقف دم باش بے جادم مزن
اور حضرت فرید الدین عطار کا یہ بیت پڑھا کرتے تھے۔

اگر خدائے حق و قیوم سے خبر رکھتا ہے
تو اپنے منہ پر خاموشی کی مہر لگا دے۔

مُردار گرد و چہ قدر حسرت ورنج مے بیند۔
وائے بر حال آں کہ لکھو کھابے تعداد
حیوانات او ضائع شوند و او بے خبر باشد
ازیں۔ برادر بگوش ہوش بشنو محبوب تو
لیس کمثلہ شیء ولم یکن لہ
کفوا احد است۔ و ایں دم تو رفتہ بہ هیچ
حیلہ باز نہ مے آید۔ پس بر تو لازم کہ ایں
بے بدل رادر همان بے مثل در بازی۔ و از
زمرہ یَذْکُرُونَ اللہ قِیَامًا و
قُودًا و علیٰ جُنُوبِہم گردی۔

یاد دارم کہ حضرت جدی و شیخی فی القادریت
پیر فضل الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکثرت
مصرع ذیل را برائے تنبیہ طالبانِ حق مے
فرمودند۔

ع واقف دم باش بے جادم مزن
و نیز ایں بیت حضرت فرید الدین عطار
اقدس سرہ مے خواندند
بیت

گر خبرداری ز حق لایموت
بردہان خود بہ نہ مہر سکوت

از اختتامِ مثنوی

خود شہ شیرین است نامِ پاک تو
اے پروردگار تیرا نام مبارک کس قدر شیریں ہے
نامِ تو چوں بر زبانی میرود
جب تیرا اسم گرامی میری زبان پر جاری ہوتا ہے
اللہ اللہ ایں چہ شیرین ست نام
اللہ اللہ یہ کس قدر شیریں نام ہے
اللہ اللہ ایں چہ نام خوش مذاق
اللہ اللہ یہ کس قدر عمدہ ذوق کا نام ہے
اللہ اللہ ایں چہ احسان کردہ
اللہ اللہ تو نے یہ کیسا احسان فرمایا ہے
ایں چنیں جہن لہتیں دادی مرا
مجھے ایسا قوی ذریعہ عطا فرمایا
اللہ اللہ خود چہ نیکو کردہ
اللہ اللہ تو نے کیا خوب کیا
وہ چہ بدکارم کہ جملہ نیستم
میں کس قدر بُرا ہوں کیونکہ نیست محض ہوں
اللہ اللہ انت لی نعم الوکیل
اللہ اللہ تو میرا بہترین وکیل ہے
اللہ اللہ لیس غیرک فی الوجود
اللہ اللہ تیرے سوا عالم ہستی میں کوئی نہیں
اللہ اللہ لا الہ بہر چیت
اللہ اللہ لا الہ کی نفی کس لیے ہے

خوشر از آب حیات ادراک تو
تیری معرفت آبِ حیات سے بھی عمدہ ہے
ہر بنِ مُو از غسل جوئے شود
تو ہر سرِ مُو شہد کی نہر محسوس ہوتا ہے
شیر و شکرے شود جانم تمام
جس سے میری جان شیر و شکر ہو جاتی ہے
حرفِ حُش سے دہد جاں را رواق
جس کا ہر حرف جان کو خوشی بخشتا ہے
در چنیں برزخ پتہاں در پردہ
کہ اس طرح کے برزخ میں در پردہ ہے
کاعتصامش عرش راشد مرقی
جس کا اعتصام عرش کے لئے بھی موجب رفعت ہے
آشکارا ہستی و در پردہ
کہ آشکارا ہوتے ہوئے پردہ میں ہے
پس چرا پشت بہ ہستی ایستم
پھر تیرے سامنے ہستی کے ساتھ کیسے ٹھہر سکتا ہوں
انت ربی انت حسبی یا جلیل
تو ہی میرا پروردگار اور میرے لیے کافی ہے
هل تری الديار فی دیر الشہود
عالمِ شہود میں اس کے بغیر بھلا کون نظر آ رہا ہے
چوں کہ الّا اللہ خورشیدِ جلیست
جب کہ الّا اللہ کا اثبات خود واضح آفتاب ہے

جسم ظاہر ہیں بہ نفی آمد مقل سے تو اس کردن بلے جہد المقل
 ظاہرین آنکھ کے لئے اغیار سے نگاہ اٹھالینا مشکل ہے لیکن اس کے لئے سخت کوشش چاہیے
 اللہ اللہ اسم ذات پاک دوست اسم اعظم از برائے قُربِ اوست
 اللہ اللہ دوست کا اسم پاک اُس کے قُرب کے لئے اسم اعظم ہے
 اللہ اللہ گو یرو تا سقف عرش پیش معراج تو گردد چرخ فرش
 اللہ اللہ کا ذکر کرتا کہ تجھے عرش پر رسائی ہو اور آسمان تیرے عروج کے سامنے فرش ہو جائے
 یوں برارم دم باللہ الصمد چرخ نعرہ لیتی کت زند
 جب میں اللہ الصمد کے ساتھ سانس نکالتا ہوں تو آسمان میرے اس ذکر پر رشک کرتا ہے
 اسم اعظم ہست اللہ العظیم جانِ جان و محیِ عظیمِ ریم
 اللہ العظیم اسم اعظم ہے جانِ جان اور بوسیدہ ہڈیوں کو جان بخشے والا ہے
 اللہ اللہ مستم از نامِ خدا ہے چکد از ہر رگم راقِ جدا
 اللہ اللہ خدا کے نام سے مست ہوں میری ہر ایک رگ سے شرابِ محبت ٹپکتی ہے
 ساقیم آن بادہ اندر جامِ کرد
 میرے ساقی نے وہ شرابِ جام میں ڈالی
 کہ زما ومن بر آوردست گرد
 جس نے ماومن کو ختم کر دیا



تصنیفات

فاتحِ قادیا نیت، مجددِ دین و ملت

اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی قدس سرہ العزیز

(۱) تحقیق الحق فی کلمۃ الحق :- یہ کتاب کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت

الوجود کے بیان میں ہے جو کہ حضرات صوفیائے کرام کے مکشوفات میں سے ہے اور ساتھ ہی لکھنؤ کے مشہور صوفی مولانا سید عبدالرحمن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کا جواب بھی ہے جس میں شاہ صاحب موصوف نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمہ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمت کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف ہونے پر کافی دلائل پیش فرمائے تھے۔ آنجناب نے اپنے خداداد علمی و عرفانی کمالات سے ایک طرف شاہ صاحب مرحوم کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی، جس سے اُمت مسلمہ کے اکثر افراد کا کلمہ طیبہ پر ایمان سے محروم ہونا لازم آتا ہے اور دوسری طرف صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی تشریح فرمائی جو اربابِ علم و ذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ آخر میں صوفیائے وجودیہ کے سلوک اور توجہ کے طریقہ کو نہایت ہی عمدہ انداز میں بیان فرما کر بطور تبرک حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی مختصر سیرت طیبہ اور نہایت ہی مفید اور کارآمد وصیتوں پر کتاب کو ختم فرمایا ہے۔

(۲) شمس الہدایہ :- یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے زندہ آسمان پر

تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر کتاب و سنت کی روشنی میں ایک لاجواب تحفہ ہے، جس کے پڑھنے سے موجودہ دور کے بعض غلط خیالات کی پوری تردید سامنے آجاتی ہے۔ جن کی وجہ سے ختم نبوت جیسے متفقہ اور

اجماعی عقیدہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کافی کوشش کی گئی تھی۔ کتاب اُردو میں ہے جس سے اکثر طبقہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۳) سیف چشتیائی:۔ یہ کتاب حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر قادیانیت

کے رد میں لکھی گئی ہے اور بلاشبہ اس موضوع پر قوت استدلال اور طرز بیان کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور ہر طبقہ کے علماء میں مقبول ہے۔

(۴) فتاویٰ مہریہ:۔ یہ کتاب آنجناب کے قلمی فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس میں

بغرض سہولت آپ کے دیگر تصنیفات میں مختلف مقامات پر بیان کردہ بعض دیگر مسائل بھی ساتھ شامل کر دیے گئے ہیں۔ جو کہ اہل علم و عقیدت حضرات کے لیے نہایت ہی مفید ہے۔

(۵) اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان و ما اہل بہ لغیر اللہ:۔ یہ کتاب و ما اہل

یہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں مسائل نذر و نیاز، سماع موتی، استمداد اولیاء کرام وغیرہ کو نہایت ہی شستہ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے اور ان مسائل میں مدت سے اہل اسلام میں جو اختلاف چلا آ رہا تھا اسے نہایت ہی اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۶) مکتوبات طیبات:۔ یہ کتاب آنجناب کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ

ہے۔ جو وقتاً فوقتاً آپ نے احباب اور متعلقین کو لکھے ہیں اور اکثر اُردو میں ہیں۔ جن کے مطالعہ سے شریعت و طریقت کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔

(۷) ملفوظات طیبات:۔ یہ آنجناب کے علمی و روحانی ارشادات کا مجموعہ بمع

ترجمہ اُردو طبع ہو چکا ہے۔

(۸) الفتوحات الصمدیہ :- غیر مقلدین کے دس سوالات اور آپؐ کی طرف

سے اُن کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرتؒ نے غیر مقلدین پر بارہ سوال کیے تھے اور پیش گوئی فرمائی تھی کہ ”جواب سے جواب ہی ہوگا“ چنانچہ آج تک کوئی اُن کا جواب دینے پر قادر نہیں ہوا۔

(۹) تصفیہ مابین سُنی و شیعہ :- اس کتاب کی وجہ تالیف میں صفحہ (ج) پر خود

فاتح مرزا سیت، مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ (متخالف مذہبی مابین سُنی و شیعہ کوئی نیا اختلاف نہیں جسے رفع کرنے کے لیے طالبانِ حق موجودہ زمانہ کے علماء سے التجاء کریں۔ اس سے قبل سلف صالحین علیہم الرضوان حسب تدبیر الہیہ وقتاً فوقتاً اہل بیت کرام سے محبت رکھنے کے وجوب اور خلافت خلفائے اربعہ کی حقانیت کے اہم موضوع پر نہایت شائستہ انداز میں اظہار خیال فرماتے چلے آئے ہیں۔ البتہ حال ہی میں اس تخالف میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ اہل سنت و الجماعت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اہل بیت کرام کے خلاف بغض اور بنی امیہ کے ساتھ محبت رکھے۔ حالانکہ اہل سنت کبھی بھی اس شقاوت میں ملوث نہیں ہوئے۔ اور ان کے عقائد میں رسول پاک ﷺ کے خاندان سے دوستی و موَدّت مدایر ایمان اور فرض مانی گئی ہے۔ اس نئے رجحان کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے بمقابلہ اہل تشیع اپنے مواعظ و نصائح کی مجالس میں صرف دفع ملاءن و مطاعن کی طرف ہی رخ کیا۔ اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی طرف کم توجہ فرمائی۔

(۱۰) مرآة العرفان :- نعتیہ کلام فاتح مرزا نیت، مجدّ دین و ملت حضور قبلہ عالم

سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱) ہدیۃ الرسول :- اس کتاب میں فاتح مرزا نیت، مجدّ دین و ملت سیدنا پیر مہر

علی شاہ نے قرآن و حدیث کی رو سے اثبات حیات عیسیٰ بن مریم اور ان کے آسمانوں پر

زندہ سلامت اٹھائے جانے اور دوبارہ بعینہم زندہ سلامت دنیا پر تشریف لانے کو ثابت

کرنے کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کے اعتراضات کا جواب بھی دیا۔ اور اس کے

علاوہ عقل و فلسفہ محض کا نہایت بلیغ انداز میں ردّ کر کے شریعت مطہرہ کی بالادستی بیان

فرمائی۔



